سیرِ آفاق
(مشرق و مغرب کے مکشوفی اور معراجی تجربات کا بیان)
محمد شفیع بلوچ

﴿سَنُرِيهِمْ آيَاتِنَا فِي الْآفَاقِ وَفِي أَنْفُسِهِمْ حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُ الْحَقُّ﴾

(القرآن: حٰمٓ السجدة: ۵۳)

(ہم انہیں عالمِ آفاق (خارجی دنیا) اور عالمِ انفس (داخلی دنیا) میں اپنی نشانیاں دکھاتے چلے جائیں گے یہاں تک کہ وہ حقیقتِ ثابتہ تک پہنچ جائیں)

Marfat.com

سیرِ آفاق

(مشرق و مغرب کے کشوفی اور معراجی تجربات کا بیان)

محمد شفیع بلوچ

مثال پبلشرز
رحیم سینٹر' پریس مارکیٹ' امین پور بازار' فیصل آباد

Marfat.com

MISAAL PUBLISHERS
مثال پبلشرز

۲۹۷۶۶۲
ش ۵۸ س
۷۷۱۳۰
۲ر

جملہ حقوق محفوظ©

طلوعِ اوّل 2007

کتاب سیرِ آفاق

مصنف محمد شفیع بلوچ

ناشر محمد عابد

سرورق اسد عباس

کمپوزنگ محمد رضوان

تعداد 1000

مطبع شرکت پرنٹنگ پریس

قیمت 150روپے

اہتمام مثال پبلشرز رحیم سینٹر پریس مارکیٹ امین پور بازار، فیصل آباد

Ph:2615359 -2643841 Mob:0300-6668284
E-mail:misaalpb@gmail.com
misaalpb@hotmail.com
misaalpb@yahoo.com

Marfat.com

''فرزندِ عزیز! خیال سے سنو: جب سالک ذکر میں پورے اخلاص وانہماک سے مشغول ہوتا ہے اور مجاہدات وریاضات سے تزکیۂ نفس حاصل کرتا ہے، جب وہ اپنے ساتوں لطائف (لطیفۂ قلب، لطیفۂ روح، لطیفۂ سرّ، لطیفۂ خفی، لطیفۂ نفس، لطیفۂ قالبیہ) کا تصفیہ کرلیتا ہے اور عالمِ مثال میں ان کے انوار کو دیکھ لیتا ہے جو مختلف الوان کے ہیں (زرد، سرخ، سفید وغیرہ) تو اس کی سیرِ آفاقی اتمام کو پہنچتی ہے۔ سالک اس دوران میں عالمِ مثال میں اپنے آپ کو ایک ہیئت سے دوسری ہیئت میں تبدیل ہوتے دیکھتا ہے (زرد ہے، پھر سرخ، پھر سفید وغیرہ) چونکہ عالمِ مثال آفاق میں داخل ہے اس واسطے اس سیر کو سیرِ آفاقی کہتے ہیں ورنہ حقیقت میں یہ سیر بھی سیرِ نفسِ سالک ہے اور اوصاف واخلاق میں ایک قسم کی کیفی حرکت ہے، چونکہ دور سے دیکھتے وقت اس کا مطمعِ نظر آفاق ہوتا ہے نہ انفس اس واسطے اس سیر کی نسبت آفاق کی طرف کردی گئی ہے۔ مشائخ نے اس سیر کو سیر الی اللہ قرار دیا ہے۔ اس سیرِ آفاقی کے بعد جو سیر واقع ہوتی ہے اس کو سیرِ انفسی کہتے ہیں۔۔۔ یہ سیر فی الحقیقت انفس کے آئینوں میں ظلالِ اسماء کی سیر ہے۔ بنابریں اس سیر کو ''سیرِ معشوق در عاشق'' بھی کہتے ہیں۔ (یعنی معشوق اپنے عاشق کے لطائف کے آئینوں میں جلوہ گر ہو رہا ہے)

اللہ تعالیٰ کے لیے ستر ہزار پردے نور وظلمات کے ہیں (نور، جمال اور ظلمت، جلال) اور سیرِ آفاقی میں ان تمام پردوں کا چاک کرنا شامل ہے۔ سات لطائف ہیں اور ہر لطیفہ کے دس ہزار پردے ہیں۔ جب سیرِ آفاقی پوری ہوتی ہے تمام پردے اُٹھ جاتے ہیں اور سالک کو سیر فی اللہ نصیب ہوتی ہے اور وصل کا مقام اس کو مل جاتا ہے۔ اربابِ ولایت کے سیر وسلوک کا خلاصہ یہ ہے جو لکھا گیا ہے۔''

(مکتوب شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانیؒ بنام خواجہ مرزا جمال الدین حسین، دفتر دوم، مکتوب ۴۲)

Marfat.com

تعارفیہ

اصل نام : محمد شفیع خان

قلمی نام : محمد شفیع بلوچ

ولدیت : علی خان

پیدائش : ۱۹۵۷ء، بمقام بھمبے والا، موضع درگاہی شاہ (ضلع جھنگ)

تعلیم : ایم۔اے (اردو، پنجابی)، ایم۔ایڈ، ایم۔فل

پیشہ : تدریس

مستقل پتہ : موضع درگاہی شاہ، ڈاک خانہ: ۱۸ ہزاری، ضلع جھنگ

رابطہ نمبر : 047-7330563.Mob:0301-3963696

email:shafibaloch@yahoo.com

مصنف کی دیگر کتب

حسن کلامِ محمد ﷺ (فصاحت و بلاغت کے حوالے سے)

شیخِ اکبر محی الدین ابن عربیؒ (سوانح، افکار و آثار)

جاوید نامہ (ایں کتاب از آسمانِ دیگر است)

مشرق کا فراموش کردہ نابغہ (مولانا احمد رضا بریلوی کے بارے میں انگریزی سے ترجمہ)

زیر طبع

- مغرب اور اسلام (اکتساب و گریز کی داستان)
- مذاہبِ عالم میں توحید اور وحدت الوجود
- فلسفہ اور فلاسفہ
- تصوف کی دنیا
- ٹھہرو! (افسانے)
- مضامینِ علمی و ادبی
- انشائیے
- تحریکِ پاکستان اور علماء و مشائخ
- بلوچ، تاریخ کے آئینے میں
- جیون اک عذاب (شعری مجموعہ)

PUNJAB UNIVERSITY LIBRARY

Marfat.com

اپنی اصل کی باز دید و بازگشت کے جذبے

کے نام

ہر کسے کہ دور ماند از اصلِ خویش

باز جوید روزگار وصلِ خویش

(رومیؒ)

میرے دوست!

وہ کون انسان ہے جس کی رسائی آسمان تک ہو سکے
نورانی شمس کی ابدی رفاقت تو محض دیوتاؤں کو نصیب ہے
رہے ہم انسان، سو ہمارے دن تو گنتی کے ہوتے ہیں
اور ہمارا کاروبارِ زندگی ہوا کے جھونکے کی طرح رفتنی و گزشتنی ہے

(گلِ گامش کی داستان)

Marfat.com

فہرست

○ چہرہ! — محمد شفیع بلوچ — 11

۱۔ انبیاء اور مقربانِ الٰہی کی معراجیں — 17

○ نبی آخرالزمان حضرت محمد ﷺ کی معراج — 44

۲۔ بایزید بسطامیؒ کے مشاہدات — 54

۳۔ اِنّنا کا سفرِ ظلمات — 82

○ مغربی ادب — 114

○ جاوید نامہ — 167

مآخذ و مراجع — 184

Marfat.com

Marfat.com

چہرہ!

اوج اور رفعت کی تمنا، کمال کے حصول کی طرف میلان اور عالم غیب کے اسرار معلوم کرنے کی خواہش انسانی طبیعت کا خاصا ہے۔ اس نے جب سے شعور کی آنکھ کھولی ہے اس کی نظر آسمان بلکہ اس سے بھی پرے رہی ہے، شاید اس لیے کہ آدم کے ہبوط نے اس میں صعود کی خواہش پیدا کی۔ اپنے ہبوط پر پوری آدمیت کا ترجمان بن کر ابن سینا قصیدۂ عینیہ میں یوں سراپا احتجاج ہے:

''آخر کیا باعث ہوا کہ میں اپنے مقامِ عالی اور منزلِ بلند سے نکال کر ثریٰ کے تاریک اور سنسان غار میں پھینک دیا گیا ہوں؟ کیا یہ خدائی فعل ہے جو کسی حکمت پر استوار ہے۔ وہ حکمت جس کو دریافت کرنے والی دراک ترین نگاہیں بھی نہیں پا سکتیں اور کیا ہبوط ناگزیر ایک سوچی سمجھی ترکیب ہے جس کے توسط سے یہ (روح) وہ چیزیں بھی سُن لے جو کبھی نہیں سُنی تھیں؟''

بہر حال یہ ہبوط غیبی آوازیں سُننے اور برقِ درخشاں کی تجلی کے لیے ناگزیر تھا یا نہیں اتنا ضرور ہوا کہ خدا سے بچھڑ کر، خدا سے ملنے کی خواہش ہر اعلیٰ انسان میں پیدا ہوئی۔ ذاتِ باری کی جانب مراجعت، چاہے شعوری ہو یا لاشعوری، جسمانی ہو یا روحانی، مکشوفی ہو یا رویائی، اس تجربے کا اپنا ایک خاص سُرور ہوتا ہے، کیفِ دوام!

آسمان و زمین کی وسعتوں کے مطالعے اور ہستی کی آیات صنعت کے مشاہدے کو اصطلاحاً سیرِ آفاقی کہا جاتا ہے۔ اللہ کی صناعی کی عظیم نشانیاں محض آفاق اور عرش و فرش کی وسعتوں تک ہی محدود

Marfat.com

نہیں بلکہ خود انسان کے وجود میں بھی اس کی عظیم صناعی کے سیکڑوں نمونے جلوہ فگن ہیں۔ مادی، عقلی اور روحانی عوالم پر مشتمل انفس و آفاق کی اس سیر کے بنیادی ذرائع تین ہیں: جسم، عقل اور روح۔ عالم مادی کا نمائندہ جسم ہے اور اسے بذریعہ حواس محسوس و معلوم کر سکتے ہیں۔ خدا اور جسم (مادہ) درجاتِ کمال کے دو کنارے ہیں۔ اعلیٰ ترین درجہ خدا ہے اور ادنیٰ ترین درجہ جسم ہے۔ عالمِ عقلی جس کی نمائندگی عقل کرتی ہے اس کے معلوم کا ذریعہ فہم ہے اور یہ ادراک معرفت کا پیش خیمہ ہے۔ آخری عالم روحانی ہے اور روح جس کی نمائندہ ہے اس عالم کے دریافت کرنے کا ذریعہ وجدان ہے اور ہم صرف وجدان کے ذریعے حقیقت تک پہنچ سکتے ہیں۔ یہی وجدان جذب پیدا کرتا ہے جس کا منتہا عشق ہے۔ غایتِ حیات اور کمالِ مقصود مبدأ اصلی کی طرف بازگشت ہے اور اس بازگشت کا طریقہ اور ذریعہ عشق ہے۔ مولانا روم کہتے ہیں:

عشق از پی آن باید تا سوئے فلک بود
عقل از پی آن باید تا علم وادب بیند

یعنی ہم عشق کے پروں سے افلاک کی رفعتوں میں پرواز اور خلا کی وسعتوں میں سیر کر سکتے ہیں۔ محدود سے غیر محدود، فانی سے باقی اور زمینی سے آسمانی ہو جاتے ہیں اس کے برعکس عقل کی نظر درس و تدریس اور پند و موعظت تک محدود ہوتی ہے۔ برزخی موجودات کا مشاہدہ کچھ ایسا کمال نہیں ہے بلکہ نفس کا مکمل تجرد کی حالت میں مشاہدہ زیادہ بڑی بات ہے کیونکہ اس موقع پر نفس ایک مجرد حقیقت کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے اور زمان و مکان کی قید سے آزاد ہو کر مشرق و مغرب کا احاطہ کر لیتا ہے۔

حقیقتِ اُولیٰ کی باز دید و بازیافت، اس کی طرف کشش اور اس سے ہم آہنگی و اتصال کی آرزو نے بقدرِ ظرف کئی روپ دھارے اور کئی خواب بنے، کبھی معراج کی صورت میں، کبھی کشف والہام کی شکل میں، کچھ مقربانِ الٰہی (جن میں زیادہ تر پیغمبر و مرسلین ہیں) کو اتصال و مشاہداتِ تجلیٔ ذاتِ بہجت کے جسمانی اور رویائی اور بعض (جن میں زیادہ تر صوفیا ہیں) کو مکشوفات کی صورت میں جہانِ دیگر کے تجربات ہوئے۔ کتبِ عامہ میں ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''اگر تم بہت زیادہ باتیں نہ کیا کرتے اور تمہارے دلوں میں گھبراہٹ نہ ہوتی تو تم بھی وہی دیکھتے جو میں دیکھتا ہوں اور وہی سنتے جو میں سنتا ہوں۔'' شیعہ طرق سے بھی اسی قسم کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ''اگر بنی آدم کے دلوں کے گرد شیطان گردش نہ کرتے ہوتے تو وہ ضرور زمین و آسمان کی ساری بادشاہت دیکھتے۔''

جس طرح ہماری کائناتی فضا میں آوازیں اور تصاویر وغیرہ لطیف اجسام کی شکل میں ہمہ وقت

Marfat.com

موجود ہیں اور انہیں ایک خاص میڈیم اور طریقِ کار کے ذریعے سنا اور دیکھا جا سکتا ہے، اسی طرح ''کشف'' اور ''رویائے صادقہ'' بھی ایسے روحانی میڈیم ہیں جن کے ذریعے علوی جہان کے مشاہدے کا تجربہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے، اپنے کسی بندۂ خاص کو القا کر دیتا ہے جسے کشف کہا جاتا ہے۔ یہ القا چلتے پھرتے اور اُٹھتے بیٹھتے بھی ہو سکتا ہے اور نیند کے عالم میں بھی، جسے رویائے صادقہ یا سچا خواب کہتے ہیں۔ احادیث کی کتب بخاری و مسلم میں حضرت انسؓ کے حوالے سے ارشادِ نبوی ﷺ ہے کہ ''نیک اور سچے خواب نبوت کا چھیالیسواں حصہ ہوتے ہیں۔'' خواب دیکھنے کا یہ تسلسل و تواتر انسان کو عالمِ تجرید، دیو مالائیت اور ایک سادہ و پُر کار آفاقی نظام کی طرف بھی لے جاتا ہے۔ یہ رویائے صادقہ اِس باطنی تجربے کی ادنیٰ صورت ہوتی ہے اور اس کی اعلیٰ و ارفع ترین شکل معراج ہے جس سے حضراتِ انبیا مُستنیر ہوئے۔ معراج گویا نفسِ انسانی کا انتہائی نقطۂ عروج اور کامل انسانیت کا آخری درجہ ہے۔

اسلام کے علاوہ دیگر مذاہب کی کتب میں بھی اگر چہ سیرِ آفاق اور روحانی مکشوفات و واردہ پر مشتمل مجمل لٹریچر ملتا ہے جو مکمل اور بھر پور نہ ہونے کی وجہ سے درخورِ اعتنا نہ سمجھا گیا، یہی وجہ ہے کہ معراج یا اس سے ملتا جلتا تجربہ ان مذاہب میں وہ حیثیت اختیار نہ کر سکا جس طرح کہ اسلام کی تمدنی اور تخیلی تاریخ میں اسے مقام و مرتبہ حاصل ہے۔ جاپان و چین سے لے کر افریقی قبائل تک کے تمام مذاہب و ملل میں بہشتِ بریں، عالمِ ارواح، فردوسِ گم گشتہ، آسمان تک رسائی اور خدا سے ملنے کی خواہش کے آثار پائے جاتے ہیں۔ ان میں بعض معروف ادیان میں آسمان تک رسائی کا ذریعہ کوئی شجر، انگور کی بیل یا زینہ ہوتا ہے، یوں دنیا کے ہر مذہب و فکر اور ادبی و تاریخی اساطیر میں سیرِ آفاق کا حوالہ کسی نہ کسی طور سے موجود رہا ہے اور جن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف زمانوں میں مقربانِ الٰہی کو معراج اور سیرِ ملکوت کے مواقع ملتے رہے ہیں جس میں انہیں زمین و آسمان کی بادشاہی، آسمانی حقائق کا مشاہدہ جنت و دوزخ کے بہت سے روحانی مناظر دکھائے گئے۔

الفاظ انسانی ضرورتوں کی بنیاد پر وضع کیے گئے ہیں اس لیے ربانی حقائق اور انوار کو الفاظ سے ادا کرنا ناممکن ہے، جو کچھ کہا گیا ہے وہ صرف اشارہ اور کنایہ تک محدود ہے۔ حقائقِ عالیہ کو اس طرح بیان کرنا کہ پوری طرح سمجھ میں آ جائیں غیر ممکن ہے۔ ان جہانوں کے حقائق ناقابلِ بیان ہیں اور جو لوگ انبیا کی راہ پر چل کر اپنے اپنے ظرف اور استعداد کے مطابق ان حقائق کے ادراک سے مشرف ہوئے ان لوگوں نے بھی استعارے اور تمثیل کے پردے میں بات کی ہے۔ صوفیا کرام کے علوی اور روحانی تجربات دراصل معراج کی ایک ادنیٰ قسم ہے۔ یہ معراج بھی اصل میں علمی اور مذہبی پہلو رکھتی

Marfat.com

ہے۔صوفیا نے اس مشاہدۂ ربانی اور تجلیٔ ذات کی واردت کو مختلف رنگوں میں اسراء یا معراج کی تعبیر کے لیے استعمال کیا۔اس حوالے سے مذہبی آسمانی کتب کے ساتھ ساتھ متصوفانہ کتب سے چنیدہ واقعات کا ذکر کیا گیا ہے بالخصوص عالمِ اسلام کے بے نظیر صوفی، شیخِ اکبر محی الدین ابن عربیؒ کی شہرۂ آفاق تصنیف ''فتوحاتِ مکیہ'' اس سلسلے میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے جو تخیل، آرٹ یا فن پہ مشتمل کوئی ادبی تصنیف نہیں بلکہ یہ ایک صاحب دل صوفی اور فلسفی کے واردات، مکاشفات اور روحانی مشاہدات کا آئینہ ہے۔

ابن عربی نے اپنے روحانی سفر کے مشاہدات، واردات اور انکشافات کو رموز و کنایات اور اشارات میں مبہم اور غیر مربوط انداز میں پیش کیا ہے۔اسی طرح شیخ فریدالدین عطار کی منطق الطیر ایک ایسی کتاب ہے جو اربابِ تصوف کے لیے نہ صرف ایک شاعرانہ دستور العمل کا درجہ رکھتی ہے بلکہ موضوع و راسلوب کے لحاظ سے بھی ادب میں بھی ایک خاص مقام رکھتی ہے۔فتوحاتِ مکیہ کے بعد اگر عالمِ افلاک و امثال کی صوفیانہ تعبیر پر مبنی کوئی کتاب ہے تو وہ عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی (۷۶۷ھ/۱۳۶۵ء۔۸۳۲ھ/۱۴۲۸ء) کی ''الانسان الکامل فی معرفتہ الاواخر والاوائل'' ہے، جو صوفیانہ ادب میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

فکری اور فنی حوالے سے اگر ہم مشرق و مغرب کے ان تخلیقی فن پاروں پر نظر ڈالیں جو حقیقتِ اولیٰ اور جہانِ دیگر کی باز دید اور بازیافت پر مشتمل ہیں تو وہ ہمیں جاویدانی اور سرمدی نقوش لیے ہوئے نظر آتے ہیں۔اس سلسلے کی سب سے قدیم تصنیف سومیری اسطورہ ''انا کا سفرِ ظلمات'' ہے جس میں آسمان کی ملکہ ''انا'' ظلمات (عالمِ اسفل) کا سفر کرتی ہے۔سوال پیدا ہوتا ہے کہ ادھر ہر ارضی انسان نے آسمان کی جانب عروج کیا، آخر'' آسمانی مخلوق'' کو زمینی سفر کرنے کی کیا ضرورت تھی اور وہ بھی عالمِ اسفل کا۔۔۔؟؟ شاید اس لیے کہ عربی روایات کے مطابق زمین، افلاک کے تابع ہے۔ابن البطریق سے ابنِ رشد تک سب نے زمین پر تاثیرِ افلاک کا جو نظریہ پیش کیا ہے اس کے مطابق ''دنیائے زیریں، دنیائے بالا کے تابع ہے اور دنیائے زیریں کے اجسام منفرداً دنیائے بالا کے اجسام کے حکم کے تابع ہیں، کیونکہ ہوا ادھر ظاہر اجسامِ ارضی سے اور ادھر افلاک سے متصل ہے۔'' چنانچہ اس لحاظ سے ''انا کا سفرِ ظلمات'' ایک دلچسپ مطالعہ ہے۔

تیسری صدی عیسوی کے ایران کے ایک زرتشتی یا زردشتی موبد اور مذہبی رہنما ''اردای ویروف'' کی ''ویروف نامہ'' کو بھی فنی نوعیت کی قدیم تصنیف کہا جاتا ہے' لیکن اس کے مستند ہونے میں شبہ ہے۔یہ چھ سات سو سال بعد ہندوستان کے کسی پارسی معبد سے دستیاب ہوئی۔اس میں کئی باتیں معراجِ نبوی ﷺ سے ملتی جلتی ہیں اور گمان غالب ہے کہ یہ کتاب معراج النبی ﷺ کے واقعہ کے برسوں بعد تصنیف

Marfat.com

ہوئی ہے۔ یہ کوئی وجدانی یا عرفانی تصنیف نہیں بلکہ ایک خیالی روداد ہے جسے ہم فنی یا ادبی نوعیت کی تخلیق کہہ سکتے ہیں۔

اس کے بعد اس نوعیت کی تخلیق ہونے والی داستانوں میں بظاہر کوئی گہری معنویت نظر نہیں آتی تاہم وہ حکمت، رمزیت اور تمثیلیت سے یکسر خالی بھی نہیں۔ عموماً یہ سب کچھ زیریں سطح پر ہوتا ہے۔ ان داستانوں میں خدا، کائنات اور انسان کے باہمی ربط کی وضاحت کی گئی ہے۔ ان کی ساخت میں افلاک، سیارگان، نجوم اور دیگر مظاہر ایک عظیم وحدت میں پروئے ہوئے نظر آتے ہیں اور اس وحدت کو کونیات (Cosmology) کے حوالے سے مابعد الطبیعاتی رموز و علائم میں بیان کیا گیا ہے۔ حیّ بن یقظان اور بوستانِ خیال اس کی عمدہ مثالیں ہیں۔

مغربی ادب میں فنی نوعیت کی نمائندہ تصنیف دانتے کی ''ڈیوائن کامیڈی'' یا طربیۂ خداوندی ہے۔ دانتے ایک کٹر عیسائی عقیدہ رکھنے والا فلسفی شاعر تھا۔ اس کے معراجی تجربات ڈیوائن کامیڈی کی شکل میں اسلامی روایاتِ معراج کے چھ سو سال اور فتوحاتِ مکیہ کے ۸۰ سال بعد منصۂ شہود پہ آئے۔ ڈیوائن کامیڈی، معراجِ نبوی ﷺ کی روایات اور ابن عربی کی اسرار و رموز سے معمور روحانی معراج جس کا فتوحات میں گاہے گاہے ذکر ہوا ہے سے بھرپور استفادہ کے بعد خالصتاً ادبی انداز میں لکھی گئی۔ ڈیوائن کامیڈی کے بعد بھی ملٹن کی جنتِ گم گشتہ اور گوئٹے کے فاؤسٹ جیسے بیسوؤں شاہکار تخلیق کیے گئے۔

عصرِ حاضر کے مشرقی ادب میں معراج کے فکری اور فنی پہلو کو اگر کوئی تخلیق اجاگر کرتی ہے تو وہ علامہ اقبالؒ کی ''جاوید نامہ'' ہے۔ اقبالؒ کے ہاں معراج کی اصطلاح ''انقلاب اندر شعور'' کے طور پہ استعمال ہوئی ہے۔ اسے عام ادبی یا نفسیاتی اصطلاح سمجھنا سراسر علمی مغالطہ کے مترادف ہوگا۔ اُن کے نزدیک معراج (وہ حضور ﷺ کی معراج کو جسمانی معراج سمجھتے تھے) اپنی ظاہری حالت کے ساتھ ساتھ ایک اندرونی انقلاب بھی لاتی ہے۔ وہ تو اسے بلند اور ناقابلِ بیان مقام قرار دیتے ہیں۔

کتاب میں جہانِ دیگر اور انفس و آفاق کی سیر کے ساتھ ساتھ مختلف مذاہب کی مابعد الطبیعیات اور تمدنی نفسیات کے کچھ اجمالی خاکے بھی آپ کو پڑھنے کو ملیں گے جو اپنی تمام تر عاجزی و انکساری اور علمی کم مائیگی کے ساتھ پیشِ قارئین ہیں۔ فیصلہ وقت اور عصر کرے گا۔ مجھے اپنی ''دانائی'' اور ''ہنر کی یکتائی'' کے بارے میں قطعاً کوئی خوش فہمی نہیں، تاہم:

نہیں گر سرو برگِ ادراکِ معنی
تماشائے نیرنگِ صورت سلامت (غالب)

Marfat.com

آخر پہ میں ان مہربانوں کا شکریہ ادا کرنا واجب سمجھتا ہوں جنھوں نے بقدرِ ظرف میری اعانت فرمائی بالخصوص سلطان ارشد القادری، پروفیسر ڈاکٹر ناصر عباس نیر، پرفیسر سیّد سلیم تقی شاہ، گستاخ بخاری، غائر عالم، غلام شبیر اسد، عامر عبداللہ، خاور جیلانی، گلزار ملک، ظفر عجمی، انور انیق، پروفیسر علی نقی خان، توقیر عباس، اسد عباس خان علاوہ ازیں اپنے عزیزان مبشر علی خان، مصباح الحسن خان، مدثر علی خان، محمد عمیر خان، فصیح مجتبیٰ خان کی دعائیں اور نیک تمنائیں سدا میرے ساتھ رہیں۔

محمد شفیع بلوچ

Marfat.com

(۱)

انبیا اور مقربانِ الٰہی کی معراجیں

کائنات کی خارجیت اور داخلیت یعنی آفاق وانفس میں مکمل ہم آہنگی اور وحدت پائی جاتی ہے۔خود وجودِ انسانی بھی کائنات کے مانند ہے جس کے باطن میں روحِ خداوندی جلوہ گر ہے۔اسی روح کے نور سے اس میں عقل اور بصیرت کی شمع روشن ہے اور یہی وہ شمع بصیرت ہے، جو روحِ خداوندی کی آنکھ سے حقیقت کا مشاہدہ کرسکتی ہے۔مولانا رومؒ فرماتے ہیں کہ انبیا انسانیت کی چشمِ بصیرت ہیں اور آنکھ کی پُتلی کی طرح چھوٹے نظر آتے ہیں لیکن اس آنکھ کی پتلی میں تمام افلاک سما جاتے ہیں بلکہ نگاہِ عارف اس جہانِ زمان ومکان اور حدودِ ارض وسما کو چیر کر ذات وصفات کا مشاہدہ کرتی ہے۔

انبیا کے لیے بعض اوقات مادیات اور محسوسات کے تمام پردے ہٹا دیے جاتے ہیں اور ظاہری قوانینِ فطرت، علت ومعلول، حس ومحسوس اور دیگر شرائطِ ادراک وغیرہ کالعدم ہوجاتے ہیں۔ ایسی ساعت میں زمان ومکان کے مقولات بے معنی ہوجاتے ہیں۔اس حوالے سے دنیا کی مذہبی تواریخ اور انبیاءؑ کے سوانح کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مختلف زمانوں میں انبیاء ومرسلین علیہم السلام کو معراج اور سیرِ ملکوت کے مواقع ملتے رہے۔انہیں ان کے مقام ومرتبہ اور حیثیت وظرف کے مطابق نبوت کی کسی مخصوص ساعتوں میں قیودِ زمان ومکان سے ماورا زمین وآسمانوں کی سیر کے دوران مخفی مناظر دکھائے گئے یہاں تک کہ نورِ ربانی سے معمور ومستفید ہوئے۔

Marfat.com

حضرت آدم (علیہ السلام) کی معراج

ابو البشر، خلیفۃ اللہ اوّل فی الارض، حضرت آدمؑ صفی اللہ کی معراج ''اسماء کی تعلیم اور مسجودِ ملائکہ'' ہے: ''وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا'' (بقرہ (۲):۳۱)

(۔۔۔اور ہم نے آدمؑ کو تمام اشیائے کائنات کا علم عطا فرمایا)

وہ کون سا علم تھا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بطورِ خاص حضرت آدمؑ کو ودیعت ہوا۔ خواجہ شمس الدین عظیمی، لکھتے ہیں کہ یہ علم ان کائناتی قوانین اور فارمولوں کا نام ہے جن کے تحت کائنات زندہ اور متحرک ہے، زمین کی گردش، آسمان سے پانی کا برسنا، نباتات کا اگنا زمین پر موجود حیوانات اور جمادات کی پیدائش اور موت، ان کی زندگی کی تحریکات، سیاروں کی گردش، ان میں پیدا ہونے والی تبدیلیاں غرض کہ ہر حرکت کسی ایک قانون کی پابند ہے یہی علم آدم کو بطورِ خاص ودیعت ہوا، جسے قرآنِ پاک میں ''علم الاسماء'' کہا گیا ہے اور اسی علم نے آدم کو فرشتوں پر فضیلت بخشی۔ یہی علم مومن کی میراث ہے۔ اس علم کو جان کر کوئی انسان تسخیرِ کائنات کے فارمولوں سے واقف ہو سکتا ہے اور عناصر کو اس طرح استعمال کر سکتا ہے جس کی مثال حضرت سلیمانؑ کے واقعے میں قرآن نے بیان کی ہے۔ اس علم سے واقف ہو کر انسان وسائل کا محتاج نہیں رہتا بلکہ وسائل اس کے تابع ہو جاتے ہیں۔ وہ وسائل پر اشاروں سے حکمرانی کر سکتا ہے۔ یہ علم اس دائرے میں شروع ہوتا ہے جس کو ہم مابعد الطبیعات کہتے ہیں۔ (قرآن، سائنس اور علومِ سرّی، مشمولہ ''سیارہ ڈائجسٹ'' چودہ صدیاں نمبر، ص ۴۲۵)

دوسری توجیہہ اس کی یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اسم یا نام کے لیے کسی شئے کا ہونا ضروری ہے چاہے وہ شئے مرئی ہو یا غیر مرئی، مادی ہو یا روحانی۔ اس لحاظ سے ہم کائنات اور اُس کے خارج کو آفاق اور داخلی یا روحانی اشیا کو انفس کی صورت میں سمجھ سکتے ہیں۔ الغرض اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو تمام ذوات اور اُن کے افعال کے نام بتا دیے اور چھوٹی بڑی کوئی چیز ایسی نہیں تھی جس سے آپ بے خبر رہے ہوں چنانچہ اللہ نے جب فرشتوں سے اشیاء کے احوال واوصاف پوچھے تو انہوں نے اپنی عاجزی کا اعتراف کیا مگر جب آدمؑ سے پوچھا گیا اور انہوں نے سب امور ملائکہ کو بتلا دیے تو اللہ نے فرمایا: کہو کیا میں نے نہ کہا تھا کہ میں ارض وسماوات کے جملہ مخفی امور جاننے والا ہوں۔ اس پر فرشتوں کو، جن کے زمرے میں ابلیس بھی کہ ناری الاصل تھا شامل ہو چکا تھا، سب نے تعمیل کی صرف ابلیس نے اطاعت سے سرتابی کی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ'' (بقرہ (۲):۳۴)

(اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا)

Marfat.com

ابلیس نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے آدمؑ کو جملہ خلائق پر فضیلت اور بزرگی دی ہے، آتشِ حسد سے جل اُٹھا اور اس نے کہا کہ میں آگ سے بنا ہوں اور آدم خاک سے۔ میں خاکی کے آگے کیونکر جھک سکتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس کے اباء واستکبار پر جنت سے نکل جانے کا حکم دیا اور جب سے وہ علانیہ آدمؑ اور ان کی آل واولاد کا دشمن ہو گیا۔

حضرت ادریس (علیہ السلام) کی معراج

حضرت ادریسؑ، حضرت آدمؑ کی پانچویں پشت میں ہیں۔ آپؑ حضرت نوحؑ کے پردادا تھے۔ تورات میں آپؑ کا نام اخنوخ آیا ہے۔ ابن اسحاق کے مطابق حضرت ادریسؑ ہی وہ شخص ہیں جنہوں نے سب سے پہلے لکھنے کی طرح ڈالی اور آپ ہی وہ پہلی ہستی ہیں جنہوں نے علم وحکمت اور نجوم کی ابتدا کی، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو افلاک اور ان کی ترکیب کواکب اور ان کے اجماع وافتراق کے نقاط اور ان کے باہم کشش کے اسرار اور بھیدوں کی تعلیم دی اور ان کو علم عدد وحساب کا عالم بنایا اور اگر اس پیغمبر کے ذریعہ ان علوم کا انکشاف نہ ہوتا تو انسانی طبائع کی وہاں تک رسائی نہ ہوتی۔ آپؑ پر اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کے تمام راز کھول دیے تھے۔ آپؑ نے ارض وسما کے بعض مناظر پر چند نظمیں بھی لکھیں۔ (تاریخ الحکماء ص ۲۶) آپؑ نے سورج کے طبقات، موت کا ذائقہ، اور جنت ودوزخ وغیرہ کا مشاہدہ کیا اور ان کا زندہ جسم کے ساتھ اوپر اٹھایا جانا کتب سیر سے ثابت ہے۔ قرآن پاک میں لکھا ہے:

"وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِدْرِيْسَ، اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ۝ وَّرَفَعْنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا ۝"
(مریم (۱۹): ۵۶-۵۷)

(اور اس کتاب میں ادریسؑ کا بھی ذکر کرو، وہ بھی نیک کردار پیغمبر تھا۔ ہم نے اُسے بلند مقام پر اُٹھالیا)

رفعتِ مکان سے مراد مفسرین کے نزدیک "رُفِعَ اِلَى السَّمَاءِ" ہی ہے۔ روایت ہے کہ ایک مرتبہ ملک الموت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے آپؑ کی زیارت کو آیا تو آپؑ نے فرمایا کہ تم میری روح قبض کرو تا کہ میں موت کی تلخی محسوس کر سکوں۔ ملک الموت نے آپؑ کی روح قبض کی پھر داخلِ بدن کر دی۔ اس وقت آپؑ نے فرمایا تم مجھے آسمان پر لے چلو اور دوزخ اور بہشت کی سیر کراؤ' چنانچہ فرشتے آپؑ کو آسمانوں پر لے گئے اور دوزخ پر سے ہوتے ہوئے بہشت میں پہنچے، جب سیر کر چکے تو ملک الموت نے کہا کہ چلو میں آپ کو واپس زمین پر پہنچا دوں لیکن حکم خدا ہوا اب اسے یہیں رہنے دو۔
(قرآن مجید، مترجم: مولانا فرمان علی، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۳ء، ص ۴۲۶)

وَرَفَعۡنٰهُ مَكَانًا عَلِيًّا کے متعلق عوفی، ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ادریس کو ساتویں آسمان پر اُٹھایا گیا اور آپؑ کی وفات آسمان پر ہی ہوئی۔ ضحاک نے بھی یہی کہا ہے۔ یہ حدیث کہ آپ چوتھے آسمان پر ہیں متفق علیہ ہے اور یہی صحیح ہے۔ یہ قول مجاہد اور دوسرے کئی مفسرین نے اختیار کیا ہے۔ اس آیت کریمہ کے بارے حضرت حسن بصریؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ ادریس کو آسمان کی طرف اُٹھالیا گیا۔ بعض لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ آپؑ کو اپنے باپ "یسرد بن مهلابیل" کی زندگی میں اُٹھالیا گیا۔ (قصص الانبیاء، از: حافظ عماد الدین محمد بن اسمٰعیل المعروف بہ ابن کثیر، اردو ترجمہ: ظفر اقبال کلیار، ص ۱۱۳، ۱۱۴)

حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی معراج

حضرت ابراہیمؑ کی نسبت قرآنِ پاک میں انہیں عرش سے لے کر اسفل ارض تک مکاشفہ و مشاہدہ یعنی زمین و آسمان کے تکوینی عجائبات اور بادشاہی دکھانے کا ذکر یوں ہے:

"وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ○" (الانعام: ۷۵)

(۔۔۔اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمان اور زمین کی بادشاہی دکھلائی تاکہ وہ حق الیقین کرنے والوں میں ہوجائیں)

تفسیر ابن کثیر میں ابن جریر کے حوالے سے لکھا ہے کہ ابراہیمؑ کی نگاہوں کے سامنے آسمان پھٹ گئے تھے اور وہ آسمان کی سب چیزوں کو دیکھ رہے تھے یہاں تک کہ ان کی نظر عرش تک پہنچی اور ساتوں زمینیں ان کے لیے کُھل گئیں اور وہ زمین کے اندر کی چیزیں دیکھنے لگے، حتیٰ کہ وہ لوگوں کے گناہوں تک کو دیکھنے لگے۔ ابنِ عباسؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اپنی قدرت سے آسمان و زمین کی چھپی ہوئی اور اعلانیہ ساری چیزیں دکھلا دیں۔ (جلد دوم، ص ۹۱)

بشیر احمد ڈار لکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیمؑ کا مشاہدہ ملکوت السماء والارض یقیناً آفاقی تھا لیکن یہ آفاقی تجربہ انفس کی تجربہ گاہ میں کیا گیا تھا۔ اگر اس روحانی تجربہ و مشاہدہ میں انفس و آفاق دونوں کی گہرائیوں کی لطیف آمیزش نہ ہوتی تو اس سے وہ انقلاب ظہور پذیر نہ ہوتا جو حضرت ابراہیمؑ کے ہاتھوں عمل میں آیا۔ (حکمائے قدیم کا فلسفۂ اخلاق، ص ۲۶۲)

حضرت یعقوب (علیہ السلام) کا خواب

تورات میں حضرت یعقوبؑ کے خواب کا ذکر ہے جس میں انہیں آسمانی حقائق کا مشاہدہ کرایا گیا:

Marfat.com

''اور یعقوب بیر سبع سے نکل کر حاران کی طرف روانہ ہوا اور وہاں ایک مقام پر جا کر لیٹا کیونکہ سورج ڈوب گیا تھا۔ اور اسی مقام سے کچھ پتھر اپنے سر کے نیچے رکھ لئے اور وہیں سو رہا۔ وہاں خواب دیکھا کہ زمین سے آسمان تک ایک زینہ لگا ہوا ہے جس پر سے خدا کے فرشتے چڑھ اور اُتر رہے ہیں اور خدا اس پر کھڑا ہے۔ اور اس نے کہا میں ہوں خداوند! تیرے باپ ابراہیم اور اسحاق کا خدا۔ جس زمین پر تو سویا ہے وہ تجھ کو اور تیری نسل کو دوں گا۔'' (تکوین: ۲۸)

حضرت یوسف (علیہ السلام) کا خواب

قرآنِ مجید میں جنابِ یوسف علیہ السلام کے خواب کا تذکرہ یوں ہے:

''اور جب یوسف نے اپنے باپ سے ذکر کیا کہ ابّا جان میں نے گیارہ ستاروں کو اور سورج چاند کو دیکھا کہ وہ سب مجھے سجدہ کر رہے ہیں۔'' (یوسف: ۴)

تو حضرت یعقوبؑ نے فرمایا:

''اے بیٹے! مستقبل میں تمہیں بہت بڑا رتبہ اور اقتدار نصیب ہوگا لیکن'' اپنے خواب کا ذکر اپنے بھائیوں سے نہ کرنا نہیں تو وہ تمہارے حق میں کوئی چال چلیں گے۔'' (یوسف: ۵)

حضرت یونس (علیہ السلام) کی معراج

حضرت یونس علیہ السلام کو معراج مچھلی کے پیٹ میں نصیب ہوئی۔ مفسرین بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو اہلِ ''نینویٰ'' کی رہنمائی کے لیے بھیجا جو ارض موصل میں واقع ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام نے انہیں اللہ کی طرف بلایا لیکن انہوں نے تکذیب کی اور اپنے کفر و عناد میں بڑھتے چلے گئے۔ جب عرصہ دراز گزر جانے کے باوجود ان کے رویے میں تبدیلی نہ آئی تو حضرت یونس علیہ السلام انہیں چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور تین دن کے بعد نزولِ عذاب کی دھمکی دے گئے۔ متعدد مفسرین لکھتے ہیں کہ جب حضرت کو یقین ہو گیا کہ اب نینویٰ عذاب سے بچ نہیں پائے گا تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں توبہ اور انابت کا خیال ڈال دیا۔ وہ بہت نادم ہوئے کہ ہم نے اپنے نبیؑ کے حضور کیوں گستاخی کی۔ پس انہوں نے ٹاٹ کے کپڑے پہنے، جانوروں کے بچوں کو ان سے الگ کیا پھر بارگاہ خداوندی میں آہ و زاری کرنے لگے، گڑگڑا کر دعائیں کیں، عاجزی و انکساری کا اظہار کیا۔ ایک اندوہناک منظر تھا۔ کیا انسان، کیا حیوان سب آہ و بکا کرتے دکھائی دیتے تھے۔ اس پر اللہ کی رحمت

Marfat.com

جوش میں آئی اور ان پر سے عذاب ٹال دیا گیا۔ اُدھر حضرت یونس علیہ السلام اپنی قوم کی ہٹ دھرمی سے نالاں ہو کر سمندر میں ایک کشتی پر سوار ہوئے۔ بوجھ اور تند و تیز موجوں کی وجہ سے کشتی ڈولنے لگی ،قریب تھا کہ مسافر ڈوب جاتے کہ تمام سواروں نے باہمی مشورے سے یہ فیصلہ کیا کہ قرعہ اندازی کریں اور جس کے نام کا قرعہ نکلے اُسے کشتی سے باہر پھینک دیا جائے تاکہ کشتی کا بوجھ ہلکا ہو سکے اور تمام لوگ ڈوبنے سے بچ جائیں۔ قرعہ اندازی میں تین مرتبہ حضرت یونس علیہ السلام کا نام نکلا، قرآن مجید کی سورہ الصافات کی آیات ۱۳۹ تا ۱۴۳ میں یہ سب کچھ یوں بیان ہوا ہے:

''اور بے شک یونس بھی (ہمارے) رسولوں میں سے ہیں۔ جب وہ بھاگ کر گئے تھے بھری ہوئی کشتی کی طرف (سوار ہونے کے لیے) پھر قرعہ اندازی میں شریک ہوئے اور دھکیلے ہوؤں میں سے ہو گئے، پس نگل لیا انہیں حوت (مچھلی) نے درآنحالیکہ وہ اپنے آپ کو ملامت کر رہے تھے۔''

اللہ تعالیٰ کے حکم سے وہ مچھلی ایک عرصے تک تمام سمندروں میں آپؑ کو لیے پھرتی رہی یہاں تک کہ جنابِ یونس علیہ السلام نے مچھلی کے پیٹ میں دعا کی:

''فنادی فی الظلمات ان لا الٰہ الا انت سبحانک انی کنت من الظالمین. فاستجبنالہ و نجیناہ من الغم و کذالک ننجی المؤ منین''

(پس اس نے پکارا (تہہ در تہہ) اندھیروں میں کہ کوئی معبود نہیں سوا تیرے۔ پاک ہے تو بے شک میں ہی قصورواروں میں سے ہوں۔ پس ہم نے ان کی پکار کو قبول کیا اور نجات بخش دی انہیں غم (واندوہ) سے اور یونہی ہم نجات دیا کرتے ہیں مومنوں کو)

پھر مچھلی نے حضرت یونس علیہ السلام کو ایک کھلے چٹیل میدان میں اُگل دیا۔ اس وقت آپ بالکل نومولود بچے کے مانند کمزور و ناتواں تھے۔ آپ کے جسم پر کوئی بال نہ تھا اور جسم بہت نرم و نازک جس پر یقطینہ نامی بوٹی اُگ آئی جسے ایک بکری چرنے آتی اور آپؑ کو دودھ بھی پلاتی۔

حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا:

''لا تفضّلونی علیٰ یونس بن متی بان کان عروجہ فی بطن الحوت وعروجی کان فی السماء علی العرش''

(یعنی: مجھے یونسؑ بن متی پر برتری نہ دو کہ ان کی معراج بطنِ ماہی میں ہوئی اور میری معراج آسمانِ عرش پر ہوئی)

مولانا رومیؒ اس حدیث کی وضاحت میں کہتے ہیں کہ حضور (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: اگر آپ

۱۳۰۷۷

Marfat.com

مجھے یونسؑ پر فضیلت دیں تو اس وجہ سے نہ دیں کہ اُنہیں عروج مچھلی کے پیٹ میں ملا اور مجھے آسمان پر کیونکہ خداوند تعالیٰ نہ اوپر ہے نہ نیچے، اُس کی تجلی اوپر بھی وہی ہے اور نیچے بھی وہی ہے اور مچھلی کے پیٹ میں بھی وہی ہے۔ وہ ''اوپر'' اور ''نیچے'' سے منزہ ہے، اس کے لیے سب برابر ہیں۔ (فیہ مافیہ، ص ۱۶۶)

حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی معراج

جنابِ موسیٰؑ کی معراج کوہِ طور پر خدا سے ہمکلامی اور جلوہِ حق کا پرتو دیکھنا ہے:

☆ ''اور ہم نے ان کو طور کی داہنی طرف پکارا اور باتیں کرنے کے لیے نزدیک بلایا۔ (مریم:۵۲)

☆ ''اور موسیٰؑ سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا۔'' (النساء:۱۶۴)

''اور جب موسیٰ ہمارے وقت پر آئے اور ان کے ربّ نے اُن سے باتیں کیں تو عرض کیا کہ اے میرے پروردگار! اپنا دیدار مجھ کو کرا دیجیے کہ میں ایک نظر آپ کو دیکھ لوں۔ ارشاد ہوا تم مجھ کو ہرگز نہیں دیکھ سکتے لیکن اس پہاڑ کی طرف دیکھتے رہو، وہ اگر اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم بھی مجھے دیکھ سکو گے۔ پس اُس کے رب نے جو اس پر تجلی فرمائی تو تجلی نے اس کے پرخچے اُڑا دیے اور موسیٰ بے ہوش ہو کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا، بے شک آپ کی ذات منزہ ہے۔ میں آپ کی جناب میں معذرت کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے اس پر یقین کرتا ہوں۔'' (اعراف:۱۴۳)

حضرت الیاس (علیہ السلام) کی معراج

حافظ ابوبکر بیہقیؒ نے حضرت انس بن مالکؓ کے حوالے سے ایک روایت نقل کی ہے کہ ہم ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے کہ اچانک وادی سے ایک آدمی یہ کہتے ہوئے سنائی دیا ''اے اللہ! مجھے محمد ﷺ کی اُمت مرحومہ، مغفورہ سے کر دے جن کی توبہ تو قبول فرمالیتا ہے۔ میں نے وادی میں نگاہ دوڑائی تو کیا دیکھتا ہوں کہ تین سو گز سے بھی زیادہ لمبا ایک آدمی کھڑا ہے، مجھ سے کہنے لگا تم کون ہو؟ میں نے بتایا کہ میں رسول اللہ (ﷺ) کا خادم انس بن مالک ہوں۔ انہوں نے پوچھا آپ ﷺ کہاں ہیں؟ میں نے بتایا (وہ قریب ہیں) آپ کی گفتگو سماعت فرما رہے ہیں۔ وہ شخص کہنے لگا۔ آپ واپس جا کر آپ ﷺ کی خدمت میں میرا سلام عرض کریں اور بتائیں کہ آپ ﷺ کا بھائی الیاسؑ کلام عرض کر رہا ہے۔'' حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں بارگاہ نبوی ﷺ میں حاضر ہوا اور ماجرا عرض کیا۔ آپ ﷺ وہاں تشریف لائے، حضرت الیاسؑ سے ملے، معانقہ کیا اور سلام دعا ہوئی پھر

Marfat.com

دونوں نبی علیہ السلام تشریف فرما ہوئے اور باہم باتیں ہونے لگیں۔ الیاس علیہ السلام نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)! میں سال میں صرف ایک دفعہ کھانا کھاتا ہوں۔ آج میں روزے سے نہیں ہوں، آج میں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکٹھے کھانا کھائیں گے۔" حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آسمان سے ایک دسترخوان اترا جس میں روٹیاں، مچھلی اور اجوائن تھی۔ دونوں نے کھانا کھایا مجھے بھی کھلایا اور ہم نے عصر کی نماز ادا کی پھر الیاس علیہ السلام ہم سے رخصت ہوئے۔ میں نے دیکھا کہ وہ بادلوں سے گزر کر آسمان کو جارہے ہیں۔ (قصص الانبیاء، از: ابن کثیر، ص: ۸۱۱، ۸۱۲)

اسی طرح "عہدنامہ عتیق" میں ایلیا (حضرت الیاس علیہ السلام)، الیشع (حضرت الیسع علیہ السلام) اور حزقیال کے آسمانی اسفار ورویا کا ذکر ملتا ہے۔ تورات میں ایلیا کے اوپر اٹھائے جانے کا ذکر یوں ہے:

> "اور وہ (الیشع اور ایلیا) آگے چلتے اور باتیں کرتے جاتے تھے کہ دیکھو ایک آتشی رتھ اور آتشی گھوڑوں نے ان دونوں کو جدا کر دیا اور ایلیا بگولے میں آسمان پر چلا گیا۔ الیشع یہ دیکھ کر چلایا، اے میرے باپ! میرے باپ!! اسرائیل کے رتھ اور اس کے سوار! اور اس نے اسے پھر نہ دیکھا۔" (سلاطین ۲:۱۔۱۵)

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت یسع علیہ السلام، حضرت الیاس علیہ السلام کے چچازاد بھائی تھے اور یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ الیاس علیہ السلام جب بعلبک کے بادشاہ سے قاسیون کے پہاڑوں میں چھپے پھرتے تھے تو یسع علیہ السلام بھی ان کے ساتھ تھے اور جب آپ واپس آئے اور زندہ آسمان پر اٹھا لیے گئے تو یسع علیہ السلام ان کی جگہ اپنی قوم میں فریضہ تبلیغ ادا کرنے لگے اور اللہ نے انہیں تاج نبوت سے سرفراز فرمایا۔
(قصص الانبیاء، از: ابن کثیر، ص: ۸۲۱)

حضرت عُزیر (علیہ السلام) کا مشاہدۂ موت

موت یا عالمِ برزخ اور دوبارہ زندہ کیے جانے کا ایک مشاہدہ حضرت عزیر (علیہ السلام) کو بھی پیش آیا تھا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

> "اس سے پوچھا کہ بتاؤ کتنی مدت پڑے رہے ہو؟ اس نے کہا: ایک دن یا چند گھڑیاں!۔۔۔" (۲:۲۵۹)

وہ کم وبیش ایک صدی تک پڑے رہے، پھر جب زندہ ہوئے تو اپنے کھانے اور پانی کو دیکھا، اس میں کوئی تغیر نہ تھا تاہم ان کے گدھے کی ہڈیاں تک بوسیدہ ہو چکی تھیں۔

حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی معراج

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش بجائے خود انسانی عروج وعظمت کا ایک انوکھا واقعہ ہے:

Marfat.com

- "۔۔۔اور مریم بنت عمران جس نے اپنے گوہر عصمت کو محفوظ رکھا تو ہم نے پھونک دی اس کے اندر اپنی طرف سے روح۔" (التحریم:۱۲)
- "(۔۔۔حضرت مریم نے کہا اللہ تعالیٰ نے مجھے بشارت دی) ایک حکم کی اپنے پاس سے۔اس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہوگا معزز ہوگا دنیا آخرت میں اور (اللہ کے) مقربین سے ہوگا اور گفتگو کرے گا لوگوں کے ساتھ گہوارے میں بھی اور پکی عمر میں بھی اور نیکوکاروں میں سے ہوگا۔" (آلِ عمران:۴۵،۴۶)
- "۔۔۔اس کے بعد وہ لے آئیں بچے کو اپنی قوم کے پاس (گود میں) اُٹھائے ہوئے۔ انہوں نے کہا اے مریم! تم نے بہت ہی بُرا کام کیا ہے۔اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ بُرا آدمی تھا اور نہ ہی تیری ماں بدچلن تھی۔" (مریم:۲۷،۲۸)
- "۔۔۔(اچانک) وہ بچہ بول پڑا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں۔اس نے مجھے کتاب عطا کی ہے اور اس نے مجھے نبی بنایا اور اُسی نے مجھے بابرکت کیا ہے جہاں کہیں بھی میں ہوں اور اُسی نے مجھے حکم دیا ہے نماز ادا کرنے کا اور زکواۃ دینے کا جب تک میں زندہ ہوں اور مجھے خدمت گزار بنایا ہے اپنی والدہ کا اور اس نے نہیں بنایا مجھے جابر (اور) بدبخت اور سلامتی ہو مجھ پر جس روز میں پیدا ہوا اور جس دن میں مروں گا اور جس دن مجھے اُٹھایا جائے گا زندہ کر کے۔" (مریم:۳۰ تا ۳۳)

حضرت عیسیٰؑ کا چوتھے آسمان پر زندہ اُٹھایا جانا اُن کی معراج ہے۔جب حضرت عیسیٰؑ کو یہودیوں کی سازش کا پتہ چلا تو انہوں نے اپنے حواریوں کو جن کی تعداد ۱۲ یا ۱۷ تھی، جمع کیا اور فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص میری جگہ قتل ہونے کے لیے تیار ہے تاکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی شکل وصورت میری جیسی بنا دی جائے؟؟ ایک نوجوان اس کے لیے تیار ہو گیا۔چنانچہ حضرت عیسیٰؑ کو وہاں سے آسمان پر اُٹھا لیا گیا۔بعد میں یہودی آئے اور انہوں نے اس نوجوان کو لے جا کر سولی پر چڑھایا جسے حضرت عیسیٰؑ کا ہم شکل بنا دیا گیا تھا۔یہودی یہی سمجھتے رہے کہ ہم نے عیسیٰؑ کو سولی دی ہے درآں حالیکہ حضرت عیسیٰؑ اس وقت وہاں موجود ہی نہ تھے۔وہ زندہ جسمِ عنصری کے ساتھ آسمان پر اُٹھائے جا چکے تھے۔قرآنِ مجید میں اس بارے میں یوں آیا ہے:

- "جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰؑ میں تجھے اپنی جانب اُٹھانے والا ہوں اور تجھے کافروں سے پاک کرنے والا ہوں۔۔۔" (آلِ عمران:۵۵)
- "اور (یہودیوں کے) یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم

کو قتل کر دیا حالانکہ نہ تو انہوں نے اسے قتل کیا نہ سولی پر چڑھایا بلکہ ان کے لیے ان کا شبیہہ بنا دیا گیا۔ یقین جانو کہ عیسیٰؑ کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے بارے میں شک میں ہیں۔ انہیں اس کا کوئی یقین نہیں بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے۔ اتنا یقینی ہے کہ انہوں نے انہیں قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے اسے اپنی طرف اُٹھا لیا اور اللہ غالب حکمت والا ہے۔'' (سورہ نسا: ۱۵۷، ۱۵۸)

یوحنا عارف کا مکاشفہ

انجیل میں جنابِ یوحنا عارف کا مکاشفہ تفصیلاً مذکور ہے جس میں انہیں آثارِ قیامت، جزا سزا اور جنت دوزخ وغیرہ کے متعلق بہت سے مناظر اور واقعات تمثیلی رنگ میں دکھائے گئے ہیں، انہیں آسمانی یروشلم کی سیر بھی کروائی جاتی ہے اور بلّور کی طرح چمکتا ہوا آبِ حیات کا دریا جو خدا اور مسیحؑ کے تخت سے نکل کر اس شہر کی سڑک کے بیچ میں بہتا ہے، دکھایا گیا۔ ''نیا عہد نامہ'' میں سے چیدہ چیدہ واقعات یوں بیان ہوئے ہیں:

''میں یوحنا جو تمہارا بھائی اور یسوع کی مصیبت اور بادشاہی اور صبر میں تمہارا شریک ہوں خدا کے کلام اور یسوع کی نسبت گواہی دینے کے باعث اس ٹاپو میں تھا جو پتمس کہلاتا ہے کہ خداوند کے دن روح میں آ گیا اور اپنے پیچھے نرسنگے کی سی یہ ایک بڑی آواز سنی کہ جو کچھ تو دیکھتا ہے اس کو کتاب میں لکھ کر ساتوں کلیساؤں کے پاس بھیج دے یعنی اِفُسس، سمرنہ، پرگمُن، تھواتیرہ، سردیس، فِلدیفیہ اور لودیکیہ میں۔ میں نے اس آواز دینے والے کو دیکھنے کے لیے منہ پھیرا جس نے مجھ سے کہا تھا اور پھر کر سونے کے سات چراغ دان دیکھے اور ان چراغوں کے بیچ میں آدم زاد سا ایک شخص دیکھا جو پاؤں تک کا جامہ پہنے اور سونے کا سینہ بند سینہ پر باندھے ہوئے تھا۔ اس کا سر اور بال سفید اُون بلکہ برف کی مانند سفید تھے اور اس کی آنکھیں آگ کے شعلے کی مانند تھیں اور اس کے پاؤں اس خالص پیتل کے سے تھے جو بھٹی میں تپایا گیا ہو اور اس کی آواز زور کے پانی کی سی تھی اور اس کے داہنے ہاتھ میں سات ستارے تھے اور اس کے منہ میں سے ایک دو دھاری تیز تلوار نکلتی تھی اور اس کا چہرہ ایسا چمکتا تھا جیسے تیزی کے وقت آفتاب۔ جب میں نے اسے دیکھا تو اس کے پاؤں میں مُردہ سا گر پڑا اور اس نے یہ کہہ کر مجھ پہ اپنا داہنا ہاتھ رکھا کہ خوف نہ کر۔ میں اوّل اور آخر اور زندہ ہوں۔ میں مر گیا تھا اور دیکھ! ابد الآباد زندہ رہوں گا اور موت اور عالمِ ارواح کی

Marfat.com

کنجیاں میرے پاس ہیں۔ پس جو باتیں تو نے دیکھیں اور جو ہیں اور جو ان کے بعد ہونے والی ہیں ان سب کو لکھ لے یعنی ان سات ستاروں کا بھید جنہیں تو نے میرے داہنے ہاتھ میں دیکھا تھا اور ان سونے کے سات چراغ دانوں کا۔

ان باتوں کے بعد جو میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان میں ایک دروازہ کھلا ہوا ہے اور جس کو میں نے پیشتر نرسنگے کی سی آواز سے اپنے ساتھ باتیں کرتے سنا تھا وہی فرماتا ہے کہ یہاں اوپر آجا۔ میں تجھے وہ باتیں دکھاؤں گا جن کا ان باتوں کے بعد ہونا ضرور ہے۔ فوراً میں روح میں آگیا اور کیا دیکھتا ہوں کہ آسمان پر ایک تخت رکھا ہے اور اس پر کوئی بیٹھا ہے۔ وہ سنگِ یشب اور عقیق سا معلوم ہوتا ہے اور اس تخت کے گرد زمرد کی سی ایک دھنک معلوم ہوتی ہے اور اس تخت کے گرد چوبیس تخت ہیں اور ان تختوں پر چوبیس بزرگ سفید پوش پہنے ہوئے بیٹھے ہیں اور ان کے سروں پہ سونے کے تاج ہیں اور اس تخت میں سے بجلیاں، آوازیں اور گرجیں پیدا ہوتی ہیں اور اس کے سامنے آگ کے سات چراغ جل رہے ہیں۔ اس تخت کے سامنے گویا شیشے کا سمندر بلور کی مانند ہے اور تخت کے بیچ میں اور اس کے گرداگرد چار جاندار ہیں جن کے آگے پیچھے آنکھیں ہی آنکھیں ہیں۔ پہلا جاندار ببر کی مانند، دوسرا بچھڑے، تیسرا انسان اور چوتھا اڑتے ہوئے عقاب کی مانند ہے۔ ان چاروں جانداروں کے چھ چھ پر ہیں اور چاروں طرف اندر آنکھیں ہی آنکھیں ہیں اور رات دن آرام کیے بغیر یہ کہتے رہتے ہیں قدوس، قدوس، قدوس۔۔۔ اور جو تخت پر بیٹھا ہے اس کے داہنے ہاتھ میں ایک کتاب دیکھی جو اندر اور باہر سے لکھی ہوئی تھی اور اسے سات مہریں لگا کر بند کیا گیا تھا۔۔۔ پھر میں نے آسمان اور زمین اور زمین کے نیچے کی اور سمند کی مخلوقات کو یعنی سب چیزوں کو جو اُن میں ہیں یہ کہتے سنا کہ جو تخت پر بیٹھا ہے اس کی اور برّہ کی حمد اور عزت اور تمجید اور سلطنت ابدالآباد ہے۔ پھر برہ نے سات مہروں کو کھولا۔۔۔ اس کے بعد میں نے زمین کے چاروں کونوں پر چار فرشتے کھڑے دیکھے وہ زمین کی چاروں ہواؤں کو تھامے ہوئے تھے۔۔۔ ان باتوں کے بعد جو میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ ہر ایک قوم، قبیلہ، امت اور اہلِ زبان کی ایسی بڑی بھیڑ ہے جسے کوئی شمار نہیں کرسکتا جو سفید جامے پہنے اور کھجور کی ڈالیاں اپنے ہاتھوں میں لیے تخت اور برّہ کے آگے کھڑی ہیں۔۔۔ اور میں نے

Marfat.com

سات فرشتوں کو دیکھا جو خدا کے سامنے کھڑے رہتے ہیں اور انہیں سات نرسنگے دیے گئے جو پھونکنے کو تیار تھے۔ اور جب پہلے نے نرسنگا پھونکا تو خون ملے ہوئے اولے اور آگ پیدا ہوئی اور زمین پر ڈالی گئی اور تہائی زمین جل گئی اور تہائی درخت جل گئے اور تمام ہری گھاس جل گئی، اور جب دُوسرے فرشتے نے نرسنگا پھونکا تو گویا آگ سے جلتا ہوا ایک بڑا پہاڑ سمندر میں ڈال لیا اور تہائی سمندر خون ہو گیا اور سمندر کی تہائی جاندار مخلوقات مر گئی اور تہائی جہاز تباہ ہو گئے اور جب تیسرے فرشتے نے نرسنگا پھونکا تو ایک بڑا استارہ مشعل کی طرح جلتا ہوا آسمان سے ٹوٹا اور تہائی دریاؤں اور پانی کے چشموں پر آپڑا۔ اس ستارے کا نام ناگ دونا کہلاتا ہے اور تہائی پانی ناگ دونا کی طرح کڑوا ہو گیا اور پانی کے کڑوا ہو جانے سے بہت سے آدمی مر گئے اور جب چوتھے فرشتے نے نرسنگا پھونکا تو تہائی سورج اور تہائی چاند اور تہائی ستاروں کو صدمہ پہنچا یہاں تک کہ ان کا تہائی حصہ تاریک ہو گیا اور تہائی دن میں روشنی نہ رہی اور اس طرح تہائی رات میں بھی اور جب میں نے پھر نگاہ کی تو آسمان کے بیچ ایک عقاب کو اڑتے اور بڑی آواز سے یہ کہتے سُنا کہ زمین کے رہنے والوں پر افسوس۔۔۔ اور جب پانچویں فرشتے نے نرسنگا پھونکا تو میں نے آسمان سے زمین پر ایک ستارہ گرا ہوا دیکھا، ایک بڑی بھٹی کا سا دھوآں اُٹھا اور گڑھے کے دھویں کے باعث سے سورج اور ہوا تاریک ہو گئی۔ اور اس دھویں میں سے زمین پر ٹڈیاں نکل آئیں اور انہیں زمین کے بچھوؤں کی سی طاقت دی گئی۔ ان ٹڈیوں کی صورتیں اُن گھوڑوں کی سی تھیں جو لڑائی کے لیے تیار کیے گئے ہوں اور ان کے سروں پر گویا سونے کے تاج تھے اور ان کے چہرے آدمیوں کے سے تھے اور بال عورتوں کے سے تھے اور دانت ببر کے سے۔ ان کے پاس لوہے کے سے بکتر تھے اور ان کے پروں کی آواز ایسی تھی جیسے رتھوں اور بہت سے گھوڑوں کی جو لڑائی میں دوڑتے ہوں اور ان کی دُمیں بچھوؤں کی سی تھیں اور ان میں ڈنک بھی تھے اور ان کی دموں میں پانچ مہینے تک آدمیوں کو ضرر پہنچانے کی طاقت تھی۔ اتھاہ گڑھے کا فرشتہ ان پر بادشاہ تھا۔ اس کا نام عبرانی میں ابدون اور یونانی میں اپلیون ہے۔۔۔ اور جب چھٹے فرشتہ نے نرسنگا پھونکا تو مجھے اس رویا میں گھوڑے اور ان کے ایسے سوار نظر آئے جن کے بکتر آگ اور سنبل اور گندھک کے سے تھے اور ان گھوڑوں کے سر ببر کے سے تھے اور ان کے منہ سے آگ اور

Marfat.com

دھوآں اور گندھک نکلتی تھی ان تینوں آفتوں سے تہائی آدمی مارے گئے۔۔۔پھر میں نے ایک اور زور آور فرشتے کو بادل اوڑھے ہوئے آسمان سے اُترتے ہوئے دیکھا اس کے سر پر دھنک تھی اور اس کا چہرہ آفتاب کی مانند تھا اور اس کے پاؤں آگ کے ستونوں کی مانند اور اس کے ہاتھ میں ایک چھوٹی کھلی ہوئی کتاب تھی اس نے اپنا داہنا پاؤں تو سمندر پر رکھا اور بایاں خشکی پر اور ایسی بڑی آواز سے چلایا جیسے ببر دھاڑتا ہے اور جب وہ چلایا تو گرج کی سات آوازیں سنائی دیں۔۔۔اور جب ساتویں فرشتہ نے نرسنگا پھونکا تو آسمان پر بڑی آوازیں اس مضمون کی پیدا ہوئیں کہ دنیا کی بادشاہی ہمارے خداوند اور اس کے مسیح کی ہو گئی اور وہ ابدالآباد بادشاہی کرے گا اور چوبیس بزرگوں نے جو خدا کے سامنے اپنے اپنے تخت پر بیٹھے تھے منہ کے بل گر کر خدا کو سجدہ کیا۔۔۔پھر آسمان پر ایک بڑا نشان دکھائی دیا یعنی ایک عورت نظر آئی جو آفتاب کو اوڑھے ہوئی تھی اور چاند اس کے پاؤں کے نیچے تھا اور بارہ ستاروں کا تاج اس کے سر پر۔وہ حاملہ تھی اور دردِزہ میں چلاتی تھی اور بچہ جننے کی تکلیف میں تھی۔پھر ایک اور نشان آسمان پر دکھائی دیا یعنی بڑا لال اژدہا۔اس کے سات سر اور دس سینگ تھے اور اس کے سروں پر سات تاج اور اس کی دُم نے آسمان کے تہائی ستارے کھینچ کر زمین پر ڈال دیے تھے اور وہ اژدہا اس عورت کے آگے جا کھڑا ہوا جو جننے کو تھی تا کہ جب وہ جنے تو اس کے بچے کو نگل جائے اور وہ بیٹا جنی یعنی وہ لڑکا جو لوہے کے عصا سے سب قوموں پر حکومت کرے گا اور اس کا بچہ یکایک خدا اور اس کے تخت کے پاس تک پہنچا دیا گیا اور عورت اس بیابان کو بھاگ گئی جہاں خدا کی طرف سے اس کے لیے ایک جگہ تیار کی گئی تھی تا کہ وہاں ایک ہزار دو سو ساٹھ دن تک اس کی پرورش کی جائے۔

۔۔۔پھر آسمان پر لڑائی ہوئی۔میکائیل اور اس کے فرشتے اژدہا سے لڑنے کو نکلے اور اژدہا اور اس کے فرشتے ان سے لڑے لیکن غالب نہ آئے اور اس کے بعد آسمان پر ان کے لیے جگہ نہ رہی اور وہ بڑا اژدہا یعنی وہی پُرانا سانپ جو ابلیس اور شیطان کہلاتا ہے اور سارے جہان کو گمراہ کر دیتا ہے زمین پر گرا دیا گیا اور اس کے فرشتے بھی اس کے ساتھ گرا دیے گئے اور جب اژدہا نے دیکھا کہ میں زمین پر گرا دیا گیا ہوں تو اس عورت کو ستایا جس نے بیٹا جنا تھا اور اس عورت کو بڑے عقاب کے دو پر دیے گئے تا کہ سانپ کے سامنے سے اڑ کر بیابان میں اپنی اس جگہ پہنچ جائے جہاں ایک زمانہ اور

Marfat.com

زمانوں اور آدھے زمانہ اس کی پرورش کی جائے گی اور سانپ نے اس عورت کے پیچھے اپنے منہ سے ندی کی طرح پانی بہایا تا کہ اس کو اس ندی سے بہادے مگر زمین نے اس عورت کی مدد کی اور اپنا منہ کھول کر اس ندی کو پی لیا۔

۔۔۔اور میں نے ایک حیوان کو سمندر میں سے نکلتے ہوئے دیکھا۔اس کے دس سینگ اور سات سر تھے اور اس کے سینگوں پر دس تاج اور اس کے سروں پر کفر کے نام لکھے ہوئے تھے اور جو حیوان میں نے دیکھا اس کی شکل تیندوے کی سی تھی اور پاؤں ریچھ کے سے اور منہ ببر کا سا اور اس اژدہا نے اپنی قدرت اور اپنا تخت اور بڑا اختیار اسے دے دیا اور میں نے اس کے سروں میں سے ایک پر گویا زخم کاری لگا ہوا دیکھا مگر وہ اچھا ہو گیا اور ساری دنیا تعجب کرتی ہوئی اس حیوان کے پیچھے پیچھے ہولی، چونکہ اس اژدہے نے اپنا اختیار اس حیوان کو دے دیا تھا اس لیے انہوں نے اژدہے کی پرستش کی اور اس حیوان کی بھی یہ کہہ کر پرستش کی کہ اس حیوان کی مانند کون ہے، کون اس سے لڑ سکتا ہے؟؟ اور بڑے بول بولنے اور کفر بکنے کے لیے اسے ایک منہ دیا گیا اور اسے بیالیس مہینے تک کام کرنے کا اختیار دیا گیا اور اس نے خدا کی نسبت کفر بکنے کے لیے منہ کھولا کہ اس کے نام اور اس کے خیمے یعنی آسمان کے رہنے والوں کی نسبت کفر اور اسے یہ اختیار دیا گیا کہ مقدسوں سے لڑے اور ان پر غالب آئے اور اُسے ہر قبیلہ، امت، اہلِ زبان اور قوم پر اختیار دیا گیا۔

۔۔۔پھر میں نے نگاہ کی تو کیا دیکھتا ہوں کہ وہ برّہ صیُّون کے پہاڑ پر کھڑا ہے اور اس کے ساتھ ایک لاکھ چوالیس ہزار اشخاص ہیں جن کے ماتھے پر اس کا اور اس کے باپ کا نام لکھا ہوا ہے۔یہ وہ ہیں جو عورتوں کے ساتھ آلودہ نہیں ہوئے بلکہ کنوارے ہیں۔یہ وہ ہیں جو برّہ کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں جہاں کہیں وہ جاتا ہے۔یہ خدا اور برہ کے لیے پہلے پھل ہونے کے واسطے آدمیوں میں سے خرید لیے گئے ہیں اور ان کے منہ سے کبھی جھوٹ نہیں نکلا تھا۔وہ بے عیب ہیں۔

۔۔۔پھر میں نے ایک اور فرشتے کو آسمان کے بیچ میں اُڑتے ہوئے دیکھا جس کے پاس زمین کے رہنے والوں کی ہر قوم، قبیلہ، اہلِ زبان اور امت کے سنانے کے لیے ابدی خوشخبری تھی اور اس نے بڑی آواز سے کہا کہ خدا سے ڈرو اور اس کی تمجید کرو کیونکہ اس کی عدالت کا وقت آ پہنچا ہے اور اسی کی عبادت کرو جس نے آسمان،

Marfat.com

زمین، سمندر اور پانی کے چشمے پیدا کیے۔۔۔پھر میں نے ایک فرشتہ کو آسمان سے اترتے دیکھا جس کے ہاتھ میں اتھاہ گڑھے کی کنجی اور ایک بڑی زنجیر تھی۔اس نے اس اژدہا یعنی پرانے سانپ کو جو ابلیس اور شیطان ہے پکڑ کر ہزار برس کے لیے باندھا اور اسے اتھاہ گڑھے میں ڈال کر بند کر دیا اور اس پر مُہر کر دی تاکہ وہ ہزار برس کے پورے ہونے تک قوموں کو پھر گمراہ نہ کرے اس کے بعد ضرور ہے کہ تھوڑے عرصے کے لیے کھولا جائے۔۔۔اور جب ہزار برس پورے ہو چکیں گے تو شیطان قید سے چھوڑ دیا جائے گا اور ان قوموں کو جو زمین کے چاروں اطراف ہوں گی یعنی جوج و ماجوج کو گمراہ کر کے لڑائی کے لئے جمع کرنے کو نکلے گا۔ان کا شمار سمندر کی ریت کے برابر ہوگا اور وہ تمام زمین پر پھیل جائیں گے اور مقدسوں کی لشکرگاہ اور عزیز شہر کو چاروں طرف سے گھیر لیں گی اور آسمان سے آگ نازل ہو کر انہیں کھا جائے گی اور ان کا گمراہ کرنے والا ابلیس آگ اور گندھک کی اس جھیل میں ڈالا جائے گا جہاں وہ حیوان اور جھوٹا نبی بھی ہوگا اور وہ رات دن ابدالآباد عذاب میں رہیں گے۔

۔۔۔پھر میں نے ایک بڑا سفید تخت اور اس کو جو اس پر بیٹھا ہوا تھا دیکھا جس کے سامنے سے زمین اور آسمان بھاگ گئے اور انہیں کہیں جگہ نہ ملی۔پھر میں نے چھوٹے بڑے سب مُردوں کو اس تخت کے سامنے کھڑے ہوئے دیکھا اور کتابیں کھولی گئیں یعنی کتابِ حیات اور جس طرح ان کتابوں میں لکھا ہوا تھا ان کے اعمال کے مطابق مُردوں کا انصاف کیا گیا اور سمندر نے اپنے اندر کے مُردوں کو دے دیا اور موت اور عالمِ ارواح نے اپنے اندر کے مُردوں کو دے دیا اور ان میں سے ہر ایک کے اعمال کے موافق اس کا انصاف کیا گیا۔

۔۔۔میں وہی یوحنا ہوں جو ان باتوں کو سنتا اور دیکھتا تھا اور جب میں نے سنا اور دیکھا کہ جس فرشتے نے مجھے یہ باتیں دکھائیں میں اس کے پاؤں پر سجدہ کرنے کو گرا، اس نے مجھ سے کہا خبردار! ایسا نہ کر میں بھی تیرا اور تیرے بھائی نبیوں اور اس کتاب کی باتوں پر عمل کرنے والوں کا ہم خدمت ہوں، خدا ہی کو سجدہ کر۔"

(انجیلِ مقدس، ص: ۲۳۱ تا ۲۶۱)

Marfat.com

بنوکدنضر کا ''اُونچے درخت کا خواب''

بنوکدنضر بادشاہ کا ''اونچے درخت کا خواب'' کے عنوان سے ایک خواب اور حضرت دانیالؑ کی زبانی اس کی تعبیر ''تورات، زبور اور صحائف انبیاء'' میں یوں درج ہے:

''پلنگ پر میرے دماغ کی رویا یہ تھی: میں نے نگاہ کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ زمین کے وسط میں ایک نہائت اونچا درخت ہے۔ وہ درخت بڑھا اور مضبوط ہوا اور اس کی چوٹی آسمان تک پہنچی اور وہ زمین کی انتہا تک دکھائی دینے لگا۔ اس کے پتے خوش نما تھے اور میوہ فراواں تھا اور اس میں سب کے لیے خوراک تھی۔ میدان کے چرندے اس کے سایہ میں اور ہوا کے پرندے اس کی شاخوں پر بسیرا کرتے تھے اور تمام بشر نے اس سے پرورش پائی۔ میں نے اپنے پلنگ پر اپنی دماغی رویا پر نگاہ کی اور کیا دیکھتا ہوں کہ ایک نگہبان ہاں ایک قدسی آسمان سے اُترا۔ اس نے بلند آواز سے پکار کر یوں کہا کہ درخت کو کاٹو، اس کی شاخیں تراشو اور اس کے پتے جھاڑ دو اور اس کا پھل بکھیر دو۔ چرندے اس کے نیچے سے چلے جائیں اور پرندے اس کی شاخوں پر سے اُڑ جائیں لیکن اس کی جڑوں کا کندہ زمین میں باقی رہنے دو۔ ہاں لوہے اور تانبے کے بندھن سے بندھا ہوا میدان کی ہری گھاس میں رہنے دو اور وہ آسمان کی شبنم سے تر ہو اور اس کا حصہ زمین کی گھاس میں حیوانوں کے ساتھ ہو۔ اس کا دل انسان کا دل نہ رہے بلکہ اس کو حیوان کا دل دیا جائے اور اس پر سات دور گزر جائیں۔ یہ حکم نگہبانوں کے فیصلہ سے ہے اور یہ امر قدسیوں کے کہنے کے مطابق ہے تا کہ سب ذی حیات پہچان لیں کہ حق تعالیٰ آدمیوں کی مملکت میں حکمرانی کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے اسے دیتا ہے بلکہ آدمیوں میں سے ادنیٰ آدمی کو اس پر قائم کرتا ہے۔ میں بنوکد نضر بادشاہ نے یہ خواب دیکھا ہے۔ اے بیلطشفر تو اس کی تعبیر بیان کر۔''

تب دانیال جس کا نام بیلطشفر ہے نے بادشاہ سے کہا کہ وہ درخت جو تو نے دیکھا، اے بادشاہ تو ہی ہے جو بڑھا اور مضبوط ہوا اور تیری بزرگی بڑھی اور آسمان تک پہنچی اور تیری سلطنت زمین کی انتہا تک۔ اب قدسی تجھے آدمیوں میں سے ہانک کر نکال دیں گے اور تو میدانوں کے حیوانوں کے ساتھ رہے گا اور تو بیل کی طرح گھاس کھائے گا اور آسمان کی شبنم سے تر ہو گا اور تجھ پر سات دور گزر جائیں گے تب

تجھ کو معلوم ہو گا کہ حق تعالیٰ انسان کی مملکت میں حکمرانی کرتا ہے اور جس کو چاہتا ہے دیتا ہے۔ جب تو معلوم کر چکے گا کہ بادشاہی کا اقتدار آسمان کی طرف سے ہے تو تو اپنی سلطنت پر پھر قائم ہو جائے گا۔ اس لئے اے بادشاہ! تو اپنی خطاؤں کو صداقت سے اور اپنی بدکرداری کو مسکینوں پر رحم کرنے سے دور کر۔"

۔۔۔ پھر بنوکدنضر بادشاہ پر یہ بات پوری ہوئی اور وہ آدمیوں میں سے نکالا گیا اور بیلوں کی طرح گھاس کھاتا رہا اور اس کا بدن آسمان کی شبنم سے تر ہوا یہاں تک کہ اس کے بال عقاب کے پروں کی مانند اور اس کے ناخن پرندوں کے چنگل کی مانند بڑھ گئے۔ ان ایام کے گزرنے کے بعد بنوکدنضر نے آسمان کی طرف آنکھیں اُٹھائیں اور کہا "میری عقل مجھ میں پھر آئی اور میں نے حق تعالیٰ کا شکر کیا اور اس حیُّ القیُّوم کی حمد و ثنا کی جس کی سلطنت ابدی اور جس کی مملکت پشت در پشت ہے۔۔۔ اور میری سلطنت کی شوکت کے لیے میرا رعب اور دبدبہ پھر مجھ میں بحال ہو گیا اور میرے مشیروں اور امیروں نے مجھے پھر ڈھونڈا اور میں اپنی مملکت میں قائم ہوا اور میری عظمت میں افزونی ہوئی۔" (خلاصہ توریت مع زبور و صحائف انبیاء، ص: ۱۶۶ تا ۱۶۹)

مجوسی پیغمبر زردشت کا مکاشفہ

معروف مجوسی پیغمبر زردشت (پیدائش ۶۲۸ - وفات ۵۵۱ ق م) کی کتابوں میں ان کے مشاہدۂ ربانی کا ذکر ملتا ہے۔ زرتشت ایک عین الیقین اور حضرت موسیٰ کی طرح دیدار کا طالب تھا۔ اُسے حقیقتِ مطلقہ کے مشاہدے کی تڑپ تھی۔ اسی اضطراب کی حالت میں ایک مدت تک جنگلوں اور بیابانوں میں بھٹکتے رہنے اور ایمان و ہدائت کی تلاش کے بعد تقریباً ۳۰ سال کی عمر میں زردشت کو خدائے واحد "اہورامزد" کا مکاشفہ حاصل ہوا۔ "زرتشت نامہ" میں لکھا ہے کہ آنکھ جھپکنے میں اس کی روح ارض و سما کی پہنائیوں کو عبور کرتی ہوئی حریمِ پاک میں پہنچ گئی۔ کہا جاتا ہے کہ دونوں کے درمیان صرف ۲۴ قدموں کا فاصلہ تھا۔ زرتشت نے کائنات کی تخلیق کا منشا اور خیر و شر کی کش مکش کی حقیقت کے متعلق سوالات کیے۔ اُسے جنت دوزخ کی حقیقت کا مشاہدہ بھی کرایا گیا۔ اس کی آسمانی سیر کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں ان میں مجوسیات کے مذہبی نظام کے اجمالاً تذکرے کے ساتھ ساتھ معراج النبی ﷺ کا چربہ بھی واضح دکھائی دیتا ہے:

"پس زردشت کو گردشِ افلاک اور حرکاتِ کواکب سے آگاہ کیا، اسے

Marfat.com

بہشت پُرنور، حور وقصور اور امشاسپند دکھائے گئے۔ تمام اسرار میں عارفِ کامل بنایا گیا اور جملہ علوم سے واقف کیا گیا' یہاں تک کہ وہ آغازِ حیات سے لے کر انجام تک عام امور سے آگاہ ہوگیا۔ اس نے اہرمن کو تیرہ و تاریک دوزخ میں دیکھا جو زردشت کو دیکھ کر چلا اُٹھا کہ دینِ ایزدی سے منحرف ہوجا تاکہ دنیا میں کامیابی سے ہمکنار ہو۔ زردشت خدائی رازوں سے باخبر ہوگیا تو اس نے بھڑکتی ہوئی آگ کا کنڈ دیکھا۔ وہ خدا کے حکم سے اس میں سے گزر گیا اور اسے کوئی گزند نہ پہنچا۔"

''دبستانِ مذاہب'' میں اس کی آسمانی سیر کی تفصیل یوں درج ہے:

''جب زردشت تیس سال کا ہوا تو۔۔۔ اسفندار مہینہ کے آخر میں 'انیران کے روز' جو ہر شمسی مہینے کا آخری دن ہوتا ہے، زردشت ایران کی سرحد میں داخل ہوا۔ اس زمانے میں ایرانیوں کا ایک بڑا جشن تھا۔۔۔ جب زردشت جشن کے مقام سے واپس ہوا تو اردی بہشت مہینہ کے نصف میں چل کر دیمہر کے دن جو ہر شمسی مہینہ کے پندرہویں دن کا نام ہے، ایک گہرے اور وسیع وعریض دریا کے پاس پہنچا، جس کا نام اوستا میں دابتی لکھا ہوا ہے اور خود کو خدا کے سپرد کر کے پانی میں قدم رکھا۔۔۔ جب زردشت دریا کے دوسرے کنارے پر پہنچا تو اس نے سر اور بدن کو اپنے دل کی طرح دھویا اور کپڑے پہن کر عبادت میں مشغول ہوگیا۔ اس روز بہمن جو فرشتوں میں سب سے زیادہ بزرگ ہے اور جسے مسلمان لوگ جبرئیل کہتے ہیں، نورانی لباس میں آیا اور زردشت سے نام پوچھ کر کہا کہ تو اس دنیا کی کون سی چیز چاہتا ہے؟ زردشت نے جواب دیا کہ مجھے سوائے رضائے الٰہی کے کوئی آرزو نہیں اور بجز سچائی کے میرا دل اور کچھ نہیں چاہتا۔ مجھے امید ہے کہ تو نیکی کی طرف میری رہنمائی کرے گا۔ بہمن نے کہا، اٹھ تاکہ تو خدا کے پاس چلے اور جو کچھ تو چاہتا ہے اس کے حضور میں سوال کرے، کیونکہ وہ اپنے فضل وکرم سے تجھ کو مفید جواب دے گا۔'' چنانچہ زردشت اُٹھا اور بہمن کے حکم کے مطابق ایک لحظہ کے لیے آنکھ بند کر لی۔ جب آنکھ کھولی تو خود کو روشن جنت میں پایا۔ اس کے بعد ایک انجمن کا مشاہدہ کیا جس کے نور میں اس نے اپنے سایہ کو دیکھا۔ اس انجمن سے چوبیس قدم کی مسافت پر دوسری انجمن تھی۔ اس دوسری انجمن میں حوریں خدمت گار تھیں۔ وہاں پر سب فرشتے آئے اور گرم جوشی کے ساتھ زردشت کا حال پوچھا اور ایک دوسرے سے اس کا تعارف کرایا، یہاں تک کہ اسقیمان کا محترم بیٹا خدا کے پاس پہنچا اور شادکام دل اور خوفزدہ

Marfat.com

جسم کے ساتھ نیاز مندی والی نماز ادا کی۔۔۔اس کے بعد زردشت نے خداوند تعالیٰ سے پوچھا کہ زمین کے بندوں میں سب سے بہتر کون ہے؟ خدا نے جواب دیا: وہ شخص جو سچا ہے اور سچائی کو دوست رکھتا ہے۔ دوسرا وہ شخص جو سچائی کی صفت رکھنے کے ساتھ سخی اور کریم بھی ہو، نیز سچائی کی راہ پر چلے اور برائی سے چشم پوشی کرے۔ تیسرا وہ جو آگ اور پانی نیز جاندار اور حیوانات پر مہربانی کرے کیونکہ ایسے علم و عمل کی وجہ سے انسان دوزخ سے نجات پا کر ہمیشہ بہشت جاودانی میں رہتا ہے۔

اے زردشت! اس چند روزہ دنیا میں میرا جو بندہ میری مخلوقات پر ظلم و ستم اور زیادتی کرتا ہے اور میرا نافرمان بن کر میرے احکام سے سرتابی کرتا ہے، یہ باتیں اس سے بیان کردے کہ اگر اس سرکشی سے باز نہ آئے گا تو اس کا ٹھکانہ ہمیشہ دوزخ میں رہے گا۔"

پھر زردشت نے پوچھا کہ اے عادل حاکمِ مطلق! امشا سفندوں یعنی فرشتوں میں جو تیرے نزدیک زیادہ برگزیدہ ہیں، مجھے ان کے نام سے واقف کردے۔ ان کے دیدار سے مجھے خوش دل کرا اور ان کی گفتگو سنوا دے، نیز بدذات شیطان سے جو بُری فطرت کی وجہ سے نیکی کی طرف مائل نہیں ہوتا اور دنیا کے اچھے بُرے کام اور اس کے انجام، گردش کرنے والے آسمان اور نئی نئی راہوں کا ظہور یعنی اشیاء کا موجود ہونا، ان سب کی حقیقت سے مجھے آگاہی عطا فرما۔"

اسی طرح بہت سے پوشیدہ راز جو زردشت کے دل میں تھے، خدا کے سامنے اس نے کہے:

خدا کی طرف سے جواب آیا کہ میں نیکی کا فاعل اور خیر و خوبی کا خواہش مند ہوں۔ نہ برائی کرتا ہوں اور نہ برا کام کرنے کا حکم دیتا ہوں اور نہ میں شر سے راضی ہوں۔ مخلوق کو میں تکلیف اور نقصان نہیں پہنچاتا۔ بدی اور شر، سراسر شیطان کا کام ہے اور شیطان کے گروہ کا جس کو ہمیشہ دوزخ میں رکھنا مجھ پر واجب ہے، یہ فضول میرے متعلق برائی کرنے کی گواہی دیتا رہتا ہے۔"

بعد ازاں خدا نے زردشت کو افلاک کی گردش اور ستاروں کی حرکت اور ان میں سعد و نحس سے آگاہ کیا اور نورانی جنت، حور و قصور اور فرشتوں کو دکھلا کر اس کو جملہ اسرار اور سارے علوم سے باخبر کیا۔ چنانچہ آغازِ آفرینش سے لے کر اس کے انجام تک کُل اسرار کو اس نے جان لیا اور شیطان کو تاریک دوزخ میں دیکھا، جس نے زردشت کو دیکھ کر بلند آواز سے کہا کہ خدا کے دین سے پھر جا تاکہ دنیا میں جملہ مقاصد کو پالے۔

Marfat.com

جب زردشت خدا کے راز سے آگاہ ہو چکا تو اس نے ایک روشن آتش کدہ دیکھا اور خدا کے حکم سے اس کے اوپر سے گزر گیا لیکن اس کے جسم کو کوئی نقصان نہ پہنچا۔ دوسری بار پگھلائی ہوئی دھات بہت زیادہ اس کے سینۂ بے کینہ پر، جو چاندی کی طرح صاف وشفاف تھا، ڈال دی گئی، لیکن اس کے جسم کا ایک بال بھی بیکا نہ ہوا۔ بعدازاں اس کے پیٹ کو پھاڑ ڈالا اور جو کچھ اندر تھا، اسے باہر نکال لیا اور پھر اس کو اپنی جگہ پر رکھ دیا، زخم فوراً مندمل ہو گیا اور زخم کا کوئی نشان باقی نہ رہا۔ اس کے بعد خداوند نے زردشت سے کہا کہ تُو آگ کے پہاڑ کے اوپر سے گزر گیا اور اپنے شکم کو تُو نے شگفتہ پایا لہٰذا تجھ کو لوگوں سے کہنا چاہیے کہ جو شخص بہترین دین سے پھر جائے گا اور شیطان کی جانب رجوع کرے گا، تو اسی طرح اس کے جسم سے خون بہایا جائے گا اور آگ میں جگہ پائے گا اور بہشتِ خرم میں نہ پہنچے گا۔ پھر پگھلائی ہوئی دھات جو تیرے سینے پر ڈالی گئی، وہ برف کی طرح جم گئی اور تجھے کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ یہ اس بات کی نشانی ہے کہ کچھ لوگ بہترین دین کے اعلان کے بعد شیطان کے حکم سے دین سے سرتابی کریں گے تو موبد موبدان (ایک بڑا عالم) ان سے جنگ کے لیے کمر بستہ ہو جائے گا۔"

اس کے بعد زردشت نے خدائے داور سے پوچھا کہ تیری بندگی کرنے والے کیسے تیری حمد وثنا کریں اور ان لوگوں کا قبلہ کیا ہوگا؟؟

خدا نے جواب دیا کہ تو لوگوں کو آگاہ کر دے کہ جو بھی چیز روشن اور درخشاں ہے، میری عبادت کے وقت اس کی طرف رخ کریں تا کہ شیطان ان سے دور بھاگے اور روشنی سے بہتر دنیا میں کوئی ہستی نہیں۔ اسی روشنی سے میں نے بہشت اور حورانِ بہشتی کو پیدا کیا، ظلمت سے دوزخ پیدا ہوئی:

هر آنجا که باشی به هر دو سرائے
ز نورم نه بینی تو پرداخته جائے

(دونوں عالم کے اندر تو جہاں بھی جائے گا، میرے نور سے کوئی جگہ خالی نہ پائے گا)

پھر زردشت کو اوستا وژند کی تعلیم دے کر کہا کہ "اس معزز کتاب کو گستاشپ بادشاہ کے سامنے پڑھ تا کہ وہ اس کے ذریعے کمال حاصل کرے اور اس سے کہہ مجھ کو اچھی طرح پہچان لے اور کوئی شخص مجھے ناانصافی کرنے والا نہ کہے، نیز علماء اور تمام لوگوں سے کہہ دے کہ جادوگروں کے دین سے کنارہ کش ہو جائیں۔"

Marfat.com

پس زردشت نے خدا کی بہت زیادہ حمد وثنا کی۔

جب زردشت کامیاب وبامراد خداوند کے پاس سے لوٹا تو بہمن فرشتے نے جو بھیڑوں اور بکریوں کا محافظ اور افسر ہے اس کا استقبال کیا اور کہا کہ بھیڑوں اور اس کے گلّے کو میں نے تیرے سپرد کیا۔ علماء، عقلاء اور تمام لوگوں سے کہہ دے کہ ان کو اچھی طرح رکھیں، اور ان کو ممانعت کر کہ کوئی شخص گائے کے بچھڑے، بکری کے بچے اور بھیڑ اور دیگر چوپایوں کو ذبح نہ کرے کیونکہ ان سے لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے "ہم کو ہرگز نہ چاہیے کہ ان کو بے پروائی سے ہلاک کریں" میں نے ان بھیڑوں کو خدا سے قبول کیا تھا اور اب تو مجھ سے انہیں قبول کر اور میری باتوں کو معمولی خیال نہ کر۔ بوڑھے اور جوان سے کہہ دے کہ ان احکام کی فرماں برداری کریں۔"

زردشت نے امانت قبول کرلی۔

۔۔۔بہمن کے بعد اردی بہشت فرشتہ سامنے آیا اور زردشت سے کہا کہ اے مقبولِ بارگاہِ خداوندی! میری طرف سے ایک پیغام گستاشپ شاہ کے پاس لے جا اور اس سے کہہ دے کہ آگ کا معاملہ میں نے تیرے حوالے کیا۔ چاہیے کہ ہر شخص کے لیے اور ہر شہر میں اس کے اعزاز میں کچھ مقامات بنالیں اور ان کے لیے اوقات مقرر کردیں اور ہیربد یعنی خدام کو اس کی پرستش کے لیے مقرر کریں کیونکہ وہ انوارِ یزدانی میں سے ایک نور ہے۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ سبھی لوگ اس کے محتاج ہیں اور وہ محتاج سے سوائے ایندھن کے اور کچھ نہیں چاہتی۔

جب زردشت اس سے رخصت ہوا تو شہریور فرشتے نے سامنے آکر اس سے کہا کہ جب تو عالمِ علوی سے عالمِ سفلی میں پہنچے تو لوگوں سے کہہ دے کہ وہ اپنے اسلحے کو چمکدار، تیز، آراستہ اور تیار رکھیں۔ جنگ کے وقت اپنی جگہ نہ چھوڑیں۔ مردانہ وار سعی کریں کہ اپنی جگہ دوسرے کے حوالے نہ ہو جائے۔ پھر اسفندارند سامنے آیا، درود وسلام کے بعد اس نے کہا کہ خدا کا حکم یہ ہے کہ لوگ زمین کو پاکیزہ رکھیں۔ خون، گندگی اور لاش کو ایسی جگہ لے جائیں جہاں کھیتی باڑی نہ ہوتی ہو۔

جب زردشت وہاں سے آگے بڑھا تو خورداد سامنے آیا اور درود وسلام کے بعد اس نے کہا کہ جاری پانی، دریا، نہر، ندی اور کنواں وغیرہ کے پانی کو میں نے تیرے سپرد کیا۔ تو لوگوں سے کہہ دے کہ "اسی پانی کی بدولت جاندار کا جسم قائم رہتا

Marfat.com

ہے، اور اسی سے زمین اور پھل سب تروتازہ رہتے ہیں۔ مردار کو اس پانی سے دور رکھیں اور خون اور لاش سے اسے آلودہ نہ کریں، اس لیے کہ جو کھانا ایسے پانی سے پکے وہ بدمزہ ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد مرداد نے آگے بڑھ کر زردشت سے کہا کہ وہ چیزیں جو زمین سے اُگتی ہیں اور پودا بن جاتی ہیں، انہیں لوگ برباد نہ کریں اور اپنی جگہ سے انہیں الگ نہ کریں کیونکہ ان سے آدمیوں اور چوپایوں کو راحت ملتی ہے۔ اے پیغمبرِ خدا! موبدوں کو مختلف شہروں اور ملکوں کی طرف بھیج اور ہر شہر میں ایک دانشمند مقرر کرتا کہ ان باتوں کو لوگوں تک پہنچا دیں۔ لوگ اوستا کو سمجھیں اور زنار جو بہدینی اور دانشمندی کی علامت ہے اسے کمر سے باندھیں اور کوشش کریں کہ چاروں عناصر کو ہمیشہ پاکیزہ رکھیں ''خداوندِ حاکم وعادل نے ان ہی چاروں عناصر سے سارے جانداروں کے جسم کو بنایا، اس لیے یہی بہتر ہے کہ ان کو پاک وصاف رکھیں اور ان کو خدا کا خاص انعام شمار کریں۔''

جاننا چاہیے کہ یہ سب باتیں جو فرشتوں نے زردشت سے کہیں، وہ وحی تھی اور خدا کا پیغام تھا، لیکن اس میں اس کے مرتبے میں زیادتی اس لیے تھی کہ خود خداوند تعالیٰ نے بغیر فرشتوں کے توسط کے زردشت سے بات کی اور کائناتِ ہستی کے جملہ اسرار کو اس پر ظاہر کر دیا۔

پس زردشت خدا سے سارے اسرار حاصل کر کے عنصری دُنیا کی طرف آیا۔ جادوگروں اور نردیوں نے خوفناک لشکر کے ساتھ اس کا راستہ روک لیا۔ جادوگروں کے سردار اور دیووں کے افسر نے اپنے لشکر کے ساتھ زردشت سے کہا کہ اوستا و ژند کو پوشیدہ رکھ۔ تیرا جادو اور مکر وفریب ہمارے اوپر کچھ اثر نہ کرے گا اور اگر تو ہم کو پہچانتا ہے تو ان چیزوں کو ترک کر دے۔ زردشت نے جب یہ باتیں سنیں تو اوستا اور ژند میں سے ایک فصل بلند آواز سے پڑھی۔ سب دیو اس کو سن کر زمین کے نیچے چھپ گئے اور جادوگر کانپنے لگے۔ جادوگروں کا ایک گروہ تو فوراً مر گیا اور دوسرے گروہ نے پناہ مانگی۔'' (ص ۹۶ تا ۱۰۱)

Marfat.com

ہندو دیومالا

ہندو صنمیات اور اُن کے دیومالائی اساطیر میں متعدد ایسی کہانیاں ملتی ہیں جن میں کئی دیویاں اور دیوتے بہشت، دوزخ کی سیر کے ساتھ ساتھ آسمانی بادشاہت کے لیے جنگیں کرتے دکھایا گیا ہے۔

یَم دیوتا کی بیوی وِجیا کا اسطورہ

بھوِشیا پُران میں ''یَم'' دیوتا کی شادی کے حالات میں لکھا ہے کہ وہ ایک براہمن کی لڑکی وِجیا کا بے حد گرویدہ اور والا وشیدا تھا۔ جب لڑکی نے پہلی دفعہ اُسے دیکھا تو وہ بہت گھبرائی، ایک تو شکل وصورت سے اور دوسرے یہ جان کر کہ یہ تو یَم ہے جس سے ساری دنیا خوف کھاتی ہے، تاہم کئی دنوں بعد یَم نے اس کے خدشات دور کر دیئے اور لڑکی نے اپنے بھائی کے روکنے کے باوجود اس سے شادی کرنے کی حامی بھر لی۔ جب یَم اُسے دُلہن بنا کر گھر لے آیا تو اُس نے اُسے متنبہ کیا کہ میری سلطنت میں جہاں چاہو پھرو لیکن جنوب کی طرف کو نہ جانا۔ بیوی نے مان لیا۔ ساری سلطنت گھومی پھری لیکن جنوب کی طرف نہ گئی۔ آخر ایک دن اُس کے دل میں خیال آیا کہ ادھر ضرور یَم کی کوئی دوسری بیوی ہے جسے اُس نے مجھ سے علیحدہ چھپا رکھا ہے۔ ذوقِ تجسس اُس پر غالب آ گیا اور وہ ممنوعہ علاقے کی طرف چلی گئی۔ جو ہیبت ناک منظر اُس نے یہاں دیکھا اُس نے اُس کے رونگٹے کھڑے کر دیئے۔ یہاں گناہ گاروں کو طرح طرح کی اذیت ناک سزائیں دی جا رہی تھیں۔ اُس نے آگے بڑھ کر ذرا غور سے دیکھا تو اُس کی ماں بھی عذاب جھیل رہی تھی، وہاں یَم بھی آ گیا تو اُس نے ماں کی رہائی کے لیے درخواست کی۔ یَم نے جواب دیا کہ یہ اُس وقت تک ناممکن ہے جب تک کوئی شخص جو

Marfat.com

زمین پر اس وقت زندہ ہے فلاں قسم کی قربانی نہ کرے اور اس قربانی کے عمل سے جو خیر و برکت حاصل ہوگی وہ تمہاری ماں کو منتقل نہ کر دے۔ بڑی مشکل سے زمین کا ایک آدمی مان گیا اور اس طرح یَم کی ساس کو رہائی نصیب ہوئی۔ (ہندو صنمیات، ص:۱۰۹)

وامن یا بونے اوتار کا اسطورہ

سکند اپُران میں لکھا ہے کہ جب امرت حاصل کرنے کے لیے دودھ کے سمندر کو بلویا گیا تو امرت کی تقسیم کے سلسلے میں دیوتاؤں اور غیر دیوتاؤں کے درمیان جھگڑا شروع ہو گیا جس میں غیر دیوتاؤں کو شکست ہو گئی تھی۔ پرہلاد کا پوتا اور وِروچن کا بیٹا ''بالی'' جو شیاطین (غیر دیوتاؤں) میں سے تھا، اپنے پردادے ''ہرن یگ سپُو'' کی کھوئی ہوئی سلطنت و اقتدار کے دوبارہ حاصل کرنے کے لیے ایک بڑی قیمتی قربانی کا اہتمام کیا، جب مقدس آگ کو بھینٹ دے چکا تو اس میں سے ایک عجیب و غریب گاڑی نکلی جس میں چار سفید گھوڑے جُتے ہوئے تھے۔ ایک جھنڈا لہرا رہا تھا جس پر شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی اور گاڑی میں آسمانی زرہ بکتر اور ہتھیار رکھے ہوئے تھے۔ جب رسومات ختم ہو گئیں تو اس نے ایک فوج مرتب کی اور اپنی اس عجیب و غریب گاڑی میں بیٹھ کر اس نے ''اندرا'' کے آسمان کے دارالحکومت ''امرادتی'' کا محاصرہ کر لیا۔ بالی دیوتاؤں کے سردار ''اندرا'' کو شکست دے کر تینوں جہانوں یعنی زمین، فضا اور آسمان کا بادشاہ بن گیا۔ دیوتاؤں کی ماں نے اندرا کی سلطنت واپس حاصل کرنے کے لیے ایک براہمن ''وِشنو'' کی خدمات حاصل کیں۔ وہ بونے کی شکل اختیار کر کے بالی کے پاس سائل بن کر آیا اور کہنے لگا مجھے اتنی سی جگہ دے دو جتنی میں اپنے تین قدموں سے طے کر لوں۔ بادشاہ نے یہ درخواست منظور کر لی۔ بونا فوراً دیو قامت بن گیا۔ اُس نے ایک ڈگ بھرا تو آسمان طے ہو گیا، دوسرا ڈگ بھرا تو زمین طے ہو گئی تیسرے قدم کے لیے کوئی جگہ ہی نہیں تھی۔ بالی کو گُر و دانے باندھ دیا۔ وشنو نے اُسے ملامت کرتے ہوئے کہا ''او اَسُورہ! تم نے مجھے تین قدموں کی وسعت کے برابر جگہ دینے کا وعدہ کیا تھا۔ دو قدموں کے اندر ساری کائنات آگئی ہے اب میرے تیسرے قدم کے لیے جگہ لاؤ، چونکہ تم نے مجھے اپنے وعدے کے مطابق جگہ نہیں دی اس لیے اب میری مرضی یہ ہے کہ تم سب سے نچلے طبقات پاتال میں رہو۔ وہ آدمی جو کسی براہمن کو کچھ دینے کا وعدہ کرتا ہے اور پھر اُسے موعودہ چیز نہیں دیتا تو وہ اسی طرح نیچے گرا دیا جاتا ہے، تم نے مجھے دھوکا دیا ہے۔'' بالی نے جواب دیا ''تمہارے تیسرے قدم کے لیے میرا سر حاضر ہے۔ میں پاتال سے خوف نہیں کھاتا لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی مجھے عہد شکن کہے۔'' چنانچہ بالی کو پاتال بھیج دیا گیا۔ وہاں اُس کے دادا پرہلاد نے اس سے ملاقات کی۔

Marfat.com

پہلے وِشنو کی بیوی اور پھر برہما نے وِشنو سے بالی کی سفارش کی تو وِشنو نے کہا کہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ بالی ایک بار پھر اندرا بن جائے گا لیکن کچھ عرصے تک اسے ''ستال'' میں رہنا ہوگا جہاں میرے حکم اور منشا کے مطابق نہ جسمانی یا ذہنی کوفت ہوگی، نہ تھکاوٹ ہوگی، نہ اکتاہٹ ہوگی، نہ بے چینی اور بے آرامی ہوگی اور نہ کوئی باشندہ بیمار پڑے گا۔'' بالی خوش ہوکر پاتال سے سُتال میں منتقل ہوگیا اور اس وقت کا انتظار کرنے لگا جب وِشنو کے قول کے مطابق اُسے دوبارہ دیوتاؤں اور انسانوں پر حکمرانی مل جائے گی۔ ایک اور حکایت میں یوں ہے کہ وِشنو نے بالی سے کہا کہ دو چیزوں میں سے ایک چُن لو۔ یا تو پانچ جاہل لوگوں کے ساتھ بہشت میں چلے جاؤ اور یا پھر پانچ دانا آدمیوں کے ساتھ دوزخ میں رہو۔ بالی نے داناؤں کے ساتھ دوزخ میں رہنے کو ترجیح دی اور کہا'' جاہلوں کی صحبت کہیں بھی اچھی نہیں ہے۔ داناؤں کی صحبت جہاں کہیں بھی میسر آئے مسرت افزاء ہے۔'' (ہندوصنمیات، ص: ۱۸۰تا۱۸۶)

گوتم بُدھ کا نروان

پیروانِ بدھ بھی نخلِ حکمت کے سایہ میں بدھ کے مشاہدہء ربانی کا قصہ بیان کرتے ہیں۔ گوتم، جس کا زمانہ ۵۶۳ سے ۴۸۳ قبل مسیح کا ہے، شہزادہ تھا اور حق کی تلاش میں اپنے محل، راج، بیوی، بیٹا اور سب آسودگیوں و آسائشوں کو چھوڑ کر نکل کھڑا ہوا۔ وہ مطلق سچائی کی تلاش میں تھا۔ اپنی اس تلاش میں اس نے پیچھے مڑ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اس کی یہ روحانی کشمکش، جدوجہد اور جستجو چھ برس تک جاری رہی۔ بالآخر مایوس ہوکر برگد کے درخت کے نیچے اس عزم کے ساتھ بیٹھ گیا کہ یا تو وہ مر جائے گا یا پھر ابدی زندگی حاصل کر کے رہے گا۔

ایک دن سدھارتھ مگدھ کے راجہ بمبی سار کی ریاست کے'' گیا'' نامی شہر کے قرب وجوار میں ایک بہت بڑے پیپل کے درخت کے نیچے بیٹھا تھا کہ قریبی کسان کی بیٹی سجاتا اس کے لیے دودھ میں پکے ہوئے چاول لائی۔ اُس نے تھوڑے سے چاول کھا کر غسل کیا پھر ادھر اُدھر جنگل میں پھر پھرا کر اسی پہلے درخت کے نیچے آکر بیٹھ گیا اور کہنے لگا'' جب تک انسانی دکھ درد کا مسئلہ حل نہیں ہو جائے گا میں یہیں بیٹھا رہوں گا، خواہ میرا خون خشک ہو جائے یا ہڈیاں گل جائیں۔ اس وقت اس کی عمر ۳۵ سال تھی۔ اُنچاس دن اور اُنچاس راتیں وہ عالمِ محویت میں گم اسی ایک جگہ پر بیٹھا رہا۔ پہلے دیوتا اور بھوت پریت اس کے گرد جمع ہوگئے۔ سب اس انتظار میں تھے کہ کب خدائی روشنی اس کے قلب ونظر کو منور کرتی ہے، پھر یہ بھاگ گئے اور'' مارا'' وہاں پہنچ گیا۔ بدھ مت والوں کا یہ شیطان دنیاوی لذائذ مہیا کرتا ہے۔ اسے دنیا کی روح بھی کہا جاتا ہے۔'' مارا'' نے قسم قسم کی لذائذ پیش کیں لیکن گوتم ثابت قدمی کے

Marfat.com

ساتھ اس کی پیش کشوں کو رد کرتا رہا۔ پھر ''مارا'' نے قاصد کا روپ دھار کر اُسے خبر سُنائی کہ تمہارے اپنے رقیب ''دیودت'' نے بغاوت کر کے تمہارے باپ ''سدھودھن'' کو قید کر لیا ہے اور تمہاری بیوی ''یشودھر'' اور تمہارے بیٹے کو پکڑ لیا ہے۔'' گوتم پر اس خبرِ بد کا بھی کوئی اثر نہ ہوا تو ''مارا'' نے اپنے تمام ساتھی شیطانوں کو بُلا لیا۔ انہوں نے پہلے گرد باد سے حملہ کر کے سارے جنگل کو مرتعش کر دیا، پھر تیز آندھی، طوفانِ باد و باراں اور آخر کار زلزلے کے ذریعے اُسے ڈرانے دھمکانے کی کوشش کی لیکن گوتم ٹانگ پر ٹانگ جمائے اسی پیپل کے درخت کے نیچے بے حس و حرکت بیٹھا رہا۔ ارادے کی یہ ناقابلِ شکست پختگی دیکھ کر ''ورغلانے والے'' نے آواز دی: گوتم! اپنی نیکی اور پاکبازی کا کوئی گواہ پیش کرو!'' گوتم نے خاموشی سے اپنا ہاتھ زمین پر رکھ دیا۔ زمین پکار اُٹھی: میں اس کی گواہی دیتی ہوں۔'' ''مارا'' نے آخری وار کے طور پر اپنی تین بیٹیوں (۱) خواہش (۲) نشاط و سرور (۳) جذبات کو بُلا لیا جنہوں نے رقص و سرود کی ایسی محفل جما دی کہ شجر و حجر اور وحوش و طیور عش عش کر اُٹھے۔ مارا کی ان بیٹیوں نے گوتم کو اپنے دامِ فریب میں پھنسانے کی پوری کوشش کی لیکن ان کے ناز و عشوے بھی کچھ کام نہ آئے۔ آخر میں اسے روئے جہان کی بادشاہی پیش کی گئی مگر اس نے ٹھکرا دی۔ شیطان شکست کھا کر چلا گیا۔ اب گوتم اکیلا تھا، خاموش، ساکن، تن تنہا! اس نے استغراق میں اور بھی عمیق غوطے لگائے۔ انچاسویں رات کی ظلمتوں کا پردہ چاک کرنے کے لیے صبح کی پہلی کرن پھوٹی تو آسمانی علم کی روشنی کی اک شوخ کرن، شوخ مثالِ نگہ نور اُس کے دل و دماغ کو منور و تاباں کر گئی۔ صداقت بے نیاز ہو کر جلوہ ریز ہو چکی تھی۔ (ہندوصنمیات، ص: ۴۷۹، ۴۸۰)

اس کی تپسیا سپھل ہونے کا لمحہ آ چکا تھا۔ تاریکی چھٹ گئی اور گوتم نے یہ دیکھا کہ چار عظیم سچائیاں (خواہش، دکھ، وجود اور نروان) اس پر منکشف ہوئیں اور تکمیل کرنے والی آٹھ خوبیوں کا متوازن راستہ پایا۔ اسے نروان حاصل ہوا اور وہ گوتم سدھارتھ سے مہاتما بدھ یعنی جاگی ہوئی روح، نروان پانے والا بن گیا۔ (دنیا کی سو عظیم کتابیں، ص ۷۳)

اس نے انسانی دکھ درد کا راز معلوم کر لیا تھا۔ وہ اب جان چکا تھا کہ دنیا کیوں آلام و مصائب کا گھر بنی ہوئی ہے۔ اُسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ مصیبتوں پر قابو پانے کے لیے انسان کو کیا کرنا چاہیے۔ اب وہ مکمل روشن ضمیر تھا، بدھ تھا! اُس کا ''پیپل کا درخت'' بودھی بن گیا یعنی شجرِ حکمت! وہ مزید سات ہفتے اسی شجرِ حکمت کے نیچے بیٹھا رہا اور جو نور و صداقت اُسے حاصل ہو چکا تھا اس پر اور زیادہ غور و فکر کرتا رہا۔ کچھ وقت تک وہ اس تذبذب میں رہا کہ یہ جو صداقت اُسے حاصل ہوئی ہے اُسے عام لوگوں تک پہنچائے یا نہ پہنچائے، کیونکہ یہ اتنی دقیق اور ناقابلِ تشریح حقیقت ہے کہ بیان کرنے پر بھی بہت کم

Marfat.com

لوگ اسے سمجھ پائیں گے لیکن پھر خود برہما دیوتا آسمان سے اُتر کر آ گیا۔ اُس نے کہا ''جاؤ دنیا کو تعلیم دو!''

OOO

یہودیوں کے مذہبی ادب میں یوشع بن لوی کے دوزخ اور آسمان کے خیالی سفرنامے کا ذکر ملتا ہے۔ (انتشاراتِ امیرِ کبیر، ص ۱۰۴۳) مذہبی اور روحانی سیرِ افلاک کے سلسلے میں چین کے دوئی وندک کا بھی ایک سفرنامہ منصۂ شہود پہ آیا۔

مذکورہ بالا مکاشفوں، سفرناموں اور معراجوں میں ایک بھی اتنی واضح، مکمل اور مفصل نہ تھی جتنی نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ کی تھی۔ حضور ﷺ کی معراج روحانی و جسمانی صعود کی ارفع اور معروف ترین مثال ہے جو حقیقی ہونے سے قطعِ نظر مادی، روحانی اور رویائی عروج کی بھی ایک ایسی دلآویز، خیال افروز اور اثر انگیز روحانی تمثیلی داستان ہے جس نے اسلامی حلقوں کے ساتھ ساتھ غیر اسلامی حلقوں پر بھی زبردست اثر ڈالا اور کشفیات، تجربات، واردات، تخیلات اور تخلیقات کے ایک وسیع سلسلے کو جنم دیا۔

OOO

نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی معراج

حضور سرورِ انبیا، سیّدِ اولادِ آدم ﷺ کے معراج کی حیثیت آفاقی ہے۔آپ ﷺ کو بارگاہِ لامکاں میں وہاں تک رسائی ہوئی اور وہ کچھ مشاہدہ کیا جواب تک دوسرے مقربانِ بارگاہ کی حدِنظر سے باہر تھا۔معراج کے ذریعے آپ ﷺ کائنات کے حقائق اور اسرار ورموز سے آگاہ ہوئے اور زمانے کو ازل تا ابد دیکھا۔ساتوں آسمانوں کا مشاہدہ کیا اور ذاتِ خداوندی کو نہ صرف دیکھا بلکہ گفتگو بھی کی۔

قرآنِ مجید میں معراج کا مجمل بیان دو جگہ پہ ہوا ہے: سورہ بنی اسرائیل اور سورہ والنجم میں۔سورہ بنی اسرائیل معراج کے اسرار وحقائق ،نتائج وعبر اور احکام واعلانات سے معمور ہے اور سورہ والنجم اسرار کا اجمال وابہام ہے ،ویسے بھی قرآنی اسلوب، رمز وایجاز اور پیرایۂ بیان صراحت کی بجائے کنایے کا انداز لیے ہوئے ہے تاہم صحیحین (بخاری ومسلم) اور کتبِ تفسیر وسیر ان اسرار وحقائق کی عقدہ کشائی کرتی ہیں۔سورہ بنی اسرائیل میں ارشادِ خداوندی ہے:

''سبحان الذی اسریٰ بعبده لیلاًمن المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بار کنا حوله لنریه من آیاتنا انه ٗهو السمیع البصیره''

''پاک ہے وہ (اللہ) جو اپنے بندہ کو رات کے وقت مسجدِ حرام (کعبہ) سے اس مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) تک لے گیا جس کے ارد گرد ہم نے برکت نازل کی ہے تاکہ ہم اپنے بندہ کو اپنی نشانیاں دکھائیں ،وہی سننے والا اور دیکھنے

Marfat.com

والا ہے۔" (بنی اسرائیل:۱)

صحابہ وتابعین سے لے کر آج تک اُمت کے اکثر علما وفقہا اس بات کے قائل چلے آرہے ہیں کہ یہ معراج بِجَسَدِهِ الْعُنْصُرِىِّ حالتِ بیداری میں ہوئی ہے۔ یہ خواب یا روحانی سیر اور مشاہدہ نہیں ہے، بلکہ عینی مشاہدہ ہے جو اللہ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اپنے پیغمبر کو کرایا ہے۔ اس معراج کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ اسراء کہلاتا ہے جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے اور جو مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصیٰ تک کے سفر کا نام ہے، یہاں پہنچنے کے بعد نبی ﷺ نے تمام انبیا کی امامت فرمائی۔ بیت المقدس سے پھر آپ کو آسمانوں پر لے جایا گیا، یہ اس سفر کا دوسرا حصہ ہے جسے معراج کہا جاتا ہے۔ اس کا کچھ تذکرہ سورۂ نجم میں کیا گیا ہے اور باقی تفصیلات احادیث میں بیان کی گئی ہیں۔ عام طور پر اس پورے سفر کو "معراج" سے ہی تعبیر کیا جاتا ہے۔ (القرآن الکریم، اردو تفسیر مولانا صلاح الدین یوسف، ص ۷۶۶)

قرآنِ کریم نے معراج کو "اسرا" کہہ کر پکارا ہے۔ اسرا کے معنی رات کو چلانے یا لے جانے کے ہیں۔ چونکہ حضور ﷺ کو معراج رات کے وقت ہوئی اس لئے "اسرا" کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ معراج اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ یہ لفظ "عروج" سے نکلا ہے جس کے معنی اُوپر چڑھنے کے ہیں، چونکہ حضور ﷺ نے اس واقعہ کی تفصیل کے سلسلے میں فرمایا:

"عُرِجَ بِىْ اِلَى السَّمآءِ"

(یعنی مجھے آسمان پر لے جایا گیا یا چڑھایا گیا)

اس لئے اس کا نام معراج پڑ گیا۔ معراج کے ایک معنی سیڑھی یا زینہ (Lift) کے بھی ہیں اور ایک روائت میں ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مجھے ایک مرصع سیڑھی کے ذریعے آسمان تک لے جایا گیا۔ مراتبِ صعودی کو بھی استعارتاً معراج کہا گیا ہے۔ حضور ﷺ کی معراج تو سراسر "سِرّ الاسرار" اور بقول مولانا ابوالکلام آزاد؛ مقامِ نبوتِ کبریٰ ہے۔

"سورہ والنجم" میں ارشاد ہوتا ہے:

"اس پیارے چمکتے تارے (محمد ﷺ) کی قسم
جب یہ (معراج سے) اُترے
تمہارے صاحب نہ بھٹکے نہ بے راہ چلے
اور وہ کوئی بات اپنی خواہش سے نہیں کرتے
وہ تو نہیں مگر وحی جو انہیں کی جاتی ہے۔
اُنہیں سکھایا سخت قوتوں والے طاقتور نے۔

Marfat.com

پھر اس جلوہ نے قصد فرمایا اور وہ آسمانِ بریں کے سب سے بلند کنارہ پر تھا۔
پھر وہ جلوہ نزدیک ہوا، پھر خوب اُتر آیا (تو اس جلوے اور محبوب میں) دو ہاتھ کا فاصلہ رہا بلکہ اس سے بھی کم۔
اب وحی فرمائی اپنے بندے کو جو وحی فرمائی
دل نے جھوٹ نہ کہا جو دیکھا
تو کیا تم ان سے ان کے دیکھے ہوئے پر جھگڑتے ہو؟
اور انہوں نے وہ جلوہ دو بار دیکھا سدرۃُ المنتہٰی کے پاس
اس کے پاس جنت الماویٰ ہے۔
جب سدرہ پر چھا رہا تھا، جو چھا رہا تھا
آنکھ نہ کسی طرف پھری نہ حد سے بڑھی
بے شک اپنے ربّ کی بہت بڑی نشانیاں دیکھیں۔''
(النجم: ۱ تا ۱۸، اردو ترجمہ: اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ، ص ۷۵۶، ۷۵۷)

احادیث وسیر کے ثقہ راویوں کے مطابق انسانی تواریخ کا یہ عظیم واقعہ نبوت کے بارہویں سال ۲۷ رجب بروز پیر، رونما ہوا۔ حضور ﷺ کی عمرِ مبارک اس وقت ۵۲ سال تھی۔ جید صحابہ کرامؓ نے اس عظیم واقعہ کو روائت کیا ہے جن میں حضرت علیؓ، حضرت ابوذر غفاریؓ، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت انس بن مالکؓ، حضرت مالک بن صعصعہؓ اور حضرت جابر بن عبداللہؓ جیسے اصحابؓ شامل ہیں۔

معراج سے متعلق تمام مستند روائتوں کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

حضور ﷺ اپنے خانہ اقدس میں استراحت فرما رہے تھے۔ (بعض روائتیں اُمّ ہانیؓ کے گھر یا حطیم جو کہ خانہ کعبہ سے ملحق شمال کی جانب کا ایک کھلا مقام ہے، کے بارے میں بھی ہیں) ابھی آپ ﷺ بیداری اور خواب کی درمیانی حالت میں تھے کہ آپ ﷺ نے دیکھا کہ آپ ﷺ کے گھر کی چھت شق ہوئی اور حضرت جبرائیلؑ نازل ہوئے وہ آپ ﷺ کو حطیم میں لے گئے اور شقِ صدر کے بعد آپ ﷺ کا سینہ نور و حکمت سے بھر دیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ کی سواری کے لئے براق لایا گیا جو بجلی سے زیادہ تیز اور روشنی سے زیادہ سبک خرام تھا۔ براق زین ولگام سے آراستہ تھا۔ سفید رنگ کا یہ چار پایہ جس کی پیٹھ لمبی اور ابن سعد کی روائت کے مطابق رانوں پر دو پر اور دوسری روائت کے مطابق اس کے پاؤں دونوں پہلوؤں پر تھے۔ یہ اس قدر تیز رفتار تھا کہ اس کا ہر قدم منتہائے نظر تک پہنچتا تھا۔

بعض محققین کے مطابق برق رفتاری کی وجہ سے اسے براق کہا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ برق کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے۔

حضور ﷺ جب براق پر سوار ہونے لگے تو اس نے شوخی کی جو دراصل اس کی بے پناہ مسرت کا اظہار تھا کہ وجہِ تخلیقِ کائنات ﷺ اسے سواری کا شرف بخش رہے ہیں۔ جنابِ جبرائیلؑ نے رکاب تھامی اور جنابِ میکائیلؑ نے لگام پکڑی، یوں معراج کے مقدس سفر کا آغاز ہوا۔

حضور ﷺ براق پر سوار ہوئے جبرائیلؑ آپ ﷺ کے ساتھ چلے۔ پہلی منزل ''مدینہ'' تھی جہاں اُتر کر آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔ جبرائیلؑ نے کہا ''اس جگہ آپ ﷺ ہجرت کر کے آئیں گے۔'' دوسری منزل ''طورِ سینا'' تھی جہاں اللہ تعالیٰ حضرت موسیٰؑ سے ہمکلام ہوئے۔ تیسری منزل ''بیت اللحم'' تھی جہاں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے۔ ہر متبرک مقام پر آپ ﷺ نے دو رکعت نفل ادا کئے۔ آخری منزل میں بیت المقدس میں اس مقام پر اترے جسے اب ''بابِ محمد ﷺ'' کہتے ہیں۔ براق کو اسی قلابہ میں باندھ دیا گیا جہاں انبیاء علیہم السلام کی سواریاں بندھتی تھیں۔ آپ ﷺ مسجدِ اقصیٰ میں تشریف لائے جہاں پہلے ہی سے ملائکہ اور تمام انبیاء و رُسل علیہم السلام آپ ﷺ کے خیر مقدم کے لئے جمع تھے۔ جنابِ جبرائیلؑ نے اَذان دی۔ تمام انبیاء نے آپ ﷺ کی اقتدا میں دو رکعت نماز ادا کی۔ نماز سے فراغت کے بعد جبرائیلؑ نے آپ ﷺ کی خدمت میں تین پیالے پیش کیے۔ ایک میں شراب دوسرے میں دودھ اور تیسرے میں پانی تھا۔ آپ ﷺ نے دودھ کا پیالہ اُٹھالیا۔ جبرائیلؑ نے کہا:

''آپ ﷺ نے فطرت کو اختیار فرمایا ہے۔''

اس کے بعد آپ ﷺ جبرائیلؑ کی معیت میں آسمانوں کے سفر کو روانہ ہوئے۔ ایک روائت ہے کہ آپ ﷺ براق پر ہی سوار ہو کر سُوئے افلاک تشریف لے گئے جبکہ دوسری روائت کے مطابق جنت الفردوس سے ایک مرصع سیڑھی لائی گئی جس پہ چڑھ کے آپ ﷺ دروازۂ آسمان تک پہنچے۔

جب سرورِ کونین ﷺ آسمانِ دُنیا یعنی پہلے آسمان پر پہنچے تو جبرائیلؑ نے اس آسمان کے دربان فرشتے کو دروازہ کھولنے کا کہا۔ اُس نے پوچھا: ''کون ہے؟'' جبرائیلؑ نے اپنا نام بتایا۔

اس نے پوچھا ''تمہارے ساتھ کون ہیں؟''

کہا ''محمد ﷺ''

پوچھا ''کیا وہ بُلائے گئے ہیں؟''

کہا ''ہاں'' دربان نے دروازہ کھول دیا۔ اس خبر کو سُن کر اہلِ آسمان مسرور ہو گئے۔ سب سے پہلے حضور ﷺ کی نظر ایک ایسے بزرگ پر پڑی جو اپنی طرف کی داہنی مخلوق کو دیکھ کر مسکراتے اور

بائیں جانب کی مخلوق کو دیکھ کر مغموم ہو جاتے۔انہوں نے حضور ﷺ کو دیکھ کر فرمایا"مرحبا اے فرزندِ صالح!اے نبی صالح" جبرائیلؑ نے کہا"یہ آپ کے باپ آدمؑ ہیں۔ان کے دائیں بائیں جو پرچھائیاں ہیں یہ ان کی اولاد کی روحیں ہیں۔دائیں جانب والے جنتی اور بائیں جانب والے دوزخی ہیں۔

یہاں آپ ﷺ نے دیکھا کہ لوگوں کی فصل ایک ہی دن میں پک کر تیار ہو جاتی ہے اور وہ اسے ہر روز کاٹ لیتے ہیں۔کٹ جانے کے بعد بھی فصل ویسی ہی تیار ہو جاتی ہے۔آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ مجاہدین فی سبیل اللہ ہیں یعنی اللہ کی راہ میں صدقہ وخیرات دینے والے۔ان کی ہر نیکی کا نعم البدل کئی سو گنا ہے۔

آپ ﷺ کا گزر ایک ایسی نہر سے ہوا جہاں کالے لوگ غسل کر کے باہر نکلتے تو نورانی شکل والے بن جاتے۔بتایا گیا کہ یہ نہرِ رحمت تھی اور تائب لوگ غسل کر رہے تھے۔روزہ داروں اور نمازیوں کی جزا خزانے کے صندوقوں کی صورت میں موجود تھی۔

اس آسمان پر آپ ﷺ کو مختلف قسم کے معتوبین لوگوں کا مشاہدہ کرایا گیا جو اپنے اعمالِ بد کی سزا بھگت رہے تھے۔

چغل خوروں اور عیب چینوں کو اُن کے اپنے پہلوؤں کا گوشت کاٹ کر کھلایا جا رہا تھا۔

ہادیانِ بے عمل اور علمائے سُو ، جو لوگوں کو صحیح راستہ سے ہٹا کر گمراہی میں ڈالتے تھے، کی زبانوں اور ہونٹوں کو لوہے کی مقراضوں سے کاٹا جا رہا تھا۔جب اُن کی زبانیں اور ہونٹ کٹ چکتے تو ویسے ہی ہو جاتے تھے۔

غیبت کرنے والے اپنے تانبے کے بنے ہوئے ناخنوں سے اپنے چہروں اور سینوں کو چھیلتے جاتے تھے۔دروغ گووں کی باچھوں میں گُرز ڈال کر انہیں چیرا جا رہا تھا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک چھوٹا سا پتھر دیکھا جس میں سے ایک بڑا بیل پیدا ہوتا ہے پھر یہ بیل واپس اسی پتھر میں جانا چاہتا ہے لیکن جا نہیں سکتا۔آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ اس شخص کا حال ہے جو بری بات منہ سے نکال کر شرمندہ ہوتا ہے لیکن اس کو واپس لینے پر قدرت نہیں رکھتا۔

حرام خور سڑا ہوا گوشت کھا رہے تھے۔شراب نوش رُوسیاہ تھے۔اُن کا نچلا ہونٹ پاؤں پر لٹک رہا تھا اور اُوپر والا سر کے اوپر جا رہا تھا۔اُن کے مونہوں میں دوزخ کی آگ کا زرد سیّال ڈالا جا رہا تھا۔

جھوٹے گواہوں کے چہرے مسخ شدہ تھے اور اُن کی زبانیں گدی سے کھینچیں جا رہی تھیں۔

انسانی قاتل کو فرشتے بار بار ذبح کر رہے تھے۔ماں باپ کی نافرمان اولاد اور شوہروں کی نافرمان بیویوں کو آگ میں جھونکا جا رہا تھا۔دغاباز اور منافق ہوا میں معلق تھے اور اُن کی آنکھ، کان اور ناک سے

Marfat.com

شعلے نکل رہے تھے۔ تکبر اور شرک کرنے والوں کا لباس آگ کا تھا اور اُنہیں آتشیں گرزوں سے بار بار ہلاک کیا جا رہا تھا۔

حضور علیہ السلام کا گزر ایسے لوگوں پر ہوا جن کے پیٹ مکان جتنے تھے جو سانپوں سے بھرے ہوئے تھے اور باہر سے دکھائی دیتے تھے۔ آپ علیہ السلام کو بتایا گیا کہ یہ سود خور تھے۔

فرض نمازوں میں کاہلی کرنے والوں کے سر کچلے جا رہے تھے۔ اسی طرح حضور علیہ السلام ایک ایسے آدمی کے پاس سے گزرے جس نے لکڑی کا بڑا سا گٹھا جمع کر رکھا تھا لیکن اس کو اُٹھانے کی طاقت نہیں رکھتا تھا اس پر بھی اسے قرار نہیں تھا اور وہ اس گٹھے میں اور اضافہ کیے جا رہا تھا۔ آپ علیہ السلام کو بتایا گیا کہ یہ وہ شخص ہے جو لوگوں کی امانتیں رکھ کر واپس نہیں کرتا تھا۔

زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کی شرم گاہوں پر آگے اور پیچھے چیتھڑوں کے پیوند تھے اور وہ جانوروں کی طرح چر رہے تھے۔ تھوہر اور جہنم کے پتھر ان کی غذا تھی۔

یتیموں کا مال کھانے والوں کے ہونٹ اونٹ کے ہونٹوں کی مانند تھے۔ یہ لوگ آگ کی چنگاریاں نگل رہے تھے جو فوراً ہی اُن کے پاخانہ کے مقام سے خارج ہو جاتی تھیں۔

بدکار عورتیں اپنی چھاتیوں سے بندھی ہوئی لٹک رہی تھیں اور حرام کار دہکتے ہوئے تنوروں میں ننگے ڈالے جا رہے تھے۔

حضور علیہ السلام کو دوزخ کا بھی مشاہدہ کرایا گیا جس کے سات طبقات تھے۔ پہلا طبقہ ''جہنم'' تھا جو آپ علیہ السلام کی گنہگار امت کے لئے تھا اور خاص طور پر اُن کے لئے جنہوں نے شرک کیا۔ دوسرا طبقہ ''سعیر'' حضرت عیسیٰؑ کی نافرمان اُمت کے لئے مختص تھا۔ تیسرا طبقہ ''حطمہ'' اور چوتھا ''لظی'' تھا جو حضرت موسیٰؑ کی گنہگار اُمت کے لئے تھا۔ پانچواں طبقہ ''سقر'' شیطان کے پیروکاروں اور آتش پرستوں کے لئے تھا۔ چھٹا طبقہ ''جحیم'' اُن لوگوں کا ٹھکانہ تھا جنہوں نے اللہ کے ساتھ اوروں کو شریک ٹھہرایا۔ ''ہاویہ'' سخت ترین طبقہ تھا اسے ''اسفل السافلین'' بھی کہتے ہیں۔ یہاں فرعون، نمرود، ہامان، اصحابِ مائدہ اور منافقین وغیرہ مبتلائے عذاب تھے۔ ہر طبقے پر ایک داروغہ مقرر تھا۔ دوزخ کے یہ داروغے انتہائی کریہہ صورت تھے، جو آگ کا بڑا الاؤ دہکائے جا رہے تھے۔

حضور علیہ السلام کو جنت کا نظارہ کرایا گیا۔ آپ علیہ السلام نے دیکھا کہ وہ ایک نہایت پُر فضا اور انتہائی خوبصورت باغ ہے جس میں دودھ اور شہد کی نہریں تھیں۔ باغ جنت کی چاردیواری سونے اور چاندی کی اینٹوں کی بنی ہوئی ہے۔ اس کے بالاخانے اور محل ہیرے، موتی اور چاندی کے تھے۔ سونے کے ظروف، دودھ، شہد، شرابِ طہور اور انواع واقسام کے پھل اور کھانے کی اشیاء وغیرہ تھیں۔ حُور وقصور کے علاوہ

Marfat.com

ہر عمر اور ہر قسم کے لوگ اس میں موجود تھے۔ شہدا اور صدیقین کے محلات کی تو کوئی مثال ہی نہیں تھی۔ اس سیر کے دوران آپ ﷺ کو ایک ایسی نہر دکھائی گئی جس کے کناروں پر سونے، چاندی، یاقوت، مروارید اور زبرجد کے پیالے رکھے تھے۔ یہ نہر یاقوت اور زمرد کے سنگریزوں پہ رواں دواں تھی۔ اس کا پانی دودھ سے زیادہ سفید، شہد سے زیادہ میٹھا اور کستوری سے زیادہ خوشبودار تھا۔ یہ ''نہرِ کوثر'' تھی جو اللہ تعالیٰ نے خاص آپ کو عطا فرمائی۔

دوسرے آسمان پر جب آپ ﷺ تشریف لے گئے تو اس آسمان کے محافظ فرشتے نے بھی اُسی طرح کے سوال کئے جس طرح آسمانِ اوّل کے محافظ فرشتے نے کیے تھے اور پھر آپ ﷺ کو ''اہلاً وسہلاً ومرحبا'' کہا۔ اس آسمان پر آپ ﷺ کی ملاقات حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے ہوئی جو دونوں خالہ زاد بھائی تھے۔ حضور ﷺ نے انہیں سلام کیا جواباً انہوں نے کہا ''مرحبا اے برادرِ صالح، اے نبی صالح''

تیسرے آسمان پر پہلے جیسے سوال وجواب کے بعد محافظ نے خیر مقدم کے لئے دروازہ کھولا۔ وہاں آپ ﷺ کی ملاقات حضرت یوسفؑ سے ہوئی۔ انہوں نے بھی پہلے نبیوں جیسے کلمات دُہرائے۔ چوتھے آسمان پر حضرت ادریسؑ، پانچویں پہ حضرت ہارونؑ، اور چھٹے آسمان پر آپ ﷺ کی ملاقات حضرت موسیٰؑ سے ہوئی۔ ساتویں آسمان پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ نے ''مرحبا اے نبی صالح وفرزندِ صالح'' کہہ کر آپ ﷺ کا استقبال کیا۔

آپ ﷺ کو ''بحرالحیوان'' اور ''سورج'' کے نظام کا مشاہدہ کرایا گیا علاوہ ازیں رزق تقسیم کرنے والے فرشتوں، ''آفرینشِ ملائکہ'' نیز عزرائیلؑ، میکائیلؑ، اسرافیلؑ سے ملے اور بیت المعمور (آسمانوں پر ملائکہ کا قبلہ) کو دیکھا۔

پھر حضور ﷺ کو ''جنت الماویٰ'' کی سیر کرائی گئی جس کی زمین مشک وعنبر کی اور گنبد موتی کے تھے۔ یہاں اللہ کے صالح بندوں کے لئے وہ کچھ تھا، جو نہ کسی انسان نے دیکھا نہ سنا اور نہ ہی کسی انسانی ذہن میں اس کا تصور آسکتا ہے۔

اس کے بعد آپ ﷺ اس مقام پر پہنچے جہاں قلم قدرت کے چلنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ وہاں سے آگے بڑھ کر حضور ﷺ ''سدرۃ المنتہیٰ'' جو معلوم کی آخری حد ہے، تک پہنچے۔ سدرۃ المنتہیٰ کے مقام پر جبرائیلؑ اپنی اصل شکل وصورت میں ظاہر ہوئے اور عرض کی ۔

گر یک سر موئے برتر پرم
فروغ تجلی بسوزد پرم

(اگر میں ایک قدم بھی آگے بڑھا تو تجلیِ کبریا سے میرے پَر جل جائیں گے)

چنانچہ جنابِ جبرائیلؑ کی معذوری و معذرت کے بعد حضور ﷺ ایک روائت کے مطابق سبز رنگ کی ایک مُرصع ''رفرف'' پہ سوار ہو کر اکیلے ہی تمام حجابات طے کرتے ہوئے اس مقام پر پہنچے جہاں آج تک کوئی گیا ہے اور نہ جا سکے گا:

''وہ سامنے آ کھڑا ہوا!

جبکہ وہ بالائی اُفق پر تھا

پھر قریب آیا!

اور اوپر جُھک گیا!

یہاں تک کہ

دو کمانوں کے برابر

یا اس سے کچھ کم فاصلہ رہ گیا۔'' (سورہ النجم)

وہاں محب اور محبوب کے مابین بقول قرآنِ مجید:

"فَاَوْحٰی اِلٰی عَبْدِهٖ مَا اَوْحٰی"

(اپنے بندے سے جو باتیں کیں سو کیں) (سورہ النجم)

اور ذاتِ واجب الوجوب کی بے حجاب تجلی سے بہرہ مند ہوئے:

''نگاہ نہ چُندھیائی، نہ حد سے متجاوز ہوئی۔'' (سورہ النجم) ؎

سبدِ کُل ، صاحبِ اُمّ الکتاب

پردگیہا بر ضمیرش بے حجاب

گرچہ عین ذات را بے پردہ دید

''ربِّ زدنی'' از زبانِ اُو چکید

(حضور سرورِ دو عالم اور صاحب اُم الکتاب ہیں (ﷺ) جن کے ضمیر پر اُس کتاب کے تمام راز بے حجاب ہیں۔ اگر چہ حضور نے ذاتِ باری تعالیٰ کو بے پردہ دیکھا ہے پھر بھی اُن کی زبانِ مبارک سے یہ دعا نکلی ہے کہ ''اے ربّ! اس میں اضافہ فرما)

اس تجلی سے ارض و سمٰوات کے تمام علوم اور ظواہر و غیوب آپ ﷺ پہ مکشوف ہو گئے:

''اس کو تو بڑی طاقتوں والا اور بڑی عقل والا تعلیم دیتا ہے۔'' (سورہ النجم)

بارگاہِ ربّ العزت سے حضور ﷺ کو معراج کے تین عطیے مرحمت ہوئے:

۱۔ سورہ بقرہ کی آخری دو آیات جن میں اسلام کے عقائد، ایمان کی تکمیل اور مصائب کا دور جلد ختم ہونے کی خوشخبری تھی۔

۲۔ تمام اُمت محمدیہ ﷺ کی بخشش کی بشارت۔ سوائے اُن لوگوں کے جنہوں نے شرک کیا۔

۳۔ پانچ نمازیں فرض کی گئیں جن کا ثواب پچاس کے برابر ہوگا۔

تمام اربابِ سیر اس بات پر متفق ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو اُن کے جسم اطہر کے ساتھ بیداری اور شعور کے عالم میں اپنا بے حجابانہ دیدار کرایا اور متعدد حیرت انگیز مناظر اور اسرار دکھائے۔ ان مناظر و مشاہدات کا تعلق عالمِ بالا اور عالمِ برزخ سے تھا۔ شاہ ولی اللہؒ ''حجتہ اللہ البالغہ'' میں لکھتے ہیں:

''نبی ﷺ کو مسجدِ اقصیٰ تک پھر سدرۃ المنتہیٰ تک اور جہاں تک کہ خدا نے چاہا سیر کرائی گئی۔ یہ سب کچھ جسم کے ساتھ بیداری میں تھا۔ لیکن یہ ایک مقام ہے جو مثال اور شہادت کے درمیان برزخ ہے اور ہر دو عالم مذکورہ کے احکام کا جامع ہوتا ہے۔ پس جسم پر روح کے احکام ظاہر ہوئے اور روح اور معانی نے جسم قبول کر کے تمثیل اختیار کیا۔ پس اسی لیے ان تمام واقعات میں سے ہر واقعے کی ایک حقیقت ہے۔'' (ص: ۳۸۷)

افلاک اور عرشِ بریں کی تمام منازل کی سیر کے بعد آپ ﷺ واپس مسجدِ حرام (خانہ کعبہ) تشریف لائے۔ اس روحانی سیاحت میں شروع سے آخر تک زمان و مکان کے تمام مادی قوانین معطل رہے۔ جب آپ ﷺ واپس تشریف لائے تو دروازے کی زنجیر بدستور ہل رہی تھی اور بستر اسی طرح گرم تھا۔ صبح سب سے پہلے آپ ﷺ نے اپنی چچازاد بہن اُمِّ ہانیؓ کو یہ روداد سنائی پھر باہر نکلنے کا قصد کیا۔ انہوں نے آپ ﷺ کی چادر پکڑ لی اور کہا ''یہ قصہ قریشِ مکہ کو نہ سنایئے گا، وہ آپ ﷺ کا مذاق اُڑائیں گے۔'' مگر آپ ﷺ یہ کہتے ہوئے باہر نکل گئے کہ ''میں یہ ضرور بیان کروں گا۔'' چنانچہ آناً فاناً یہ خبر سارے مکہ میں پھیل گئی۔ سردارانِ قریش نے آپ ﷺ کا مذاق اڑانا شروع کر دیا کہ مکہ سے شام تک کا فاصلہ دو مہینے کا ہے، یہ کس طرح ممکن ہے کہ محمد ﷺ بیت المقدس جائیں اور ایک ہی رات میں دو ماہ کی مسافت طے کر کے واپس آ جائیں؟

حضور ﷺ نے مسجدِ اقصیٰ اور شام کے قافلوں اور راستوں کی تمام جزیات مفصل بیان فرمائیں تو قومِ قریش نے اس کی شہادت دی لیکن معاندین نے پھر بھی اس محیر العقول سفر کو سحر اور بہکاوے سے تعبیر کیا جس پہ سورہ النجم نازل ہوئی۔ سورہ النجم کا پورا مضمون معراج کے مخالفین، معترضین اور

معاندین کے اعتراضات کا دندان شکن جواب ہے۔

حضرت ابوبکرؓ نے معراج کی تصدیق کی تو "صدیق" کے لقب سے ملقب ہوئے لیکن کفار کو کون سمجھاتا کہ ؎

ناوک ہے مسلمان! ہدف اس کا ہے ثریا
ہے سرِّ سرا پردۂ جاں نکتۂ معراج
تو معنیٔ والنجم نہ سمجھا تو عجب کیا
ہے تیرا مدّ وجزر ابھی چاند کا محتاج
(اقبالؒ)

ooo

Marfat.com

(۲)

ایک خاص قسم کی روحانی واردات اور علوی تجربہ (Spiritual Experience) ہر اُس انسان کو ہوسکتا ہے جو جذبِ دروں سے بہرہ مند ہو اور اوصافِ خاص سے متصف ہو۔ اکابر صوفیا کے ایسے تجربے تواریخ وتذکار کا حصہ ہیں۔ صوفیائے کرام کے یہ علوی اور روحانی تجربات دراصل معراج ہی کے زیرِ اثر روحانی سلوک وارتقا کا حاصل قرار دیے گئے۔ یہ باطنی تجربے معراج کی ایک ادنیٰ سی قسم ہے جو دائرۂ ابلاغ میں نہ آنے کے باوجود اپنے اندر بے پناہ علمی اور مذہبی خزائن رکھتے ہیں۔ صوفیا نے مشاہدۂ ربانی اور تجلیٔ ذات کی واردت کو مختلف رنگوں میں اسراء یا معراج کی تعبیر کے لئے استعمال کیا ان میں بایزید بسطامیؒ اور شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ کے مشاہدات بہت مشہور ہیں۔

بایزید بسطامیؒ کے مشاہدات

بایزید بسطامیؒ (۱۲۸ھ/۷۴۵ء۔ ۲۶۱ھ/۸۷۴ء)، کا شمار معروف ترین صوفیاءِ کرام میں ہوتا ہے۔ پورا نام ابویزید طیفور بن عیسیٰ بن سروشان، بُسطام میں پیدا ہوئے، دادا مجوسی تھے، فقہ حنفی کی تعلیم ابوعلی سندھی سے حاصل کی۔ حقیقت ومعرفت کا سبق بھی انہی سے پڑھا۔ امام جعفر صادقؒ سے بھی کسبِ فیض کیا۔ کوئی مستقل تصنیف نہیں چھوڑی البتہ مختلف صوفیہ کی کتب تصوف میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔ اصول تجرید فنا بالتوحید میں آپ کا قائم کردہ اصولِ تصوف بہت مشہور ہے۔ بسطام میں ہی انتقال کیا۔ ان کے شطحیات بہت مشہور ہیں جن پر ان کے معاصرین بہت معترض اور برہم ہوئے۔

مراقبات میں انہوں نے ماورائے ادراک فضاؤں میں پرواز کی۔ اسی کی بدولت ان پر یہ

Marfat.com

الزام بھی وارد ہوا کہ وہ اس طرح کی معراج کے تجربے کا ادّعا کرتے ہیں جیسی رسول اللہ ﷺ کی تھی۔ ان روحانی پروازوں کے دوران میں اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی وحدتِ انانیت سے مشرف کیا اور اپنی انانیت کا لباس پہنایا، لیکن انہوں نے اس حال میں لوگوں کے سامنے آنے سے احتراز کیا، یا یہ کہ انہوں نے ''دیمومیت'' کے بازوؤں کے ساتھ ''لا کیفیت'' کی فضاء کے پار پرواز کی اور ''ازلیت'' کی سرزمین میں پہنچے اور وہاں احدیت کے شجر کی زیارت کی، جس سے یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ یہ سب مشاہدات دھوکا تھے، یا یہ سب کچھ وہ ''خود ہی تھے'' وغیرہ۔ (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اول، ص: ۹۳۳)

شیخ فریدالدین عطارؔ اپنی تالیف ''تذکرۃ الاولیاء'' میں حضرت بایزیدؒ کے معراجی تجربے کی تفصیل یوں بیان کرتے ہیں:

''آپ فرماتے ہیں کہ جس وقت مجھے تمام موجودات سے بے نیاز کر کے خدا نے اپنے نور سے منور فرمایا اور تمام اسرار و رموز سے آگاہی عطا کی تو میں نے چشمِ یقین کے ساتھ خدا تعالیٰ کا مشاہدہ کیا اور مجھے معلوم ہوا کہ میرا نور اس کے نور کے سامنے تاریک ہی تاریک ہے اور میری عظمت اس کی برتری کے سامنے قطعاً بے حقیقت ہے کیونکہ وہ مصفا و مشفا تھا اور میرے وجود میں کثافت تھی اور جب میں نے اپنے نور و عظمت کے اندر اس کے نور و عظمت کو محسوس کیا تو یہ اندازہ ہو گیا کہ میری تمام عبادت و ریاضت میں اسی کا حکم نافذ ہے اور جب میں نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمایا گیا کہ جب تک ہم کام کرنے کی قوت عطا نہیں کرتے اس وقت تک تو کچھ بھی نہیں کر سکتا کیونکہ فاعلِ حقیقی تو ہم ہیں اور ہمارے ہی ارادے سے تمام چیزیں ظہور پذیر ہوتی ہیں اور جب خدا نے میری ہستی کو فنا کر کے بقا کا مقام عطا کیا تو اپنی خودی کا میں نے بے حجابانہ مشاہدہ کیا، گویا میں نے اللہ کو اللہ کے ذریعے دیکھا اور اس کی حقیقت میں گم ہو کر گونگا، بہرہ اور جاہل بن گیا اور نفس کی بربریت کو درمیان سے فنا کر کے ایک عرصہ وہاں قیام کیا۔ پھر خدا نے مجھ کو علومِ ازلی سے آگاہ فرما کر زبان کو اپنے کرم سے گویائی اور آنکھوں کو اپنے نور سے نور عطا کیا جس کے ذریعے میں نے ہر شئے میں اسی کی ذات کو جلوہ گر پایا اور اس کے علم سے علم حاصل کیا۔۔۔ پھر اس نے اپنی رضا سے مجھے مخاطب فرما کر شرف عطا کیا اور اپنی خوشنودی پر مہرِ تصدیق ثبت کر دی اور قلب کی تاریکی اور نفس کی کثافت کو دور کر دیا۔ اس وقت میں نے محسوس کیا کہ میری حیات کا تعلق ذاتِ خداوندی سے ہے اور میں اس کے فضل و کرم میں ملبوس

Marfat.com

ہوں۔ پوچھا گیا اور کیا چاہتا ہے؟ میں نے عرض کیا کہ تو سب سے زیادہ علیم وکریم ہے اس لیے تجھ کو ہی تجھ سے طلب کرتا ہوں، صرف اپنا قرب عطا کر کے ماسوا سے نجات عطا کر دے۔ اس طرح کے کلام کے بعد مجھے تاجِ کرامت عطا کرتے ہوئے فرمایا گیا کہ تو نے حق کو دیکھ لیا اور پالیا۔ میں نے عرض کیا کہ میں نے تو حق کو حق کے توسل سے پایا اور دیکھا۔ پھر میری حمد وثنا کے صلہ میں ایسے پَر عطا کیے گئے جن کے ذریعے میدانِ عزت میں پرواز کرتے ہوئے میں نے قدرت کے صنائع کا مشاہدہ کیا۔ خدا نے اپنی قوت وزینت سے مجھے قوت وزینت بخشی اور تاجِ کرامت سر پر رکھ کر درِ توحید کھول دیا۔۔۔ اس کے بعد مجھے ازسرِنو زندگی عطا کی گئی اور مکمل آزمائش کے بعد دریافت کیا گیا کہ ملک کس کا ہے، حکم کس کا ہے اور صاحبِ اختیار کون ہے؟؟؟ میں نے کہا کہ تیرے سوا کسی میں یہ اوصاف نہیں ہو سکتے۔ پھر جس وقت مجھے نظرِ قہر سے دیکھا گیا تو میری ہستی فنا ہو گئی اور میں نے صبر وسکون کا پیراہن پہن لیا جس کی بنا پر مجھے یہ مراتب تفویض کیے گئے کہ میرے قلبِ تاریک میں مسرتوں کا ایک ایسا دریچہ کھولا گیا اور لسانِ توحید عطا کر کے میرے قلب کو اپنے نور سے منور کر دیا اور اپنے صنعتوں سے آنکھوں کو خیرہ بنا دیا اور اب میں اسی کی اعانت سے بات کرتا اور چلتا پھرتا ہوں اور اسی کے کرم سے وہ حیات ملی ہے جس میں موت کا وجود نہیں۔۔۔ پھر خدا نے مجھے تمام عالم کے سامنے پیش کر دیا اور جیسے ہی میں نے اس کی بارگاہ سے باہر قدم رکھا تو لغزش سے گر پڑا اور فوراً یہ ندا آئی کہ ہمارے دوست کو واپس لے آؤ کیونکہ وہ ہمارے بغیر نہ رہ سکتا ہے اور نہ چل پھر سکتا ہے۔۔۔ پھر میں تیس سال تک وحدانیت کی فضا میں پرواز کرتا رہا اور تیس سال فضائے الوہیت میں اڑتا رہا اور تیس سال فضائے یکتائیت میں پرواز کی اور جب نوے سال مکمل ہو گئے اس وقت میں نے بایزید کو دیکھا اور محسوس کیا کہ جو عالم نظروں سے گزرا ہے وہ بایزید ہی نے دیکھا۔ پھر چار ہزار مراتب طے کرنے کے بعد کمالِ اولیاء کے درجہ تک پہنچا۔ غور وفکر کے بعد معلوم ہوا کہ میرا سر ایک نبی ﷺ کے قدموں کے نیچے ہے اس وقت مجھے محسوس ہوا کہ ولایت کی انتہا نبوت کی ابتداء ہوا کرتی ہے، لیکن نبوت کی کوئی انتہا نہیں۔ اس مقام سے جب میری روح فردوس وجہنم اور ملائکہ کے مشاہدے کے لیے روانہ ہوئی تو وہاں انبیاء کرامؑ سے شرف نیاز حاصل ہوا اور میں نے سلام کیا لیکن جس

Marfat.com

وقت میری روح حضور اکرم ﷺ کے روبرو پہنچی تو دیکھا کہ آگ کے دریا میں ایک راستہ ہے اور نور کے ہزاروں حجابات درمیان میں حائل ہیں جس کی وجہ سے میری روح سرکار دوعالم ﷺ کے دیدار سے محروم رہ گئی اور مجھ پر ہیبت کی وجہ سے غشی طاری ہوگئی اور جب ہوش میں آیا تو میں نے دور ہی سے حضور ﷺ کی خدمت میں سلام پیش کیا، اس طرح مجھے قربِ خداوندی تو حاصل ہوگیا لیکن اس کے محبوب کے قرب تک رسائی حاصل نہ ہوسکی کیونکہ امر واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تو ہر بندے کے ہمراہ اور قریب ہے اور ہر بندہ اپنے معیار کے مطابق اس کا مشاہدہ کرسکتا ہے لیکن حضور ﷺ کی زیارت اس وقت نصیب ہوسکتی ہے جب لا الہ الا اللہ کی منزل سے گزر جائے۔''

''۔۔۔جو کچھ میں نے مشاہدہ کیا اس سے یہ اندازہ ہوا کہ جب تک خودی کا ازالہ نہ ہوجائے خدا کا راستہ ملنا محال ہے اور جب میں نے سوال کیا کہ میں اپنی خودی کا ازالہ کس طرح کروں تو جواب ملا کہ یہ مقام صرف اتباع نبوی ﷺ ہی سے حاصل ہوسکتا ہے۔'' (ص: ۱۰۷ تا ۱۰۹)

سیر العباد الی المعاد

قصائد سے قطع نظر، ابوالمجد مجدود بن آدم المعروف بہ حکیم سنائی (متوفی ۵۴۵ھ/۱۱۵۰ء) کی ساری شاعری عرفانی مطالب سے لبریز ہے۔ تقریباً پونے آٹھ سو اشعار پر مشتمل اُن کی مثنوی ''سیر العباد الی المعاد'' بھی اس موضوع پر ایک اہم تصنیف سمجھی جاتی ہے۔ اس نظم میں شاعر نے ''ہبوطِ آدم'' (حضرت آدمؑ کو زمین پر بھیجنا) کو علامت مقرر کرتے ہوئے ''سوی پستی رسیدم از بالا'' کے حوالے سے اپنی ایک سیر یا سفر کا بیان کیا ہے۔ کہتے ہیں:

''جب میں نے بلندی سے پستی کی طرف رجوع کیا تو مجھے ایک قدیم نہاد دایہ میسر آئی جو جنبشِ فلک کے ساتھ ہمزاد تھی۔''

غالباً اس سے مراد زمین ہے ؎

دایہ یافتم قدیم نہاد — بود با جنبش فلک ہمزاد
کندہ پیری چو چرخ پر مایہ — بے خبر ز آفتاب واز سایہ
پیشوا بود نوع عالم را — دایگی کرد شخص آدم را

(سیر العباد الی المیعاد، ص: ۵، ۶)

سنائی نے جہانِ دیگر کی سیر کا احوال صیغۂ واحد متکلم ہی میں بیان کیا ہے۔ دوسرے باب

Marfat.com

کے آغاز میں کہتے ہیں:

"میں نے روم وحبش کے کنارے پر ایک شہر پایا جو آگ میں آباد تھا، باہر سے جدید لیکن اندر سے پُرانا، اس شہر کی نباتات سرنگوں تھیں، شاخیں نشیب میں اور جڑیں ہوا میں تھیں، یہاں پانی اور مٹی سے خیمے بنائے گئے تھے جن کی میخیں آگ کی اور طنابیں پانی کی تھیں۔ اس کے باشندوں کے دو چہرے اور بارہ سر تھے اور ان میں سے ہر ایک کی دو مائیں اور دو باپ تھے اور ماں اور باپ ایک دوسرے سے چہرے بدلتے رہتے تھے۔ غرض اس شہر کے عجیب وغریب احوال تھے۔"

ڈاکٹر اسلم انصاری کے مطابق یہ سب چہرے اور کردار روح، حیوانی وطبیعی صفات اور نفس اور عقل کی باہمی آمیزش کی علامات اور تمثیلیں ہیں۔ اس جہانِ دیگر میں شاعر کی ملاقات "پیر مرد لطیف ونورانی" سے ہوتی ہے جس سے شاعر سوال وجواب میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اس طرح شاعر کی ملاقات "عقل تیرہ" اور "صفتِ بخل" کے علاماتی پیکروں سے ہوتی ہے۔ "صورتِ مرگ وفسادِ طبیعت" کینہ اور بخل کے تمثیلی پیکر نمودار ہوتے ہیں۔ پھر عناصرِ اربعہ میں سے آب وباد کے کردار اُبھرتے ہیں۔ صورت شہوت اور صورتِ حرص اپنی اپنی جھلک دکھاتے ہیں۔ درمیان میں کہیں فلک قمر ہے، کہیں برجیس ہے، صورتِ آتش، صورت نکیر، صورت بہرام وخورشید۔۔۔ یہاں تک کہ ہم "جہانِ انسان" تک پہنچتے ہیں جس میں مراتبِ انسان نمودار ہیں، مثلاً صفتِ سادہ پرستان، (تعریضات اور تنقیص) صفت اربابِ ظن۔۔۔ بعدازاں صفتِ نفسِ کُلی بیان ہوتی ہے۔ سب کردار عنوانات میں مجرد (Abstract) لیکن بیان میں تجسیمی (Personified) ہیں۔ اس اعتبار سے "سیر العباد الی المعاد" اپنی ساخت میں خالصتاً تمثیلی (Allegorical) ہے۔ غرض اربابِ توحید، سالکانِ طریقت، گوشہ نشین زاہدین، اہلِ رضا وتسلیم۔۔۔ اپنی ظاہری اور باطنی صفات کی تجسیم کے ساتھ نمودار ہوتے رہتے ہیں اور اپنی معنویت اُجاگر کرتے چلے جاتے ہیں۔ سفر کے اختتام کے قریب شاعر کو ایک نور دکھائی دیتا ہے۔ استفسار پر اسے بتایا جاتا ہے کہ یہ نور "ابوالمفاخر محمد منصور" کا ہے۔ اس کے بعد نظم کا بقیہ حصہ ابوالمفاخر سیف الدین محمد بن منصور قاضی سرخس" کی مدح میں ہے۔ (بہ حوالہ "مکالمے" ص ۱۱۰، ۱۱۱) اس نظم میں اگرچہ شاعر عالمِ علوی کی بلندیوں تک نہیں جاسکا تاہم یہ نظم اس کے معراجِ ذاتی کا احوال ضرور ہے۔

منطق الطیر

شیخ فرید الدین عطارؒ (المتوفی ۶۲۸ھ) فارسی میں شعرائے متصوفین کے سرخیل ہیں۔ ان کی مثنوی "منطق الطیر" اربابِ تصوف کے لیے ایک شاعرانہ دستور العمل کا درجہ رکھتی ہے۔ اس کا مابہ الامتیاز

Marfat.com

یہ ہے کہ اس میں ایک پُرعظمت موضوع کے لیے پُرعظمت اسلوب بھی اختیار کیا گیا ہے جس نے اس کتاب کو ادبیاتِ عالم میں ایک خاص مقام عطا کر دیا ہے۔ اس کتاب میں فلسفہ وحدت الوجود کے نہایت نازک موضوع کو چھیڑا گیا ہے۔ منطق الطیر کا حصہ ''ہفت وادی'' روح کے سیر اور طیران اور مراتبِ روحانی کے طے کرنے کی بہترین تصویر پیش کرتا ہے۔ منطق الطیر کا سالِ تصنیف ۵۸۳ھ ہے۔ عطار نے عارفانہ اور عاشقانہ فکر کو سات وادیوں میں تقسیم کیا ہے۔ چار ہزار چھ سو اشعار پر مشتمل اس نظم میں شیخ نے معارف وحقائق کے دریا بہا دیے ہیں۔ مولانا رومی کہتے ہیں:

ہفت شہرِ عشق را عطار گشت
ما ہنوز اندر خم یک کوچہ ایم

(یعنی عطار نے عشق کے سات شہروں کی سیر کی ہے۔ ہم اب تک ایک گلی کے موڑ پر ہی ہیں) [یہ سات شہر وہی سات وادیاں ہیں جن کا ذکر منطق الطیر میں ہوا ہے]

لفظ ''منطق الطیر'' اور اس نظم کا مرکزی کردار ''ہُدہُد'' قرآن مجید کی سورۃ نمل کی ایک آیت سے ماخوذ ہے۔ ہُدہُد طیورِ سلیمان میں فہم ودانش میں سب سے ممتاز تھا اس لیے شیخ عطارؒ نے حقائق وعرفان اسی کی زبان سے ادا کروائے ہیں۔ اس قصے کی ساری فضا تمثیلی ہے۔ ''سی مرغ'' تصوف کی زبان میں ''حقیقت الحقائق'' ہے، ہُدہُد مرشدِ کامل ہے، پرندے سالکانِ طریقت ہیں، ہفت وادی مقاماتِ راہ ہیں جنھیں طے کر کے ہی سالک حقیقت تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ راستہ کتنا کٹھن ہے اس کا اندازہ قصے کے مطالعے سے ہی ہو سکتا ہے۔ اس کی مشکلات کو عطار نے بڑا خوبصورت تمثیلی پیرایہ عطا کیا ہے۔ پرندے سیمرغ تک پہنچتے ہیں تو ان کی حیرت کی انتہا نہیں رہتی جب ان میں سے ہر ایک سیمُرغ اعظم میں اپنی صورت دیکھتا ہے۔ پرندوں کے لیے سی (تیس) کے عدد اور سیمُرغ میں عجیب وغریب معنوی ربط ہے۔ یہاں پہنچ کر دوئی ختم ہو جاتی ہے۔ پرندے سیمُرغ کی ذات میں خود کو گم کر دیتے ہیں، ایک سالک کے سفرِ شوق کی یہی آخری منزل ہے۔

اس تمثیلی نظم کی کہانی کچھ یوں ہے کہ ایک بار کچھ پرندے از قسم ہدہد، طاؤس، طوطی، مرغ، فاختہ، قمری، بلبل، باز وغیرہ جمع ہو کر سوچتے ہیں کہ ایسا کوئی بھی شہر نہیں جہاں اس کا بادشاہ نہ ہو۔ ان کا بھی کوئی بادشاہ، کوئی حکمران ہونا چاہیے۔ ہُدہُد، کہ طریقت کا لباس زیب تن کیے ہوئے تھا اور اس کے سر پر حقیقت کا تاج تھا، وہ تیز فہم، تجربہ کار اور نیک وبد سے خوب آگاہ تھا، پرندوں کی مجلسِ شوریٰ میں اپنی سیر وسیاحت کی داستان سُناتا ہے اور اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والے تجربات بیان کرتا ہے۔ یہ پیامبرِ حق وعرفان تمام طیور کو تبلیغ وتفہیم کی دعوت دیتا ہے کہ سب اپنے آپ کو سلطانِ مطلق کی حکومت

Marfat.com

وانقیاد میں لے آئیں اور یہ مرتبہ سلطانی سیمرغ کا ہے۔ ہُدہُد، سیمُرغ کے جو اوصاف بیان کرتا ہے ان صفات سے واضح ہو جاتا ہے کہ یہ کس عالی ذات کا کنایہ ہے۔ ہُدہُد کہتا ہے کہ اس میں اختلاف نہیں کہ ہمارا ایک بادشاہ ہے جو کوہ قاف میں رہتا ہے۔ اس کا نام سیمُرغ ہے اور وہ پرندوں کا سلطان ہے۔ وہ ہمارے نزدیک ہے اور ہم اس سے دور ہیں۔ ایک نہایت بلند درخت پر وہ بسیرا لیتا ہے اور اس کا نام زمان کی حد میں نہیں۔ نور و ظلمت کے لاکھوں پردے اُس پر پڑے ہوئے ہیں۔ وہ دائماً بادشاہ مطلق ہے اور اس کی بارگاہ تک رسائی آسان نہیں۔ علم و خرد یہ کام انجام دینے سے قاصر ہیں۔ کسی دانا نے اس کا کمال اور کسی بینا نے اس کا جمال نہیں دیکھا۔ مخلوق اس کے کمال تک نہیں پہنچ سکی۔ دانش کے پاؤں جواب دے گئے ہیں اور بینش کو راستہ نہیں ملا:

نام اُو سیمرغ سلطانِ طیور — او بہ ما نزدیک و ما زو دور دور
صد ہزاراں پردہ دارِ بیش تر — ہم ز نور و ہم ز ظلمت بیش تر
او دو عالم نیست کس را زہرہ — کہ تو اند یافت از دئے بہرہ
دائما او بادشاہ مطلق است — در کمال عزّ خود مستغرق است
نے برورہ نے شکیبائی از دست — صد ہزاراں خلق سودائی از دست
ہیچ دانائے کمالِ او ندید — ہیچ بینائے جمال او ندید
در کمالش آفرینش رہ نیافت — دانش از بے رفت و بینش رہ نیافت

(منطق الطیر، ص:۳۸)

ہُدہُد وعدہ کرتا ہے کہ وہ پرندوں کو سیمرغ کے دربار تک ضرور پہنچائے گا لیکن شرط یہ ہے کہ انہیں دور دراز کے سفر کی صعوبتوں اور مشکلات سے گزرنا پڑے گا۔ اس پر دوسرے پرندے معترض ہوتے ہیں۔ ہُدہُد ایک ایک کا اعتراض سنتا ہے اور الگ الگ سب کو جواب دیتا ہے۔ اس کے بعد پرندے ایک ایک کر کے ناتوانی، تردید، نفسِ امارہ، رہزنی، ابلیس، دوستی زر، قصر و محل کی زندگی، گرفتاری بہ عشق مجاز، جانِ دوستی و ترس مرگ، نامرادیٔ دنیا، امتثال امر و فرماں بری، پاکبازی و بے قیدی، بلند ہمتی، انصاف و وفا، گستاخی در حضرتِ حق، لاف عشق حق زدن، پندارِ کمال، خود بینی، خوشی کس چیز سے حاصل ہوتی ہے، معرفتِ حق، کیا تحفہ اس جناب کے لائق ہے، وغیرہم کے باب میں سوال کرتے ہیں۔ ہُدہُد ان سارے سوالوں کا تسلی بخش جواب دیتا ہے۔ ہُدہُد انہیں بتاتا ہے کہ "یہ راستہ عشق سے طے ہو سکتا ہے جو بڑی قربانیاں مانگتا ہے۔ عاشق سارے خرمن میں آگ لگا دیتا ہے۔ وہ چپ رہتا ہے خواہ سر پر آرے ہی کیوں نہ چلائے جا رہے ہوں۔ عشق کے لیے ایسا درد درکار ہے جو پردے جلا دینے والا ہو۔

Marfat.com

وہ کبھی جان کی پردہ دری کرتا ہے اور کبھی پردہ دوز بن جاتا ہے۔ عشق کو دل کے درد اور خون کی ضرورت ہے اور وہ کسی امر مشکل کا طلب گار ہے۔''

ہُدہُد کی اِن باتوں کا پرندوں پر خاطر خواہ اثر ہوا اور وہ اُسے اتفاق سے اپنا پیشوا بنا کر پوری سرگرمی سے آمادۂ سفر ہو گئے۔ لاکھوں کی تعداد میں پرندے سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔ یہ بڑی ہولناک راہ تھی۔ پرندوں کے بال و پر خون میں تربتر تھے اور وہ آہیں بھر رہے تھے، راستہ اُن کے سامنے تھا مگر اس کا اختتام نامعلوم تھا۔ پرندے راستے کی دشواریوں سے گھبرا کر پیچھے رہ جاتے ہیں، اس لیے کہ راستہ طویل اور سفر کٹھن۔ آخر کار تیس پرندے (سی مرغ) ثابت قدم ہوتے ہیں اور سفر جاری رکھتے ہیں۔

یہ سفر سات وادیوں سے گزرنے کا بے حد مشکل عمل ہے۔ یہ سات وادیاں، طلب و جستجو، عشق، معرفت، استغنا، توحید، حیرت، اور فقر و فنا کے نام سے موسوم ہیں۔ ہُدہُد نے ہر وادی کی کیفیت پوری جزئیات کے ساتھ بیان کی۔ وادی طلب کا نقشہ یوں کھینچا ہے:

چوں فرود آئی بہ وادی طلب — پیشت آید ہر زمانے صد تعب
صد بلا در ہر نفس ایں جا بود — طوطئ گردوں، مگس ایں جا بود

(جب تم وادئ طلب میں اُترو گے تو ہر وقت تمہیں سینکڑوں دکھوں کا سامنا ہوگا۔
یہاں ہر سانس میں سو بلائیں ہیں۔ آسمان کا طوطی یہاں مکھی ہے)

وادئ عشق کی کیفیت ملاحظہ ہو:

بعد ازیں وادئ عشق آید پدید — غرق آتش شد کسے کانجا رسید
کش دریں بجز آتش مباد — وانکہ آتش نیست خود عشقش مباد

(اس کے بعد وادئ عشق ہے۔ جو بھی وہاں پہنچا، آگ میں غرق ہو گیا۔ اس وادی میں آگ کے سوا اور ہو بھی کیا سکتا ہے؟ عشق اور آگ لازم و ملزوم ہیں)

سفر کا تیسرا مرحلہ ''وادئ معرفت'' ہے۔ یہ وادی بے حد و کنار ہے۔ یہاں سفر کے لیے شرط ''توفیق باندازہ ہمت'' ہے۔ اس وادی میں ہر شخص کی سیر اس کے کمال پر منحصر ہے۔ جیسا کسی کا حال ہے اس کے مطابق اسے قرب بھی حاصل ہوتا ہے۔

''وادئ استغنا'' میں دعویٰ و معنی کا گزر نہیں۔ یہاں بے نیازی کی وہ تند ہوا چلتی ہے جو ایک لحظے میں کسی ولایت کو درہم برہم کر کے رکھ دیتی ہے۔ سات سمندر یہاں محض ایک تالاب ہیں اور سات ستارے صرف ایک شرارہ، سات بہشتیں یہاں ویران ہو جاتی ہیں اور سات دوزخ یخ کی طرح بجھ جاتے ہیں۔

Marfat.com

اب ''وادیٔ توحید'' کا سفر درپیش ہے۔ یہ ''تفرید و تجرید'' کی منزل ہے۔

یہ وادیٔ حیرت ہے۔ یہاں مسلسل درد و حسرت سے سابقہ ہوتا ہے۔ یہاں ہر سانس تلوار اور ہر لمحہ افسوس ہے، آہیں ہیں، درد ہے، سوز ہے، اور روز و شب یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔ یہاں نہ رات ہے نہ دن۔

سفر کا ساتواں مرحلہ ''وادی فقر و فنا'' ہے۔ یہاں ہونٹ بھینچ کے چلنا پڑتا ہے۔ اس مقام پر بات کرنا روا نہیں۔ یہ وادی سراسر فراموشی اور بے ہوشی ہے۔ یہاں گونگا بہرہ ہو کر چلنا پڑتا ہے۔ یہاں ہزاروں لاکھوں ہمیشہ رہنے والے سایے ایک ہی خورشید میں گم ہو جاتے ہیں۔

تیس پرندے جب ہدہد کی رہنمائی میں یہ ساتوں وادیاں عبور کر لیتے ہیں تو انہوں نے ایک ایسی بارگاہ دیکھی جہاں وصف وصفت کا گزر نہیں اور جو ادراک، عقل اور معرفت سے بالاتر ہے۔ استغنا کی بجلی وہاں چمکتی تو ہزاروں جہانوں کو پلک جھپکنے میں جلا کر خاکستر کر دیتی۔ لاکھوں درخشاں آفتاب، لاکھوں مہتاب و انجم حیرت میں گم ذرے کی طرح وہاں رقص کرتے پہنچے۔ سبھی نے کہا جب آفتاب اس جناب میں ذرے کی طرح گم ہے، ہم یہاں کیسے نمایاں ہو سکتے ہیں۔ افسوس کہ ناحق ہم نے راستے کی تکلیفیں برداشت کیں۔ ہم نے اپنے آپ سے دل اُٹھالیا۔ جو کچھ ہم نے خیال کیا تھا، اس کی ہم میں دستگاہ نہیں۔ یہاں سو آسمان ایک ذرہ خاک ہیں۔ یہاں اس کی کیا پروا جو ہم ہوں یا نہ ہوں۔ اسی عالم میں ''بارگاہ عالی'' سے اچانک ''چاؤش عزت'' برآمد ہوا۔ اُس نے ان خستہ تن، تھکے ہارے پرندوں کو دیکھا جو سرتاپا حیرت میں گم تھے۔ اُن کے بال و پر جھڑ چکے تھے۔ اس نے پوچھا: لوگو! تم کس شہر کے ہو اور اس مقام پر کس لیے بیٹھے ہو؟ بے حاصلو، تمہارا نام کیا ہے اور تمہارا ٹھکانا کہاں ہے؟ دنیا میں تمہیں کوئی کیا کہتا ہے؟ مشتِ ناتواں آخر کر بھی کیا سکتی ہے؟ سب نے جواب میں کہا: ہم اس لیے یہاں آئے ہیں کہ سیمرغ ہمارا بادشاہ ہے۔ ہم اس راہ پر بے قرار و نامراد اسی درگاہ کے لیے مارے مارے پھر رہے ہیں۔ ایک مدت سے ہم سرگرم سفر ہیں۔ چلے تھے تو ہزاروں تھے۔ درگاہ میں پہنچے تو صرف تیس ہیں۔ ہم دور دراز سے اس اُمید پر آئے ہیں کہ اس بارگاہِ عالی میں ہمیں حضور حاصل ہو جائے۔ ہمارا رنج اس بادشاہ کو کیونکر پسند آسکتا ہے، ہاں یہ کہ نگاہِ لطف سے ہمیں نواز دے۔

''چاؤشِ عزت'' نے کہا: اے دل کے لہو میں ڈوبے ہوئے بھونچکو! تم دنیا میں ہو یا نہ ہو، اس کی سلطنت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ وہ ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی، تم سے فریاد یا فغاں کے سوا اور حاصل بھی کیا ہوتا ہے؟ ناچیز مٹھی بھر لوگو، لوٹ جاؤ۔''

یہ بات سنی تو ہر ایک پر یاس و حرماں کا وہ غلبہ ہوا گویا وہ ہمیشہ سے مردہ تھا۔ سب نے کہا

Marfat.com

''ہم کتنے ہی ذلیل وخوار ہو جائیں، اگر اس بارگاہ میں ہمیں باریابی حاصل ہو جاتی ہے تو ہمارے لیے ذلت وخواری بھی عین عزت بن جائے گی۔''

چونکہ وہ عشق کے مردِ میدان ثابت ہوئے تھے اور سرتاپا درد میں غرق تھے۔ ''چاؤش عزت'' کے لطف نے بھی ایک رنگ دکھایا۔ اس نے دروازہ کھول دیا۔ سیکڑوں دوسرے پردے بھی ہر سانس کے ساتھ ہٹتے چلے گئے۔ ''حجابِ بے حجابی'' آشکار ہو گیا۔ اب انہیں ''نورالنور'' سے سابقہ تھا۔ اس نے انہیں ''مسندِ قربت'' پر بٹھایا اور ''ہیبت وعزت'' کے تخت پر جگہ دی۔ اُن کے سامنے ایک تحریر رکھی اور کہا کہ اوّل تا آخر غور سے پڑھو۔ اس میں اُن کے عیاں وپنہاں اعمال کی تفصیل تھی جنہیں پڑھ کر ان پرندوں کی جان مارے شرم وحیا کے ایک دم فنا ہو گئی اور اُن کا تن پِس کر سُرمہ بن گیا، جب وہ سب ''کِل کِل'' سے پاک ہو گئے تب ''نورِ حضرت'' سے انہیں جان ملی۔ انہیں نئے سرے سے جان ملی تو بعض ایک دوسری ہی طرح حیران ہوئے۔ اُن کے پُرانے کردہ وناکردہ اعمال پاک ہو گئے اور اُن کے سینے صاف ہو گئے۔ اس کے بعد قرب کا آفتاب جو چمکا اس کے پرتو سے ان سب کی جان روشن ہو گئی۔ ''سیمرغِ جہاں'' کے عکسِ رُخ سے انہوں نے اس وقت سیمرغ کا چہرہ دیکھا۔ جب دیکھا تو وہ سیمرغ تھا بے شک وہ ''سی مُرغ'' (تیس پرندے) وہی سیمرغ (بادشاہ) تھا۔ سبھی تحیر میں ڈوب گئے۔ اس لیے کہ وہی تیس پرندے سیمرغ تھے۔ جب وہ خود پر نگاہ دوڑاتے تو خود میں اور اس میں کچھ بھی فرق نہ پاتے۔ یہ بات دنیا میں کسی کے سننے میں نہیں آئی۔ جب کسی کو کچھ بھی حال معلوم نہ ہوا تو بغیر زبان کے (کہ وہاں کی کوئی زبان نہیں) اس بارگاہ سے سوال کیا جس میں انہوں نے اس محکم راز کو کھولنے اور ''ما وتو'' کا عقدہ حل کرنے کی درخواست کی۔ اس پر اس بارگاہ سے زبانِ بے زبانی میں یوں خطاب ہوا کہ اس ''حضرت'' کے وجود کی مثال سورج کی سی سمجھو۔ جو بھی یہاں آتا ہے وہ اپنا آپ ہی دیکھتا ہے۔ تم چونکہ تیس کی تعداد میں یہاں آئے اس لیے اس آئینے میں تیس ہی ظاہر ہوئے۔ اگر چالیس پچاس بھی ہوتے تو ایسا ہی ہوتا۔ پھر وہ سب پرندے:

محو اُو گشتند آخر بر دوام
سایہ در خورشید گم شد والسلام

(اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے محو ہو گئے۔ یوں سمجھئے سایہ خورشید میں گم ہو گیا)

(تصوف اسلام، از مولانا عبدالماجد دریابادی، ص ۳۷ تا ۴۰: منطق الطیر (مقالہ) از: صوفی عبدالرشید، مشمولہ سہ ماہی ''صحیفہ'' لاہور، جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۵ء، ص ۱ تا ۳۸)

ابنِ عربیؒ کے مشاہدات

عالم اسلام میں روحانی مکاشفات اور سیرِ افلاک کے موضوع پر اگر کوئی بھرپور تصنیف ہے تو وہ شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربیؒ کی ''فتوحاتِ مکیہ'' ہے جو اس سلسلے میں سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کے ایک طویل باب میں انہوں نے اپنے معراجِ آسمانی کا حال تفصیل سے بیان کیا ہے۔

ابن عربی ایک صاحبِ حال صوفی اور فلسفی تھے۔ انہوں نے اپنے روحانی سفر کے مشاہدات، واردات اور انکشافات کو رموز و کنایات اور اشارات میں مبہم اور غیر مربوط انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کی عظیم شخصیت اور افکار کی گہرائی نے مشرق و مغرب کو اس شدت سے متاثر کیا کہ اس کے اثرات ان کے رگ و پے میں سرایت کر گئے۔ فتوحاتِ مکیہ تخیّل، آرٹ یا فن پہ مشتمل کوئی ادبی تصنیف نہیں ہے بلکہ یہ ایک صاحبِ حال صوفی کے واردات، مکاشفات اور روحانی مشاہدات کا آئینہ اور اس کے ذہنی، فکری، روحانی اور زمینی و آسمانی سفر کے احوال پر مشتمل ایک عظیم مابعد الطبیعاتی، کشوفی اور ملکوتی تصنیف ہے۔

شیخِ اکبر محی الدین محمد بن علی بن محمد بن احمد بن عبداللہ بن حاتم طائی المعروف بہ ابن عربیؒ دو شنبہ (پیر) ۱۷ رمضان المبارک ۵۶۰ھ بمطابق ۲۸ جولائی ۱۱۶۵ء کو اندلس کے شہر مرسیہ میں پیدا ہوئے۔ نامور اور اعلیٰ مقام اساتذہ اور شیوخ سے اکتساب فیض کیا۔ تمام علوم متداولہ مثلاً قرات' تفسیر' حدیث' فقہ' صرف و نحو' طب' ریاضی' فلسفہ' نجوم' حکمت اور دیگر علوم عقلیہ میں کامل دسترس حاصل کی۔ تصوف کی دُنیا میں ''شیخ الاکبر'' کے لقب سے پہچانے جاتے ہیں۔ ۷۵ برس کی عمر میں ۲۲ ربیع الثانی ۶۳۸ھ/۹ نومبر ۱۲۴۰ء کو وفات پائی۔ انہیں تصوف و طریقت اور فلسفہ الٰہیات میں امام مجتہد کا مقام حاصل ہے۔

فتوحات میں بہشت، دوزخ اور سیارگان کی سیاحت کی تفصیل مختلف جگہوں پہ مکاشفات کے اسلوب میں ملتی ہے، اس سیاحتِ علوی میں انہوں نے دو افراد کو اپنا رہنما اور رفیق بنا کر، جن میں سے ایک فلسفی ہے اور دوسرا عالمِ دین، ان کی زبان سے دُنیا جہان کے علوم و فنون اور مسائل و مباحث کے متعلق اس انداز میں اظہارِ خیال کیا ہے گویا یہ سب وہ الہامات و انکشافات ہیں جو اُن کے قلب پر معراج کی حالت میں وارد ہوئے۔ فتوحات میں ایک جگہ ابن عربی لکھتے ہیں ؎

فَمَنْ شَهِدَ الاَمْرَ الَّذِیْ فَاشْهَدُهُ
یَقُوْلُ یَقُوْلِی فِیْ خِفَاءٍ وَّاعِلَانِ

(پس جس نے اس امر کو مشاہدہ کیا جسے ہم نے مشاہدہ کیا ہے وہ تو ہمارے ہی قول کا قائل ہو گا خفیۃً ہو یا اعلانیۃً ہو)

Marfat.com

وغص فی بحر ذات الذات تبصر　　　عجائب ما تبدّت العیان

وأسرا را تراءت مبهمات　　　مسترة بأ رواح المعانی

(توذات کی ذات میں غوطہ زن ہوگا تو ایسے عجائبات دیکھے گا جو واضح طور پر ظاہر ہوں گے اور ایسے اسرار بھی دیکھے گا جو مبہم نظر آتے ہیں اور معانی کی روحوں میں پوشیدہ ہیں)

فتوحات کی تمہید میں ابن عربی کہتے ہیں کہ روحِ انسانی کا مقصد اپنی اصل یعنی خالق کا علم حاصل کرنا ہے۔ روحیں اپنی جستجو میں خدا کے بھیجے ہوئے پیغامبروں سے ملتی ہیں جو انہیں اس منزل کی طرف رہنمائی کرتے ہیں۔ وہ منزلِ علم جس میں ان کی ابدی خوشی کا راز مضمر ہے۔

ابن عربیؒ کا معراج بنیادی طور پر سات آسمانوں (افلاک) کی سیر پر مشتمل ہے یعنی فلکِ قمر، فلکِ عطارد، فلکِ زہرہ، فلکِ شمس، فلکِ مریخ اور فلکِ زحل۔ اس آسمانی سفر پر دو کردار روانہ ہوتے ہیں۔۔۔ فلسفی براق پر سوار ہے اور عارف رفرف پر۔ جنت کے دروازوں پر دونوں بہ یک وقت پہنچتے ہیں لیکن دونوں کا استقبال مختلف انداز سے ہوتا ہے۔ عارف کو انبیا علیہم السلام کی طرف سے پذیرائی ملتی ہے اور فلسفی کو ''عقولِ عشرہ'' (Intelligence) کی جانب سے۔ فلسفی یا حکیم، عارف کے اچھے حال کو دیکھ کر دل گرفتہ ہوتا ہے۔ تاہم عقولِ عشرہ اس کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور اسے طبعیات اور ہیئت الافلاک کے بارے میں علمی معلومات فراہم کرتے ہیں تاہم وہ دیکھتا ہے کہ انبیا علیہم السلام عارف کو یہی مسائل ایک بلند تر نقطۂ نظر سے سمجھاتے ہیں۔ یہ بات واضح طور پر محسوس ہوتی ہے کہ عارف خود ابنِ عربیؒ کی علاماتی صورت ہے۔ فلکِ قمر پر عارف کی ملاقات حضرت آدمؑ سے ہوتی ہے۔ حضرت آدمؑ، عارف کو اسمائے حسنیٰ کے تخلیقی اثرات کے بارے میں بتاتے ہیں۔ فلکِ عطارد پر حضرت عیسیٰؑ اور حضرت یحییٰؑ سے عارف کی ملاقات ہوتی ہے۔ یہاں موضوعِ گفتگو معجزات اور کلمات کی تاثیرات ہیں۔ حضرت عیسیٰؑ جو روح اللہ ہیں، عارف کو اپنے معجزات کی حقیقت اور معنویت سے آگاہ کرتے ہیں۔ بیماروں کو تندرست کرنا اور مردوں کو زندہ کرنا، جیسے معجزات زیرِ بحث آتے ہیں۔ فلکِ زہرہ پر عارف کی ملاقات حضرت یوسفؑ سے ہوتی ہے جو حسنِ ترتیب، حسنِ تناسب اور کائنات کی ہم آہنگی پر گفتگو فرماتے ہیں اور شاعری اور ''تاویل الاحادیث'' (تعبیرِ خواب) کی معنویت پر روشنی ڈالتے ہیں۔ فلکِ شمس پر حضرت یونسؑ رات اور دن کی تبدیلیوں اور ان کی رمزیت کی تشریح کرتے ہیں۔ فلکِ مریخ پر حضرت ہارونؑ اقوام کی قوت اور ان کے اقتدار کی رمزیت کو بیان کرتے ہیں اور عارف کی توجہ شریعتِ خداوندی کی طرف مبذول کرتے ہیں جو غضب کے مقابلے میں رحم اور رحمت پر مبنی ہے۔

فلکِ مشتری پر عارف کی ملاقات حضرت موسیٰؑ سے ہوتی ہے جن کی زبان فیض ترجمان سے ابنِ عربی کے نظریۂ وحدت الوجود کا بیان ہوتا ہے۔ رسی کے سانپ بن جانے والے معجزے کے حوالے سے حضرت موسیٰؑ ثابت کرتے ہیں کہ تمام ہیئتوں کی قلبِ ماہیت ہوسکتی ہے۔ آخر میں فلکِ زحل پر حضرت ابراہیمؑ اخروی زندگی کے مسائل بیان کرتے ہیں۔ اس کے بعد روحانی سفر کا دوسرا مرحلہ شروع ہوتا ہے۔۔۔ عارف کو مزید عروج حاصل ہوتا ہے۔۔۔ اس سفر کے تمام مراحل تصوف اور الٰہیات کی صوری تشکیلات سے عبارت ہیں۔ انتہائی مراحل میں عارف سدرۃ المنتہیٰ تک پہنچتا ہے۔ سدرہ (بیری کا درخت) کے نیچے چار دریا بہہ رہے ہوتے ہیں یعنی تورات، زبور، انجیل اور قرآنِ کریم۔ اس کے بعد عارف ثوابت (Fixed Stars) کی دنیا میں پہنچتا ہے جس میں ہزاروں فرشتے جاگزیں ہیں۔ ان پاک سرشت فرشتوں کے ہزاروں مساکن ہیں۔ عارف ان تمام مساکن تک پہنچتا اور ان کو دیکھ کر خداوندِ قدوس کے انعامات کا اندازہ لگاتا ہے۔ آخری مرحلۂ سفر میں فردوسِ بریں کا مشاہدہ ہوتا ہے اور عارف بلند ترین مقامات کی تجلی سے بہرہ اندوز ہوتا ہے۔

("Islam and Divine Comedy" P:49-51)

فتوحات کے مختلف ابواب میں شیخ کے روحانی تجربات، واردات اور جن مکاشفات کا بیان ہوا ہے وہ زیادہ تر ایک فرشتے کی وساطت سے ہوا۔ شیخ نے کعبہ میں اسے جوان آدمی کی صورت میں دیکھا۔ وہ شیخ کو اپنا تعارف یوں کراتا ہے:

> ''میں عالم اور اسرار وجود عین واین کے ساتھ مرتبۂ احاطہ میں ساتواں جزو ہوں۔ خدا نے مجھے ایک قطعۂ نور کا وجود عطا فرمایا۔ میری حوا ماں سادہ عنصر ہے۔ کلیاتِ عالم میں خدا نے مجھے ملا دیا ہے۔'' (فتوحات، جلد اوّل، باب اوّل)

شیخ زیارت وطوافِ کعبہ کے اعمال اور حجرِ اسود کے چومنے کی حکمت پر حیرت کا اظہار کرتے ہیں تو اسی فرشتہ کی وساطت سے انہیں باری تعالیٰ کا جواب موصول ہوتا ہے۔ فتوحات میں یہ قصہ یوں درج ہے:

> ''طواف کرتے وقت میں نے اپنے دل میں کہا کہ میں کعبہ کا طواف کیونکر کروں حالانکہ وہ ہماری راز و نیاز اور حرکتِ طواف کو دریافت کرنے سے نابینا ہے۔ حجرِ اسود جو محض ناتراشیدہ پتھر کعبہ کے کونے میں نصب ہے وہ ہماری حرکات مثلاً اس کو چومنے اور ہاتھ لگانے سے ناواقف ہے۔ جواب میں مجھے کہا گیا: ''او حیرت زدہ آدمی! تم ایسا اعتراض کرنے اور اس پر مُصِر ہونے سے ہلاک شدہ شمار ہوگے۔ چشمِ

Marfat.com

دل سے اس خانۂ خدا کو دیکھو کہ اس کا نور اُن دلوں کے لئے درخشاں ہو رہا ہے جو پاک ہوئے اور جن پر رازِ الٰہی کھولے گئے۔ خُدا کی قسم پاکیزہ دلوں نے نورِ کعبہ کو بغیر پردہ کے دیکھا اور اس کا بلند اور بزرگ بھید اُن پر ظاہر ہوا اور پاکیزہ دلوں کے لئے میرے جلال کے کنارۂ آسمان سے صداقت کا چاند جلوہ گر ہو رہا ہے جس کو کذب کے گہن نے نہیں چھوا۔"

انہوں نے اپنی متعدد کتب کے علاوہ فتوحات میں ھویت الٰہی کے ظاہر و باطن اور انبیاء و رسل علیہم السلام کے عینی مشاہدات کے واقعات رقم کیے ہیں۔ ۵۹۳ھ میں دوسری مرتبہ فاس میں جب وہ وارد ہوئے تو وہاں ان کی ملاقات ابو عبداللہ محمد بن قاسم فاسی سے ہوئی نیز اسی شہر میں اسی برس مسجد از ہر میں با جماعت نماز کے دوران وہ مقام تجلی پر فائز ہوئے۔ ایک نور درخشندہ ان کے مشاہدہ میں آیا اور اس لمحے انہوں نے خود کو ایک جسدِ بے جہات پایا جیسا کہ خود لکھتے ہیں:

"اور یہ تجلی وہ مقام ہے کہ ۵۹۳ھ میں نماز عصر کے دوران میں اس پر فائز کیا گیا۔ اس وقت میں مسجد از ہر میں جماعت کے ساتھ نماز پڑھ رہا تھا پھر میں نے ایک نور دیکھا کہ اس سے میرے سامنے کی ہر چیز روشن ہو گئی۔ لیکن جس گھڑی میں اسے دیکھ رہا تھا میری مخلوقیت مجھ سے زائل ہو گئی میرے لیے نہ سامنے رہا نہ پیچھے اور اس مشاہدے سے سمتوں کا فرق مٹ گیا بلکہ میں ایک کمرے کے مانند ہو گیا اور اپنے لیے کسی سمت کی شناخت نہ کر سکا مگر اٹکل سے۔ ایسا ہی ایک مشاہدہ مجھے پہلے بھی ہو چکا تھا البتہ اس سے پہلے جو کشف ہوا تھا اس کا اندازہ مختلف تھا۔ اس کشف میں اشیا میرے سامنے دیوار میں سے مجھ پر ظاہر ہوئی تھیں لیکن آج کا کشف ویسا نہ تھا۔ (فتوحات، جلد دوم باب ۲۰۶۔ ص ۴۸۶)

ھویت الٰہی کے دیدار کے حوالے سے رقمطراز ہیں:

"۶۲۸ھ میں دمشق میں ایک مرتبہ ھویت الٰہی کے ظاہر و باطن کا مشاہدہ ہوا کہ اس سے قبل کسی مکشوف میں یہ مشاہدہ نہیں ہوا تھا۔ اس کا مشاہدہ ایک نورانی صورت میں ہوا جو نور سپید کی بنی ہوئی تھی اور جس کے پسِ منظر میں ایک سرخ نور چمک رہا تھا اس کے دیکھنے سے ایسا علم اور معرفت حاصل ہوئی اور اتنی لذت و مسرت ملی کہ قدرتِ بیان اس کی تعریف کرنے سے قاصر تھی۔ اس واقعے سے پہلے میں نے کبھی ایسی صورت دیکھی تھی نہ کبھی ایسا خیال آیا تھا اور نہ کبھی قلب پر اس کا

Marfat.com

گمان گزرا تھا۔'' (فتوحات، جلد دوم، ص:۵۹۱)

انبیاء ورسل کے عینی مشاہدات کا دعویٰ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''میں نے تمام انبیاء و رسل کا عینی مشاہدہ کیا ہے۔ میں نے قوم عاد کے پیغمبر حضرت ہود علیہ السلام سے براہ راست گفتگو کی ہے۔ میں نے تمام مومنین کا جو اس وقت تک پیدا ہو چکے ہیں اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے' عینی مشاہدہ کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دو مختلف وقتوں میں لیکن ایک ہی جگہ ان کا مشاہدہ کرایا ہے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ سلم) کو چھوڑ کر میں نے باقی رسولوں کی ہم نشینی کا فیض اٹھایا ہے اور اس سے نفع حاصل کیا ہے۔ میں نے حضرت ابراہیم خلیل اللہ سے قرآن پڑھا ہے، حضرت عیسیٰ روح اللہ کے ہاتھ پر توبہ کی ہے، حضرت موسیٰ کلیم اللہ نے مجھے کشف والیضاح اور رات دن کے اُلٹ پھیر کا علم عطا فرمایا ہے اور جب مجھے یہ علم حاصل ہو گیا میرے لئے رات' رات نہ رہی بلکہ پورا دن ہی ہو گیا۔ میرے لئے سورج کے طلوع و غروب کا کوئی فرق باقی نہ رہا۔ یہ کشف خدا کی طرف سے اس بات کی اطلاع تھی کہ آخرت میں شقاوت و بدبختی کے اندر میرا کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں نے حضرت ہود علیہ السلام سے ایک مسئلہ کی وضاحت چاہی تو آپ نے مجھے اس کی معرفت بخشی اور مجھے اس زمانہ تک کے وجود کی معرفت ہو گئی۔''

(فتوحاتِ مکّیہ، جلد چہارم، ص:۷۷)

ابن عربیؒ نے خود ہی لکھا ہے کہ انہوں نے کئی مرتبہ بیداری میں اور خواب میں آنحضرت ﷺ کو دیکھا، فتوحات کے خطبے میں لکھتے ہیں:

''حمدِ الٰہی کے بعد میں اُس ذاتِ گرامیِ صفات کے لئے رحمت کی درخواست کرتا ہوں جس میں اس ہستی کا راز مضمر ہے اور جس کا وجودِ مسعود اس عالم کا لُبِ لباب ہے۔ تمام کائنات کا وہی مطلوب و مقصود ہے۔ وہ تمام دنیا کا سردارِ حقیقی اور تمام باتوں میں صادق القول ہے جس نے راتوں رات ساتوں منازلِ سماویہ کو طے کر کے پروردگارِ عالم کا شرفِ حضوری حاصل کیا۔ یہ اس لئے ہوا کہ خالقِ پاک جس نے اس کو اس معراج سے مخصوص فرمایا۔ وہ اس کو اپنی قدرت کے عظیم نشانات دکھانا اور حقائقِ کونیہ سے آگاہ کرنا چاہتا تھا۔ میں نے عالمِ مثال میں مکاشفۂ قلبیہ کے طور پر اس عالم میں اس کو ایسا عالی قدر سردار پایا جس کے مقاصد و مطالب آمیزشِ نفسانی

Marfat.com

سے معصوم، اس کے مشاہدات تلبیسِ شیطانی سے محفوظ اور وہ ہر ایک حالت میں مؤید و منصور ہے۔

تمام فرستگانِ خدا (رُسل وانبیاء) اُس کے روبرو صف باندھے کھڑے تھے اور اُس کی اُمت جس کو خیر الامم کا خطاب ملا ہے اُس پر پروانوں کی طرح گرتی تھی۔ ملائکہ تسخیر آپ کے پایہ تخت کے اردگرد حلقہ زن تھے اور وہ فرشتے جو نیک عملوں سے پیدا ہوتے ہیں سب دست بستہ حاضرِ خدمت تھے۔ صدیق اکبرؓ داہنے مقدس جانب میں، عمر فاروقؓ آپ کے طرف باریاب تھے اور ختم آپ کے سامنے زانوئے ادب تہ کر کے حدیثِ انثیٰ خدمتِ عالیہ میں عرض کر رہا تھا۔ علی مرتضیٰؓ ختم کے ترجمان بنے ہوئے تھے اور عثمان ذوالنورینؓ شرم وحیا کی چادر اوڑھے اپنے کام میں مشغول تھے۔ سرورِ عالی قدر اور چشمہ شیریں فیض نے مجھ کو ختم کے پیچھے بیٹھا ہوا دیکھ لیا۔ یہ قرب میرے اور ختم کے درمیان اس وجہ سے تھا کہ میرا اور اُس کا ایک ہی حکم ہے۔ سرورِ کائنات نے اُس سے مخاطب ہو کر فرمایا: ''یہ تمہارا ہمسر ہے، تمہارا بیٹا اور تمہارا دوستِ مخلص ہے اس کے لئے میرے سامنے درخت جھاؤ کی لکڑی کا منبر نصب کر دو۔ (آنحضرت ﷺ کا منبر اسی لکڑی سے بنا تھا)، اس کے بعد میری طرف اشارہ کر کے فرمایا'' اے محمد (ابن عربی)! میری اور میرے بھیجنے والے خالق کی تعریف بیان کرو۔ تمہارا جسم میرا ایک بال ہے (ابن عربی فتوحات کے باب ۳۶۷ میں اس کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجھے اُس مقامِ عبودیت سے جس کے ساتھ آنحضرت ﷺ مخصوص ہیں بیل کی کھال کے ایک بال کے برابر حصہ عطا ہوا اُس بال کے شوق سے میں بیتاب ہوں) یہی بال تمہارے تمام اجزاء میں بادشاہ کا حکم رکھتا ہے۔ تم ہمہ تن میری طرف متوجہ ہو جاؤ۔ یہ ایک امر ضروری ہے کہ اس بال سے میری ملاقات ہوگی کیونکہ وہ عالم شقاوت کے مفہوم میں داخل نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میری بعثت کے بعد میرا کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ جزو بھی کسی چیز میں ہو تو وہ سعید ہوتی ہے اور اگر کسی کو یہ سعادت نصیب ہو تو وہ اس قابل ہوتا ہے کہ ملاء اعلیٰ (ملائکہ مقربین کی جماعت ومجلس) میں اس کی قدر دانی اور تعریف کی جائے۔'' ختم نے رسالت پناہ ﷺ کے اُرشاد مبارک کی تعمیل کر کے اس عالی قدر مقام میں منبر نصب کر دیا۔ منبر کے ایک پہلو پر نور کے قلم سے جلی حروف میں لکھا ہوا تھا'' یہ وہ مقدس درجہ

Marfat.com

ہے جس کو مقامِ محمدی کہتے ہیں۔اس مقام پر چڑھنے والا اس مقام شگرف کا وارث ہے اور حق تعالیٰ اس کو اپنی شریعتِ مطاہرہ کی حفاظت کے لئے مبعوث و مقرر فرما کر بھیج دیتا ہے۔اس حالت میں مجھ کو موہبتِ یزدانی کے طور پر حکمت ہائے الٰہیہ کا علم عطا کیا گیا گویا اس وقت مجھ کو جوامع الکلم (وہ الفاظ جو دریا کو کوزہ میں بند کرنے کے مصداق ہوں) کا القا کیا گیا۔میں خدائے پاک کا شکر کر کے اس منبر کے بالائی حصہ پر چڑھ گیا اور ایسی جگہ پر پہنچ گیا جو آنحضرت ﷺ ہی کی جائے وقوف و استقرا تھی۔جس جگہ پر میں کھڑا ہوا وہاں میرے لئے ایک سفید کرتے کی آستین بچھادی گئی تا کہ جس جگہ پر آنحضرت ﷺ نے اپنا قدم مبارک رکھا ہے اس کو میں اپنے پاؤں سے نہ چھوؤں اس سے آنحضرت ﷺ کی تعظیم و تشریف اور اُن کا توقیر و احترام مقصود تھا۔جس مقام کو آنحضرت ﷺ نے حضرتِ الٰہیہ میں پہنچ کر بے حجاب مشاہدہ کیا۔ اس مقام کو اُن کے وارث اور قائم مقام پردہ اور نقاب حائل ہونے ہی کی حالت میں دیکھ سکتے ہیں۔اگر یہ بات نہ ہوتی تو ہمارے مکاشفہ و معرفت اور اُن کے مکاشفہ و معرفت میں سرّ مو فرق نہ ہوتا۔۔۔جب میں اس مقامِ برتر میں سرورِ کائنات ﷺ کے سامنے کھڑا ہو گیا جس کو شبِ معراج میں اپنے پروردگار جلّ سلطانہٗ سے وہ قرب حاصل ہوا جس کی فَکَانَ قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنیٰ کی آیتِ کریمہ شارح ہے تو میں خجلت زدہ ہو کر سر جھکائے کھڑا رہا۔"

(فتوحاتِ مکیّہ، مترجم: مولوی محمد فضل خان، ص:۴۸ تا ۵۲)

اس کے بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حدوثِ عالم کے متعلق تقریر ہے جو قرآن و حدیث کے حوالے سے آپ ﷺ کی تعریف و توصیف ہے۔اس کے بعد شیخ لکھتے ہیں کہ پھر میں خواب کے اس مشہدِ اعلیٰ سے عالمِ سفلی کی طرف لوٹ آیا۔

حضرت آدمؑ کی رویئت کے بارے میں لکھتے ہیں:

"جب میرا جسم، حسین و جمیل کعبہ تک پہنچا اور امین لوگوں کا رتبہ حاصل کر لیا۔وہاں پر میں نے ملاءِ اعلیٰ کو دیکھا اور حضرت آدمؑ کے ساتھیوں میں شامل ہو گیا۔وہاں پر حضرت آدمؑ کا ایک بیٹا بھی دیکھا جو بڑے بڑے کریموں میں سے اکرم، وسیع بخشش کا مالک، صاحبِ تقویٰ اور فرماں بردار تھا۔یہ سب لوگ سیاہ پوش تھے اور بیتِ مکرم میں سرگرمِ طواف تھے اور میرے باپ یعنی حضرت آدمؑ بزرگ

Marfat.com

ملائکہ کے آگے آگے کمزور رفتار سے چل رہے تھے اور بندہ یعنی ابن العربی مودب شخص کی طرح خمیدہ گردن اپنے باپ کے سامنے کھڑا تھا اور جبرائیلؑ میرے سامنے تھے۔ اپنے باپ کی خدمت کے لئے میں نے ہاتھ میں معالم ومناسک لے رکھے تھے تا کہ وہ اپنے بیٹوں کے سپرد کرسکیں۔ مجھے اپنے باپ کا یہ جاہ وجلال دیکھ کر تمام فرشتوں پر تعجب ہوا کہ اُنہوں نے اس پر زمین میں فساد کرنے اور خون بہانے کا الزام کیسے لگایا تھا!

اب میں دیکھ رہا تھا کہ فرشتے اور میرے والدِ گرامی ایک ہی مجلس میں جلوہ افروز ہیں جبکہ میرے والد سردار اور ملائکہ اُن کے خادم تھے گویا اللہ تعالیٰ نے اُن کے اعتراض کا اعادہ بصورتِ عدل کر دیا اور اُن کو خادم بنا کر بمنزلہ اِعداء قرار دیا تھا۔ گویا فرشتوں کو پہلے دن کے اعتراض کی سزا کے طور پر حضرت آدمؑ کی خدمت پر مامور کیا گیا تھا۔ جب میں نے یہ تمام حقائق ملاحظہ کیے تو میرا دل ہر قسم کے تصورات وتخیلات سے پاک ہوگیا۔''

ابن عربی نے حضرت خضر علیہ السلام سے کئی مرتبہ ملاقات کی اور انہیں پانی پر چلتے اور فضائے آسمانی میں حصیر بچھا کر نماز پڑھتے ہوئے دیکھا۔ یہی نہیں بلکہ کئی بزرگوں کو ہوا میں اڑتے ہوئے پایا۔ انہوں نے کعبہ کے اندر عباسی خلیفہ ہارون الرشید کے زاہد و عابد لڑکے احمد السبتی کی متجد روح سے ملاقات کی اور اس سے حالات دریافت کیے۔ اس طرح مشہور صوفی ابوعبدالرحمٰن السلمیٰ (المتوفی ۴۱۲ھ) کی متجد روح سے بھی ملاقات کی۔ بڑے بڑے اوتار وابدال واقطاب سے بھی ملے نیز تجلی کی حالت میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ، حضرت ذوالنون مصریؒ، حضرت سہل بن عبداللہ تستریؒ، حضرت جنید بغدادیؒ، حسینؒ بن منصور حلاج، ابوعبداللہ المرتعشؒ اور ابن عطاؒ سے ملاقات اور گفتگو کی۔ ان سب نے ابن عربیؒ کی غیر معمولی قابلیت' ذکاوت وذہانت اور لیاقت کا اعتراف کیا۔ حضرت جنیدؒ ان کی غیر معمولی قابلیت دیکھ کر دم بخود رہ گئے۔ ابن عربی نے انہیں اطمینان دلایا کہ جب انہیں ابن عربی جیسا جانشین ملا ہے تو پھر انہیں کیا خوف ہوسکتا ہے۔ حضرت سہل بن عبداللہ تستری نے ابن عربیؒ سے فرمایا ''تم علم توحید میں امام ہو۔ تم نے وہ کچھ جان لیا ہے جس کو میں نہیں جان سکتا تھا۔''

''فتوحات'' میں شیخ الاکبر مختلف جگہوں پر حضرت خضر علیہ السلام سے اپنی ملاقاتوں کا احوال بیان کرتے ہیں۔

حضرت خضر علیہ السلام سے پہلی ملاقات اُس وقت ہوئی جب طریقِ عرفان میں داخل

ہونے کے بعد ابن عربی، شیخ ابوالعباس عریبی سے ملے، لکھتے ہیں:

''ایک بار میرے اور میرے شیخ ابوالعباس عرینی کے بیچ ایک مسئلہ پیش آیا جو کسی شخص کے بارے میں تھا۔ شیخ نے مجھ سے فرمایا کہ وہ آدمی فلاں بن فلاں ہے اور ایک شخص کا نام لیا جسے میں نام سے جانتا تھا خود اسے نہیں دیکھا تھا لیکن اس کے پھوپھی زاد بھائی کو میں نے دیکھ رکھا تھا۔ میں نے اس کے بارے میں توقف کیا اور شیخ کی بات کو قبول نہ کیا کیونکہ میں اس سارے معاملے سے آگاہ تھا۔ شیخ کو میرے اس عمل سے تکلیف پہنچی جسے انہوں نے ظاہر نہ ہونے دیا۔ میں اس صورت حال سے بے خبر تھا کیونکہ وہ میرا ابتدائی زمانہ تھا۔ ان کے پاس سے اٹھ کر اپنے گھر کی طرف آ رہا تھا کہ راستے میں ایک شخص جسے میں نہیں پہچانتا تھا میرے سامنے آ گیا۔ پہلے شفیق دوست کی طرح مجھے سلام کیا پھر مجھ سے مخاطب ہوا اور کہا ''اے محمد! فلاں کے بارے میں شیخ ابوالعباس کا قول باور کر۔'' پھر اس شخص کا وہی نام لیا جو میں نے ابوالعباس عرینی کی زبان سے سنا تھا۔ میں اس کی مراد کو سمجھ گیا اور کہا ''بہتر'' اور اسی وقت شیخ کی طرف پلٹ گیا تا کہ انہیں یہ ماجرا سنا دوں۔ جیسے ہی میں ان کے سامنے پہنچا انہوں نے مجھ سے فرمایا ''اے ابا عبداللہ! میں نے تیرے سامنے ایک شخص کا ذکر کیا لیکن اسے ماننے میں تیرے دل نے ہٹ دکھائی لہٰذا میں خضرؑ کی تصدیق کا محتاج ہو گیا اور یہ کیا بلکہ اب ہر مسئلے میں یہی ہوگا۔'' میں نے عرض کی ''شاید توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔'' انہوں نے ارشاد فرمایا ''تیری توبہ قبول ہوگئی۔'' میں نے سمجھ لیا کہ وہ بزرگ حضرت خضرؑ تھے۔ شیخ سے پوچھا تو انہوں نے کہا ''ہاں وہ خضرؑ ہی ہیں۔''

(فتوحاتِ مکیہ، جلد اوّل، ص: ۱۸۶)

دوسری ملاقات کا احوال یوں بیان کرتے ہیں:

''پھر دوسری مرتبہ ان سے ملاقات کا اتفاق ہوا۔ میں تیونس کی بندرگاہ پر کشتی میں سوار ہوا تو میرے پیٹ میں درد شروع ہو گیا۔ اہل کشتی سوئے ہوئے تھے اور میں کشتی کے ایک جانب کھڑا تھا۔ اس رات چاند کی چودھویں تھی۔ میں نے چاند کے طلوع کے بعد چاندنی میں سمندر کی طرف ایک شخص کو دیکھا جو پانی پر چلتا ہوا میرے پاس آیا اور کھڑا ہو گیا۔ اس نے ایک پاؤں اُٹھایا اور دوسرے پاؤں کو اس کا سہارا بنا لیا تو میں نے اس کی پشتِ پا کو دیکھا جسے تری نہ پہنچی تھی۔ پھر اس نے دوسرا

Marfat.com

پاؤں اُٹھا کر پہلے پاؤں کا سہارا بنایا تو وہ بھی ویسے ہی تھا یعنی اس میں بھی پانی کی تری کا نشان نہ تھا۔ پھر اس نے میرے ساتھ جو گفتگو کرنا تھی کی اور سلام کہہ کر اس مینار کی طرف لوٹ گئے جو ساحل سمندر پر ایک ٹیلے کے اوپر تھا۔ ہمارے اور اس مینار کے درمیان دو میل سے زیادہ فاصلہ تھا اور انہوں نے یہ فاصلہ دو یا تین قدموں میں طے کر لیا۔ میں نے ان کی آواز سنی جو مینار پر ظاہر ہوتی تھی وہ اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھ رہے تھے۔ میں اپنے شیخ جراح بن خمیس کتانی کی خدمت میں حاضر ہوا وہ اپنی قوم کے سردار اور عیدون کی بندرگاہ پر رہائش پذیر تھے۔ میں اسی شب ان کی خدمت میں حاضر ہوا جس رات میری اس شخص سے ملاقات ہوئی تھی جو پانی پر چل کر آیا تھا۔ چنانچہ جب میں صبح کو شہر میں داخل ہوا تو میری ملاقات ایک صالح شخص سے ہوئی۔ اس نے مجھے کہا! حضرت خضر علیہ السلام کے ساتھ آپ کی گزشتہ شب ملاقات کیسی رہی؟ آپ نے ان سے کیا کہا اور انہوں نے آپ سے کیا کہا؟؟''

(فتوحاتِ مکیہ، مترجم صائم چشتی، جلد سوم، ص: ۲۱۳، ۲۱۴)

تیسری ملاقات:

''اس تاریخ کے بعد جب میں بحرِ محیط کے ساحل کی طرف سیر کو نکلا تو میرے ساتھ ایک ایسا شخص تھا جو صالحین کے خرق عادات کا انکار کرتا تھا۔ میں اور میرا یہ ساتھی ایک ویران مسجد میں نماز پڑھنے کے لیے داخل ہوئے تو اسی دوران ایسے سیاحوں کی ایک جماعت داخل ہوئی جنہوں نے دنیا سے انقطاع کر رکھا تھا۔ وہ لوگ نماز پڑھنے کا ارادہ کر رہے تھے اور ان میں وہ شخص بھی تھا جس نے مجھ سے سمندر پر گفتگو کی تھی اور جس کے متعلق بتایا گیا تھا کہ وہ خضر علیہ السلام ہیں علاوہ ازیں ان میں ایک بڑی قدر و منزلت والا بہت بڑا آدمی بھی تھا اور اس کے ساتھ میری اس سے پہلے بھی دوستی کی ملاقات تھی۔ میں نے کھڑے ہو کر اسے سلام کہا تو اس نے مجھ پر سلام لوٹایا اور میرے ساتھ مل کر اظہار مسرت کیا اور آگے کھڑے ہو کر ہمیں نماز پڑھائی۔ جب ہم لوگ فارغ ہوئے تو امام باہر نکلا اور میں بھی اس کے پیچھے نکلا اور مسجد کے دروازہ پر آ گئے یہ دروازہ بحرِ محیط کے سامنے مغربی جانب اس جگہ تھا جسے بکہ کہتے ہیں۔ میں مسجد کے دروازہ پر کھڑا ان سے گفتگو کر رہا تھا کہ اسی اثناء میں وہ شخص بھی آ گیا جس کے بارے میں' میں نے بتایا تھا کہ وہ حضرت خضر علیہ السلام تھے۔ انہوں

Marfat.com

نے مسجد کی محراب سے ایک چھوٹا سا مصلّی اٹھا کر ہوا میں کھول دیا۔ یہ مصلّی زمین سے سات گز کے قریب بلندی پر کھولا گیا تھا اور وہ ہوا میں اس مصلّے پر کھڑے ہو گئے اور نوافل ادا کرنے لگے۔ میں نے اپنے ساتھی سے کہا۔ تو نے اس شخص کو دیکھا کہ وہ کیا کر رہا ہے؟ اس نے کہا جا کر اس سے پوچھ لیں۔ میں نے اپنے ساتھی کو وہیں کھڑے چھوڑا اور ان کی طرف آ گیا۔ وہ نماز سے فارغ ہوئے تو میں نے انہیں سلام کیا اور اپنی ذات کے لیے نظم پڑھی ؂

شغل الحب عن الهواء بسره	فی حب من خلق الهواء و سخره
العارفون عقدطم معقولة	عن كل كون ترتفيه مطهره
فهمولديه مكرمون وفی الوریٰ	احوالهم مجهولة و ستره

(محبّ نے ہوا سے روکا ہوا ہے اور اس کی محبت میں اسے مسرور کرنا ہے جس نے ہوا کو پیدا کیا اور مسخر کیا۔ عارفوں کی عقلیں ہر کون سے معقول ہوتی ہیں وہ پسند ہیں کیونکہ وہ پاک ہیں۔ ان کے احوال وریٰ میں غیر معروف اور پوشیدہ ہیں اور وہ اللہ تبارک وتعالیٰ کے ہاں صاحبِ تکریم ہیں)

انہوں نے مجھے فرمایا! اے فلاں تو نے کیا کیا؟ تو نے جو کچھ دیکھا ہے اس منکر کے حق میں ہے اور میرے ساتھی کی طرف اشارہ کیا جو خرق عادات کا انکار کرتا تھا اور مسجد کے صحن میں بیٹھا اس کی طرف دیکھ رہا تھا'' اور یہ اس لیے ہے تا کہ وہ جان لیں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جو چاہے جس کے ساتھ کر سکتا ہے۔''

پس میں نے اس منکر کی طرف رخ کرتے ہوئے کہا'' اب کیا کہتا ہے؟'' اس نے کہا'' جو دیکھنے کے بعد کہا جاتا ہے وہی کہوں گا۔'' پھر میں اپنے ساتھی کی طرف لوٹ آیا اور وہ مسجد کے دروازہ پر میرا منتظر تھا۔ میں نے اس کے ساتھ ایک ساعت گفتگو کی اور اسے کہا'' یہ شخص کون ہے جس نے ہوا میں نماز پڑھی؟'' اس نے کہا'' یہ حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔'' حالانکہ میں نے اس کے ساتھ ان سے اپنی پہلی ملاقات کا ذکر نہیں کیا تھا۔ پھر ہم خاموش ہو گئے اور وہ جماعت واپس لوٹ گئی تو ہم بھی موضع روطہ کی طرف لوٹ آئے' جہاں دنیا سے انقطاع کر لینے والے صالحین رہا کرتے تھے۔ یہ جگہ بحرِ محیط کے ساحل پر شنکصار کے قریب ہے۔ بہر کیف یہ وہ ماجرا ہے جو ہمیں اس وتد کے ساتھ پیش آیا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ اس کی رویت سے

ہمیں فائدہ پہنچائے۔ اس کو یعنی حضرت خضر علیہ السلام کو علم لدنی اور ہر شخص کے مرتبے کے لائق عالم کے ساتھ رحمت حاصل تھی اور بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ نے اس پر ان کی ثنا کی ہے۔" (فتوحات، جلد سوم، مترجم صائم چشتی، ص: ۲۱۵ تا ۲۱۷)

پتھروں سے ذکر و تسبیحِ الٰہی کے سُننے اور اُن سے گفتگو کی واردت کا بیان ابنِ عربی اِن الفاظ میں کرتے ہیں:

"ہمارا گوش شنید اور چشم دید واقعہ ہے کہ پتھروں کو اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا زبان گویا سے ہم نے اپنے کانوں سے سُنا ہے۔ وہ ہم کو جلالِ الٰہی کے عارفین جیسے لوگوں سے خطاب کرتے ہیں۔ ہر انسان ان امور کو دریافت نہیں کر سکتا۔"

(فتوحات، اردو ترجمہ: مولوی محمد فضل خان، ص: ۵۱۵)

انسانِ کامل

فتوحاتِ مکیہ کے بعد اگر عالمِ افلاک وامثال کی صوفیانہ تعبیر پر مبنی کوئی کتاب ہے تو وہ عبدالکریم بن ابراہیم الجیلی (۷۶۷ھ/۱۳۶۵ء۔ ۸۳۲ھ/۱۴۲۸ء) کی "الانسان الکامل فی معرفۃ الاواخر والاوائل" ہے جو صوفیانہ ادب میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔ علامہ اقبال، الجیلی کے بارے میں لکھتے ہیں:

"الجیلی ایسا مصنف نہیں تھا جس نے شیخِ اکبر محی الدین ابنِ عربی کی طرح کوئی جدید تخیل پیش کیا ہو۔ معلوم ہوتا ہے کہ الجیلی کی تعلیمات پر شیخ مُحی الدین ابنِ عربی کے طریقۂ تفکر کا بہت گہرا اثر پڑا ہے۔ اس میں شاعرانہ تخیل اور فلسفیانہ دقیق النظری گھل مل گئی تھی لیکن اس کی شاعری اس کے صوفیانہ اور مابعد الطبیعی نظریات کے اظہار کا محض ایک آلہ تھی۔" (فلسفۂ عجم، ص ۱۴۵)

الجیلی کا دعویٰ ہے کہ "انسانِ کامل" اشارۂ غیبی کے تحت لکھی گئی اور یہ کتاب ان کے ذاتی مشاہدات ومکشوفات پر مبنی ہے۔ تصوف کے موضوع پر کسی قدر ابہام، رمزی وتمثیلی اسلوب لیے ہوئے اس کتاب میں سیرِ افلاک کئی مقامات وعنوانات پر بکھری ہوئی ملتی ہے۔ مثلاً رفرفِ اعلیٰ کا مقام (باب ۴۲)، عرش کرسی (باب ۴۶)، سدرۃ المنتہیٰ اور امورِ معراج پر ایمان (باب ۴۹) سات تجلیات، دوزخ کے طبقات، افلاطون سے ملاقات، لذتِ عذاب، دوزخیوں کے مختلف حالات (باب ۵۸) برزخ اور اس کے حالات، اہلِ برزخ، جنت ودوزخ (باب ۶۱)۔ اس سلسلے میں سب سے اہم باسٹھواں باب ہے جس میں الجیلی نے اپنے عالمِ افلاک کے مشاہدات کو تفصیل کے ساتھ اور انفرادی مشاہدے کے

Marfat.com

حوالے کے ساتھ بیان کیا ہے، ان کے نزدیک افلاک کی تعداد اٹھارہ ہے:

''جاننا چاہیے کہ تمام افلاک جن کو خدا تعالیٰ نے اس عالم میں پیدا کیا ہے، تعداد میں اٹھارہ ہیں۔ پہلا فلک عرشِ محیط ہے اور دوسرا کرسی اور تیسرا فلکِ اطلس ہے اور اس کو فلک سدرۃ المنتہیٰ بھی کہتے ہیں۔ چوتھا فلک ہیولا ہے اور پانچواں فلک ہوا ہے اور چھٹا عناصر ہے۔ ساتواں فلک طبائع ہے اور آٹھواں فلک کواکب ہے اور وہ فلک زحل ہے اور اس کا نام فلک الافلاک ہے اور نواں فلک مشتری ہے اور دسواں فلک مریخ ہے۔ گیارہواں فلک شمس ہے اور بارہواں فلک زہرہ ہے اور تیرہواں فلک عطارد ہے اور چودہواں فلک قمر ہے اور پندرہواں فلک اثیر اور فلک نار ہے۔ سولہواں فلک ہوا ہے اور سترہواں فلک ماء ہے اور اٹھارہواں فلک تراب ہے۔''

(انسانِ کامل، ص۴۳۴، ۴۳۵)

انسانِ کامل کے باسٹھویں باب میں الجیلی سب سے پہلے سات آسمانوں کی ماہیت کو بیان کرتے ہیں۔ بعض بیانات عصرِ حاضر کے سائنسی بیانات کے بہت قریب دکھائی دیتے ہیں۔ وہ آسمان کے بارے میں کہتے ہیں کہ یہ جو کچھ ہمیں دکھائی دیتا ہے، یہ آسمان نہیں ہے بلکہ آسمان تو اپنی دوری کی بنا پر ہمیں دکھائی نہیں دے سکتا۔ فلک قمر کے بیان میں وہ کہتے ہیں:

''اور جاننا چاہیے کہ چاند کا جرم نیلگوں ہے۔ بذاتِ خود اس میں کوئی روشنی نہیں ہے، بلکہ جب اس کا نصف حصہ آفتاب کے مقابل ہوتا ہے تو وہ اس سے نور حاصل کرتا ہے۔ پس ہمیشہ اس کا نصف روشن رہتا ہے اور جو نصف آفتاب کے مقابل نہیں ہوتا وہ تاریک رہتا ہے۔ اس لیے چاند کا نور ہمیشہ آفتاب کی جہت سے ہی دیکھا جاتا ہے۔ بخلاف اس کے باقی سیارے کہ ان میں سے ہر کوکب بہ تمامہ نور شمس کے مقابل رہتا ہے۔ ان کی مثال شفاف بلور کی سی ہے کہ جب اس پر روشنی پڑتی ہے تو اس کے ظاہر اور باطن میں سرایت کر جاتی ہے۔ بخلاف اس کے چاند، کہ وہ مثل کرہ معدنیہ صیقل کردہ کے ہے کہ بجز مقابلۂ شمسی کے نور قبول نہیں کرتا اسی لیے اس کا نور زمین میں کم اور زیادہ ہوتا رہتا ہے، باقی کواکب کا یہ حال نہیں ہے۔'' (انسانِ کامل، ص۴۲۲)

فلکِ دوم کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''وہ ایک جوہرِ شفاف ہے اور لطیف ہے اور اس کا رنگ سفید و سیاہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے حقیقتِ فکریہ سے پیدا کیا ہے۔ یہ وجود بمنزلہ انسان کے لیے

فکر کے ہے، اسی لیے وہ فلک کاتب یعنی عطارد کا محل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنے اسمِ قدیر کا مظہر بنایا ہے اور اس کا آسمان اپنے اسم ''علیم خبیر'' کے نام سے پیدا کیا۔ ''میں نے اس آسمان میں نوح علیہ السلام کو ایک تخت پر بیٹھے ہوئے دیکھا جو نورِ کبریا سے مخلوق تھا۔۔۔ اربابِ مجد وثنا کے مابین وہ بیٹھے ہوئے تھے۔ میں نے ان پر سلام کیا اور ان کے روبرو کھڑا ہو گیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا، مرحبا کہا اور کھڑے ہو گئے۔ پھر میں نے ان سے ان کے فکری آسمان اور سرّی مقام کی بابت سوال کیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ یہ آسمان معارف کے موتیوں کی لڑی ہے کہ عوارف کی کنواریاں اس میں متجلی ہوتی ہیں۔ اس آسمان کے فرشتے نورِ قدرت سے مخلوق ہیں۔۔۔ خدا تعالیٰ نے اس آسمان کا گھیرا تیرہ ہزار تین سو تینتیس اور ایک سو بیس دن کی راہ کا پیدا کیا ہے۔'' (انسانِ کامل، ص ۴۲۳، ۴۲۴)

الجیلی لکھتے ہیں:

''اس فلک کے فرشتے کی روحانیت کا نام جو اس فلک کے تمام فرشتوں کا حکم ہے ''توحائیل'' ہے۔ میں نے اس آسمان میں عجیب وغریب رحمٰن کے کرشمے اور موجودات کے اسرار ملاحظہ کیے جن کا اس زمانے کے لوگوں کے لیے شائع کرنا مناسب نہیں۔'' (انسانِ کامل، ص ۴۲۴)

آسمانِ سوم کے بارے میں الجیلی کہتے ہیں کہ اس کی رنگت زرد ہے اور وہ زہرہ کا آسمان ہے۔ اس کا جوہر شفاف ہے اور اس کے رہنے والے تمام اوصاف میں متلون ہیں اور یہ حقیقتِ خیال سے پیدا کیا گیا ہے، لکھتے ہیں:

''میں اس آسمان میں حضرت یوسف علیہ السلام سے ملا۔ ان کو تختِ اسرار پر بیٹھے دیکھا کہ رموزِ انوار کو ظاہر کرنے والے تھے، اس حقیقت کے عالم تھے جس پر احبار کا گروہ مطلع نہیں ہوا۔ معانی کی حقیقت سے محقق تھے، پانی اور برتنوں کی قید سے چھوٹ چکے تھے، میں نے بطور تعظیم ودعا اور بطور ان کے پاس آنے والے کے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے سلام کا جواب دیا اور دعا دی اور مرحبا کہا اور مزاج پرسی کی۔'' (انسانِ کامل، ص: ۴۲۶)

اس ملاقات میں الجیلی نے جنابِ یوسف علیہ السلام سے تاویلِ احادیث کی حقیقت دریافت کی اور دونوں کے درمیان خاصہ طویل مکالمہ ہوا۔

آسمانِ چہارم حضرت ادریسؑ کا مسکن ہے جس کے بارے میں الجیلی لکھتے ہیں:

''وہ ایک جوہرِ فاخرہ ہے' روشن رنگ والا ہے' آفتابِ منور کا آسمان ہے' افلاک کا قطب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس آسمان کو نورِ قلبی سے پیدا کیا ہے۔ آفتاب کو اس میں بمنزلہ قلبِ عالم کے رکھا ہے کہ اس سے ستارے نور حاصل کرتے ہیں۔۔۔ ادریس علیہ السلام کو خدا تعالیٰ نے حقیقتِ قلبیہ سے ان کے عالم ہونے کی وجہ سے اس مقامِ نفیس میں نازل کیا۔۔۔ ملک جلیل جس کا نام اسرافیل ہے اس آسمان کے فرشتوں کا حاکم ہے۔ جاننا چاہیے کہ جس مقام میں حضرت ادریسؑ ہیں وہ حضرت محمد ﷺ کے مقامات میں سے ایک مقام ہے۔۔۔ اکثر اربابِ تمکینِ انبیا اسی مضبوط فلک کے دائرے میں ہیں' مثلاً: عیسیٰؑ، سلیمانؑ، داوٗدؑ، ادریسؑ، جرجیسؑ وغیرہ انبیاء علیہم السلام جو کثیر العدد مدتِ دراز سے ہیں۔ وہ تمام اس منزلِ جلی میں مقام رکھتے ہیں اور اس بلند مقام پر رہتے ہیں۔'' (انسانِ کامل، ص ۴۲۷، ۴۲۸)

آسمانِ پنجم' بہرام نام کے کوکب کا آسمان ہے جو عظمتِ الٰہیہ اور انتقام کا مظہر ہے۔ اس میں یحییٰ علیہ السلام عظمت' جبروت کے مشاہدہ اور عزت اور حکومت کے ملاحظہ کے لیے نازل ہوئے۔ اس لیے کہ انہوں نے لغزش کا قصد نہیں کیا' اور ان میں سے بجز اس شخص کے جو ہم اور خلت کا رتبہ رکھتا ہے' کوئی نہیں ہے۔ یہ آسمان نور وہم سے مخلوق ہے اور اس کا رنگ مثل خون کے سرخ ہے اور اس آسمان کے فرشتوں کو خدا تعالیٰ نے کمال کا آئینہ اور جلال کا مظہر بنایا ہے۔۔۔ اس آسمان کا حاکم الائیل ہے جن کا نام عزرائیل ہے۔'' (انسانِ کامل، ص ۴۲۸، ۴۲۹)

آسمانِ ششم (فلکِ مشتری) پر انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا جو اپنے قدموں کو آسمان کی سطح پر رکھے ہوئے تھے اور اپنے داہنے ہاتھ سے سدرۃ المنتہیٰ کی ساق کو پکڑے ہوئے تھے۔ تجلی کی شراب میں مست، عزت الوہیت سے حیران تھے۔ ان سے سلام و مکالمہ کا احوال الجیلی یوں بیان کرتے ہیں:

''پھر میں ادب سے ان کے سامنے کھڑا ہو گیا اور ان کے مرتبے کو پہچان کر ان کو سلام کیا۔ انہوں نے ازل کی مستی سے سر اٹھایا اور مجھے مرحبا کہا۔ میں نے ان سے عرض کیا: اے میرے سیّد گویائے حق! راست گفتار نے خبر دی ہے کہ دربارِ الٰہی سے آپ کو خلعت ''لن ترانی'' عطا ہوا تھا اور آپ کی یہ حالت مجوبوں کی سی

Marfat.com

حالت نہیں ہے۔ اس عجیب امر کی حقیقت سے مجھے آگاہ فرمائیے۔ کہا: سن! جب میں اپنی زمین کے مصر سے نکل کر اپنی فرضی حقیقت کی طرف آیا اور میں انوارِ ازلیہ کے پاک میدان میں درختِ احدیت کی طرف سے اپنے رب کی زبان سے اپنے طورِ قلب سے پکارا گیا کہ "اِنّنی انا اللّٰہُ لاالٰہ اِلاَّ انا فَاعبُدنِی "کہ میں اللہ ہوں، میرے سوا کوئی معبود نہیں۔ میری عبادت کر۔ تو پھر جب میں نے چیزوں کے اندر اس کی عبادت کی جیسا کہ اس نے حکم دیا اور صفات و اسماء سے جس ثناء کا وہ مستحق تھا اس کی ثناء کی تو انوارِ ربوبیت مجھ پر متجلی ہوئے، اور مجھے اس نے میری ہستی سے لے لیا تو میں نے مقامِ لقاء میں مقامِ بقاء کو طلب کیا اور یہ امر محال ہے کہ قدیم کے ظہور پر حادث قائم اور ثابت رہ سکے۔ پھر میری لسانِ سر نے اس عظیم امر کی ترجمانی کرتے ہوئے ندا دی اور میں نے کہا: رَبِّ اَرنی انظر الیک، اے میرے پروردگار! مجھے دیدار دے کہ میں تیری طرف دیکھوں اور میری انیت کو اپنے حضرتِ قدس میں داخل کر۔ میں نے درگاہِ قدس سے یہ جواب سنا: لن ترانی ولکن انظر الی الجبل "کہ تو ہرگز نہیں دیکھ سکتا لیکن پہاڑ کی طرف دیکھ۔ اور وہ تیری ذات ہے جو ازل میں میرے نور سے مخلوق ہے۔ فَاِن استقر ما کانہٗ پھر اگر وہ اپنی جگہ ٹھہرا رہا۔ بعد اس کے کہ قدیم کی بادشاہت کا ظہور ہو، فسوف ترانی، پھر تو مجھے دیکھ لے گا۔ فلما تجلی ربہٗ للجبل، پھر جب ربّ نے پہاڑ پر تجلی کی اور مجھے حقیقتِ ازل نے کھینچا اور قدیم حادث پر ظاہر ہوا۔۔۔ اور جاننا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آسمان کے ملائکہ پر میکائل کو موکل بنایا ہے جو رحمت کا فرشتہ ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسے انبیاء کی معراج اور اولیاء کی مرقاۃ یعنی ترقی کا زینہ بنایا ہے۔" (انسانِ کامل، ص ۴۳۰، ۴۳۱)

اس کے بعد فلکِ ہفتم (زحل) کا بیان ہے اور اس پورے سیاق و سباق میں سدرۃ المنتہیٰ کا بیان ہے جو مجموعی طور پر الجیلی کی بلند پروازیوں کا نقطۂ عروج ہے، الجیلی لکھتے ہیں:

"پس وہ زحل مکرم کی جگہ ہے اور اس کا جوہر شفاف سیاہ مثل شب تاریک کے ہے۔ خدا نے اسے عقلِ اوّل کے نور سے پیدا کیا اور اس کی منزل اعلیٰ و برتر بنائی۔ اس کی سیاہ رنگت سے اشارہ اس کی ناشناسی کی تاریکی اور بُعد کی طرف ہے اسی لیے عقلِ اوّل کو بجز عالمِ اکمل کے کوئی شناخت نہیں کر سکتا اور یہ کیوان کا آسمان ہے جو جمیع عالم کو محیط ہے۔ تمام آسمانوں سے افضل اور تمام کائنات سے اعلیٰ ہے۔ اس کی

Marfat.com

اردلی کے تمام ثابت ستارے اس کے کوکب میں آہستہ رفتار سے چلتے ہیں۔۔۔جاننا چاہیے کہ یہ پہلا آسمان ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے عالمِ موجودات پر محیط بنایا ہے اور اس سے نیچے کے آسمان اس کے بعد پیدا کیے اور وہ عقلِ اوّل کا نور ہے جو تمام حادث اشیاء سے سب سے پہلے مخلوق ہے۔میں نے ابراہیم علیہ السلام کو اس آسمان میں قائم دیکھا ہے اور ان کے لیے ایک مجلّی تھا جس پر وہ عرش کی دائیں طرف کرسی کے اوپر بیٹھے ہوئے تھے اور یہ آیت پڑھ رہے تھے:الحمد للّٰہ الذی وھب لی علی الکبر اسماعیل و اسحق الآیہ. جاننا چاہیے کہ اس آسمان کے تمام فرشتے مقرب ہیں اور ہر مقرب کے لیے منزل ہے جو اس کے اس وظیفہ کے مطابق ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اسے قائم کیا ہے اور اس کے اوپر بجز فلکِ اطلس کے کوئی چیز نہیں اور وہ ایک بڑا فلک ہے۔اس کی سطح کرسی اعلیٰ ہے اور ان دونوں یعنی فلکِ اطلس اور فلکِ کواکب کے درمیان میں تین وہمی حکمی فلک ہیں جن کا وجود نہیں، مگر حکم میں نہ عین میں۔ان میں سے پہلا فلک اور وہ ایک اعلیٰ فلک ہے۔فلکِ ہیولیٰ کے اوپر ہے۔فلکِ ثانی فلکِ ہبا ہے اور فلکِ ثالث فلکِ عناصر ہے اور وہ ان سب سے اخیر ہے جو فلکِ کواکب سے ملا ہوا ہے اور بعض حکماء نے کہا ہے کہ پھر ایک چوتھا فلک ہے اور وہ فلکِ طبائع ہے۔

جاننا چاہیے کہ فلکِ اطلس سدرۃ المنتہیٰ کا میدان ہے اور وہ کرسی کے نیچے ہے اور سدرۃ المنتہیٰ میں ملائکہ کروبین رہتے ہیں۔میں نے ان کو مختلف صورتوں میں دیکھا ہے۔بجز اللہ کے ان کا شمار کوئی نہیں جانتا۔انوارِ تجلیات ان سے ایسے ملے ہوئے ہیں کہ ان میں سے کوئی اپنی آنکھ کے پلک کو ہلا نہیں سکتا۔بعض ان میں سے منہ کے بل پڑے ہوئے ہیں اور بعض گھٹنوں کے بل، اور وہ اکمل ہیں اور بعضے اپنے پہلو کے بل پڑے ہوئے ہیں اور بعض قیام میں مثل جماد کے ہیں اور وہ قوی تر ہیں اور بعض اس کی ہویت میں حیران ہیں اور بعض اس کی انیت میں از خود رفتہ ہیں اور میں نے ان میں سے سو فرشتے ایسے دیکھے جو ان سب پر مقدم تھے۔ان کے ہاتھوں میں نور کے ستون تھے۔ہر ستون پر اسماء حسنیٰ الٰہیہ میں سے ایک اسم مکتوب تھا جن سے وہ اپنے سوا دوسرے کروبی فرشتوں کو اور اہل اللہ میں سے ان کے ہم رتبہ لوگوں کو ڈراتے ہیں۔پھر میں نے ان سو فرشتوں میں سے سات کو دیکھا کہ وہ ان سب سے آگے ہیں اور ان کا نام قائمتہ الکروبین ہے۔اور ان سات میں سے میں نے تین کو

Marfat.com

دیکھا جوان سات پر مقدم تھے۔ ان کا نام اہل المراتب والتمکین تھا اور ایک کو میں نے سب پر مقدم پایا جس کا نام عبداللہ تھا اور یہ تمام وہ عالین فرشتے ہیں جو سجودِ آدم کے لیے مامور نہ تھے اور ان کے اوپر بھی فرشتے ہیں۔ مثلاً نون فرشتہ اور قلم فرشتہ اور ان کی مانند اور کہ وہ بھی عالین میں داخل ہیں اور باقی ملائکہ مقربین ان سے ادنیٰ اور نیچے ہیں مثلاً جبرئیل، میکائیل، اسرافیل، عزرائیل اور ان کی مانند اور فرشتے اور اس فلک میں، میں نے ایسے عجائب وغرائب دیکھے ہیں جو بیان میں نہیں آسکتے۔

(انسانِ کامل، ص ۴۳۴)

ooo

Marfat.com

(۳)

ادبی وفنی لحاظ سے رویائی سیاحتِ علوی کی مثالوں سے ادبِ عالم معمور ہے۔ اس سلسلے میں کئی عمدہ اساطیر تخلیق کیے گئے۔

اِنَنّا کا سفرِ ظلمات

جہانِ دیگر کے سلسلے کی عالمی ادب کی قدیم ترین داستان سومیری اسطورہ ''اِنَنّا کا سفرِ ظلمات'' ہے۔ سومیری تہذیب عراق کی اکادی، بابلی، اشوری یا میسوپوٹامیائی تہذیب کی قدیم ترین شکل ہے جس کا دور قبل از تاریخ سے لے کر ۳۴۰۰ ق۔م تک کا ہے۔ سومیری ادب، ہندوستان کی رگ وید، رامائن، مہابھارت وغیرہ، ایران کی اوستا، یونان وروم کی ایلیڈ اور اوڈیسی، عبرانیوں کی بائبل (عہد نامہ قدیم) کی نسبت بہت قدیم ہے۔ ادب کی عالمی تاریخ کی پہلی ادبی تخلیق سومیری ادب کی وہ اسطورہ نظم ہے جس میں آسمان کی ملکہ ''اِنَنّا'' ظلمات (عالم اسفل۔ دوسری دنیا) کا سفر کرتی ہے اور لوٹ آتی ہے۔ یہ نظم جو ساڑھے تین اور چار ہزار سال قبل کے درمیانی عرصے میں کسی وقت لکھی گئی تھی، نِپور (عراق) کی کھدائی سے برآمد ہوئی اور تیرہ مختلف الواح کی مدد سے مرتب کی گئی۔

اس نظم کی رو سے ظلمات ایک ایسی جگہ تھی جہاں غالباً ایک شگاف یا دروازے کے ذریعے جایا اور واپس لوٹا جا سکتا تھا۔ یہ شگاف یا دروازہ غالباً ''اُروک'' شہر میں تھا۔ ظلمات کی ملکہ ''اَرِشکی گل'' تھی جو اِنَنّا کی بڑی بہن تھی۔ ظلمات میں ایک جگہ ایسی تھی جسے ''لاجوردی پہاڑ'' کہا جاتا تھا۔ اس کے مقفل اور کُنڈی لگے پھاٹکوں کی حفاظت کے لیے نگران موجود رہتے تھے جن کا سربراہ ''نیتی'' تھا۔ عالمِ ظلمات

Marfat.com

میں مقدس قوانین اور اصول وضوابط نافذ تھے۔ ان میں بظاہر سب سے زیادہ اہم قانون یہ تھا کہ وہاں کے رہنے والے لازمی طور پر بالکل عریاں رہیں۔ ایک اور قانون یہ تھا کہ خواہ کوئی انسان ہو یا کوئی دیوتا، وہ ظلمات میں ایک بار جا کر پھر دوبارہ اوپر کی (بیرونی) دنیا میں پلٹ کر نہیں آ سکتا تھا تاوقتیکہ اس کی جگہ کوئی دوسرا وہاں جانے کے لیے نہ مل جائے۔

اس کہانی کے مطابق سومیریوں کی سب سے محبوب ومقبول ملکہ اِنَنّا عالم اسفل کا طویل سفر کر کے وہاں پہنچی اور پھر پلٹ بھی آئی مگر یہ واضح نہیں کہ اِنَنّا نے آخر ظلمات کا سفر اختیار کیوں کیا تھا۔ وہ آسمان کی ملکہ تھی شاید وہ عالم آخرت یعنی مرنے والوں کی دنیا پر بھی اپنی حکمرانی چاہتی تھی۔ کچھ بھی ہو ''اِنَنّا اس اسطورہ کا مرکزی کردار ہے جس نے کسی نامعلوم سبب کی بنا پر ظلمات جانے کا ارادہ باندھا۔ اس نے تمام موزوں اور مقدس اصول وضوابط اکٹھے کیے، شاہانہ پوشاک زیب تن کی۔ زیور اور ہیرے جواہرات بدن پر سجائے اور عالم اسفل جانے کو تیار ہوئی۔ ظلمات کی ملکہ اِنَنّا کی بڑی بہن ''ارشکی گل'' تھی جو اِنَنّا کی سخت دشمن تھی۔ اِنَنّا کو ڈر تھا کہ کہیں اس کی بہن اسے ظلمات میں ہلاک ہی نہ کرا دے چنانچہ اس نے اپنے ''ننِ شوبُور'' نامی وزیر کو ہدایت کی کہ اگر وہ تین دن کے بعد بھی واپس نہ آ سکے تو پھر وہ آسمان کے ایوان میں جا کر نالہ وشیون بلند کرے۔ پھر نپور شہر جا کر ''اَن لِل ''دیوتا کے حضور پیش ہو اور اس سے درخوست کرے کہ اِنَنّا کو عالم اسفل میں مرنے نہ دیا جائے۔ اگر اَن لِل انکار کر دے تو وہ چاند دیوتا ''ننّا'' کے حضور پیش ہو اور اگر وہ بھی اس سلسلے میں کچھ نہ کرے تو پھر وہ ''اَریدُو'' شہر میں ''اَن کی'' دیوتا سے جا کر مدد مانگے۔ اَن کی، جو خوراکِ حیات (نانِ حیات) اور آبِ حیات سے آگاہ ہے، وہ ضرور مدد کرے گا۔

اِننا ظلمات میں جا کر ارشکی گل کے لاجوردی محل کے پھاٹک پر پہنچی جہاں دربانِ اعلیٰ نیتی سے اس کا پالا پڑا۔ نیتی نے اننا سے پوچھا کہ وہ کون ہے اور وہاں کیوں آئی ہے؟ اننا نے بہانا تراشہ۔ بالآخر ارشکی گل کے حکم پر نیتی، اسے ساتھ لے کر ظلمات کے سات دروازں سے گزرا، جونہی وہ ایک دروازے سے گزرتی، اس کے احتجاج کے باوجود ہر دروازے پر ایک ایک کر کے اس کے زیور اور کپڑے اُتروائے جاتے رہے۔ ساتویں دروازے پر اِنَنّا کو عریاں اور خمیدہ گھٹنوں کے عالم میں ملکہ ظلمات ارشکی گل اور ظلمات کے سات خوفناک ججوں ''انوناکی'' کے سامنے پیش کیا گیا۔ ان ساتوں نے اِنَنّا پر اپنی ''موت کی آنکھ (چشم فنا) گاڑ دی اور وہ مر گئی۔ اس کی لاش میخ پر لٹکا دی گئی۔ تین دن اور تین راتیں جب بیت گئیں تو اِنَنّا کا وزیر یا ایلچی نن شوبور، اس کی ہدایت کے مطابق اَن لِل اور ننّا دیوتا کے پاس یہ درخواست لے کر پہنچا کہ وہ اِنّنا کو ظلمات میں مرنے نہ دیں۔

Marfat.com

اننا کی پیش گوئی کے مطابق ان دونوں نے مدد کرنے سے انکار کر دیا۔ نن شوبور جب اُن کی دیوتا کے پاس گیا تو عقل ودانش کے اس دیوتا نے ''کُر گرُ ؤ'' اور '' کالا ترُ ؤ'' نام کے دو ایسے ''انسان'' پیدا کیے جن کی کوئی جنس نہ تھی۔ اُن کی نے ان دونوں کو نانِ حیات اور آبِ حیات دے کر حکم دیا کہ وہ دونوں ظلمات میں جا کر یہ خوراک اور پانی ساٹھ مرتبہ اِننّا کی لاش پر چھڑکیں۔ انہوں نے اس پر ساٹھ مرتبہ غذائے حیات اور ساٹھ مرتبہ آبِ حیات چھڑکا

اِننّا اُٹھ کھڑی ہوئی۔ اِننّا ظلمات سے اوپر آتی ہے۔ ''انوناکی'' نے اسے پکڑ لیا اور کہا:

''ظلمات میں جو لوگ آتے ہیں ان میں سے کون نقصان اٹھائے بغیر ظلمات سے واپس جاتا ہے،

اگر اِننّا ظلمات سے باہر اوپر جائے گی،

(تو پھر) وہ اپنی جگہ کسی دوسرے کو ظلمات کے حوالے کرے''

جب اِننّا ظلمات سے اوپر آتی ہے،

بے شک مُردے اس کے آگے لپکتے ہیں،

اِننّا ظلمات سے اوپر آتی ہے،

چھوٹے عفریت شُوبُر سرکنڈوں کی طرح،

بڑے عفریت دُبّن، سرکنڈوں کی طرح،

اس کے ساتھ چلے،

اس کے آگے چلنے والا گووزیر نہ تھا (مگر) اس کے ہاتھ میں عصا تھا،

اس کے پہلو میں چلنے والا گوسورما نہ تھا، (مگر اس نے) اپنی کمر پر ہتھیار باندھ رکھا تھا،

وہ جو اس کے ساتھ چل رہے تھے،

وہ جو اِننّا کے ساتھ چل رہے تھے،

وہ ایسے تھے جو کھانا نہیں کھاتے، پانی نہیں پیتے،

جو چھڑکا ہوا آٹا نہیں کھاتے،

جو چڑھاوے کا پانی نہیں پیتے،

جو شوہر کی آغوش سے بیوی چھین لیتے ہیں،

جو اَنّا کی چھاتی سے بچہ چھین لیتے ہیں،

Marfat.com

اِننا ظلمات سے اوپر آتی ہے۔"

اِننّا جب ظلمات سے باہر آئی تو اس کے ساتھ مُردے، بھوت اور عفریت بھی تھے جن کے گھر ظلمات میں تھے۔ قانون کے مطابق اِننّا کو ظلمات میں اپنی جگہ لینے کے لیے کسی کو ان عفریتوں کے حوالے کرنا تھا۔ چنانچہ اننا باری باری ان عفریتوں کو ننشوبور، شارا دیوتا، لتارک، وغیرہ کے پاس لے جاتی ہے۔ عفریت ان کو زبردستی اپنے ساتھ ظلمات لے جانے پہ مُصر ہیں۔ سب اننا کے پاؤں پڑتے ہیں اور منت سماجت کے بعد ان کی جان بخشی ہوتی ہے۔ بالآخر اِننّا ان عفریتوں کو اپنے ہی شہر "اُرُوک" لے جاتی ہے جہاں اس کا شوہر "دُوموزی" موجود تھا۔ دیگر لوگوں کی طرح دُوموزی ظلمات لے جانے کے خوف سے اِننّا کے پاؤں نہیں پڑا نہ ہی اس نے اننا کی خاطر کسی ماتم یا افسوس کا اظہار کیا۔ اس کے اس رویے سے خفا ہو کر اِننّا نے دُموزی کو عفریتوں کے حوالے کر دیا۔ دموزی بہت رویا چلایا اور اس نے سورج دیوتا "اُتُو" کے سامنے ہاتھ اٹھا کر التجا کی کہ وہ اسے عالم اسفل کے عفریتوں سے بچائے اور اسے سانپ یا ہرن میں تبدیل کر دے تاکہ وہ ان ظالم عفریتوں کے چنگل سے بچ سکے۔"

اس کے بعد کی عبارت ضائع ہو جانے کی وجہ سے دُوموزی کے انجام کا پتہ نہیں چلتا۔ تاہم بابلی دور کی ایک اور نظم "عشتار کا سفر ظلمات" جو "اِننّا کا سفر ظلمات" کا چربہ ہے، اس میں "دُوموزی کی موت" کے عنوان سے ایک نظم میں لکھا ہے کہ جب گلاّ نامی عفریت نے اسے پکڑ لیا۔ اسے ٹھوکریں، گھونسے اور کوڑے مارے، اس کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اسے ظلمات لے جا رہے تھے کہ سورج دیوتا اُتُو نے دوموزی کے ہاتھ پاؤں ہرن کے بنا دیے اور وہ گلاّ عفریتوں سے بچ نکلا اور:

"اپنی روح کو شُوبرُ اِلا، لے گیا۔۔۔
"دانا خاتون! میں کوئی انسان نہیں ہوں، میں ایک دیوی کا شوہر ہوں،
نذر کیا جانے والا تھوڑا سا پانی مجھے پلا دے،
چھڑکا جانے والا تھوڑا سا آٹا مجھے کھلا دے،
پہلا گلا باڑے میں داخل ہوتا ہے،
وہ دوموزی کے گال پر نوکیلی میخ سے وار کرتا ہے،
دوسرا گلاّ باڑے میں داخل ہوتا ہے،
وہ دوموزی کے چہرے پر چرواہے کے عصاء سے ضرب لگاتا ہے،
تیسرا (گلاّ) باڑے میں داخل ہوتا ہے،

Marfat.com

مقدس مدھانی کا پائیدان الگ کر دیا گیا،
چوتھا گلّا باڑے میں داخل ہوتا ہے،
مقدس مدھانی ٹوٹی پڑی ہے، دودھ نہیں ڈالا جاتا،
پیالہ ٹوٹا پڑا ہے، دوموزی اب زندہ نہیں،
باڑا ہوا کے سپرد کر دیا گیا ہے۔''

اس طرح دوموزی اپنی محبوبہ اور بیوی اِنّانا کی محبت اور نفرت کا شکار ہو کر اپنے المناک انجام سے دوچار ہوا اور ہلاک کر دیا گیا۔ (دنیا کا قدیم ترین ادب، جلد اول، ص ۳۳۴ تا ۳۷۵)

۲۴۰۰ ق۔م کی ایک ٹوٹی ہوئی لوح پر لکھی ہوئی ایک صنمیاتی کہانی ملی ہے۔ یہ ''متھ'' ان لِل دیوتا اور اس کے بیٹے طوفان کے دیوتا ''اِش کُر'' سے متعلق ہے۔ اِش کُر، عالمِ ظلمات میں غائب ہو گیا۔ غمگین دیوتا اَن لِل نے آسمانی دیوتاؤں اَنونا کی کو مدد کے لیے بلایا اور پھر لومڑی نے اِش کُر کو پاتال (ظلمات یا عالمِ اسفل) سے واپس لانے کی رضا کارانہ پیشکش کی۔ لومڑی سے وابستہ دانائی اور چالاکی کا یہ سومیری تصور وہی ہے جو بعد کے زمانے میں لکھی جانے والی ایک اور سومیری کہانی ''اَن کی'' دیوتا اور ''نِن ہُر سَگ'' دیوی میں بھی کسی حد تک ملتا ہے۔ علما نے اسے قصہ فردوس یا جنت کہانی کا عنوان بھی دیا۔ (دنیا کا قدیم ترین ادب، جلد اول، ص ۸۸)

ایدونس (Adonis) کا اسطورہ

ایدونس کو بابل اور شام کی سامی قومیں پوجا کرتی تھیں اور ساتویں صدی قبل مسیح کے لگ بھگ یونانیوں نے بھی ان کے اتباع میں اس کی پرستش شروع کر دی۔ اس دیوتا کا صحیح نام تموز (Tammuz) تھا اور اس کا دوسرا نام ایدونس (Adonis) محض سامی لفظ عدون یا ادون (Adon) بہ معنیٰ ''مالک'' یا آقا کے سوا کچھ نہ تھا، جس سے اس کے پوجنے والے اس کو مخاطب کیا کرتے تھے۔ یونانیوں نے غلط فہمی کی بنا پر اس لقب کو اسم معرفہ بنا ڈالا۔ بابل کے مذہبی لٹریچر میں تموز دیوی ماتا عشتر کے شوہر یا عاشق کی حیثیت سے ظاہر ہوتا ہے جو فطرت کی تولیدی توانائیوں کا مظہر تھی۔ اساطیر و رسوم میں ان دونوں دیوی دیوتاؤں کے باہمی رشتے کے متعلق جو حوالے ملتے ہیں وہ ادھورے اور مبہم ہیں، تاہم ان سے یہ ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ عقائد کی رو سے تموز ہر سال مر جاتا تھا؛ یعنی پھلتی پھولتی دھرتی سے رخصت ہو کر عالمِ اسفل کی تاریکیوں میں غائب ہو جاتا اور اس کی مقدس ملکہ اس کی تلاش میں ہر سال اس دیس کے سفر کے لیے روانہ ہوتی ''جہاں سے لوٹ کر کوئی نہیں آتا۔ اس ظلمت کدے میں پہنچتی

Marfat.com

جس کے دروازے اور چٹخن پر گرد جمی رہتی ہے۔'' اس کے چلے جانے سے آتش عشق سرد پڑ جاتی اور انسان اور جانور سب اپنی اپنی نوع کی افزائش سے بالکل غافل ہو جاتے۔ اس دیوی سے حیوانات کے وظائف جنسی اس حد تک وابستہ تھے کہ اس کی موجودگی کے بغیر ان وظائف کا پورا ہونا ممکن نہ تھا، چنانچہ ''آ'' یا ''ایا'' Ea، سومیری اینکی یعنی ''رب البحر'' بابل اور اشوری قومیں اسے پانی، عقل و دانش وغیرہ کا دیوتا سمجھتی تھیں)۔ دیوتا کا ایک قاصد اس دیوی کو نجات دلانے کے لیے روانہ ہوتا۔ عالم اسفل کی سخت گیر دیوی موسوم بہ الاتو یا ایرش کیگل بادل نخواستہ اس کی اجازت دیتی کہ عشتر کو جیون کے جل کا چھینٹا دیا جائے، اور غالباً اسے اپنے عاشق تموز کے ساتھ اپنی اقلیم سے رخصت ہونے دیا جائے، تاکہ وہ دونوں عالمِ بالا واپس ہوں اور ان کے قدموں کی برکت سے عالمِ فطرت پھر سے جاگ اُٹھے۔

(سر جیمس جارج فریزر، شاخِ زریں (جلد دوم) ص:۴، ۵)

اردویراف نامہ

ایران کے اردشیر (۲۲۶۔۲۴۱ء) اور اس کے جانشین شاپور اوّل (۲۴۱۔۲۷۱ء) کے دور کا معروف زرتشتی موبد اور مذہبی رہنما ''اردای ویروف'' (بعض محققین کی رائے میں اس کا صحیح نام ''ارتاگ ویراژ'' تھا) کی پہلوی زبان میں لکھی ہوئی سیرِ افلاک ''اردویراف نامہ'' فنی نوعیت کی قدیم ترین تصنیف ہے جس میں مصنف روحانی کیفیات میں ڈوب کر سات دن تک عالم بالا میں رہا اور اعراف، بہشت، دوزخ، اور برزخ وغیرہ کے مناظر دیکھ کر لوٹا۔ مصنف کی رہنمائی کا فریضہ ''سروش اہرو'' اور ''آذرایزد'' نامی دو فرشتے ادا کرتے ہیں۔ اس سفر کی جو تفصیلات بیان کی گئی ہیں اس سے زرتشتی مذہب کے عقائد بالخصوص حیات بعد الموت کے بارے میں پتہ چلتا ہے۔ ''دبستانِ مذاہب'' میں اس کی تفصیل یوں درج ہے:

> ''اردای ویرف کے بہشت اور دوزخ کے متعلق خبر دینے کے بارے میں زردشت بہرام روایت کرتا ہے کہ لوگوں نے لکھا ہے کہ جب اردشیر بابکان کی سلطنت مستحکم ہو گئی تو اس نے چالیس ہزار نیک دستور اور موبد جمع کیے، ان میں سے چار ہزار کو منتخب کیا اور ان برگزیدہ ہستیوں میں سے بھی چار سو کو الگ کیا جو اوستا کا زیادہ حصہ زبانی یاد رکھتے تھے، پھر اس گروہ سے چالیس دانشمند استادوں کو منتخب کیا۔ بعد ازاں ان میں سے بھی ایسے دانشمندوں کو جو گناہِ کبیرہ و صغیرہ دونوں سے محفوظ تھے، جدا کیا۔ پھر ان دانشمندوں سے کہا کہ تم میں سے جس سے بھی ہو سکے، اپنے جسم سے

Marfat.com

جدا ہو جائے اور جنت اور دوزخ کے متعلق خبر لائے۔ان راست بازوں نے کہا کہ اس کام کے لیے ایسا شخص چاہیے جس سے سات برس کی عمر سے اب تک کوئی گناہ سرزد نہ ہوا ہو چنانچہ ان چھ میں سے ''اردای ویراف'' کو اس خوبی کا انسان سمجھ کر منتخب کیا اور شہنشاہ کے ساتھ آذر خورداد نام کے آتش کدہ میں لے گئے۔پھر ایک سنہرا تخت اردای ویراف کے لیے بچھایا اور چالیس ہزار دین داروں نے بتائے ہوئے طریقہ پر دعائیں پڑھیں۔اس کے بعد اردای ویراف نے دم کی ہوئی شراب کا ایک پیالہ دستور کے ہاتھ سے نوش کیا اور بستر پر سو گیا۔ایک ہفتہ تک وہ بیدار نہ ہوا اور اس کی روح اسمِ الٰہی کے اثر سے اس کے جسم سے جدا ہو گئی اور وہ چھ اشخاص برابر اس کے سرہانے کھڑے رہے۔آٹھویں روز اردای بیدار ہوا اور حکم دیا کہ ایک منشی اس کے پاس لایا جائے تا کہ جو کچھ وہ بیان کرے اسے وہ لکھتا جائے۔اس نے بتایا کہ جب میں سو گیا تو ایک فرشتہ آیا جسے سروش واشروش آشو واشو بھی کہتے ہیں، جس کے معنی فرشتہ بہشتی ہے۔اسے میں نے سلام کیا اور عالم میں جانے کا سبب بتایا۔اس نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ تین قدم اور اوپر چڑھ۔میں چڑھ گیا اور چینود پُل تک پہنچ گیا، جسے پُل صراط کہتے ہیں۔ہمراہی فرشتہ نے مجھے راستہ دکھایا، میں نے ایک پُل دیکھا جو بال سے زیادہ باریک، اُسترے کی دھار سے زیادہ تیز اور مضبوط تھا اور اس کی لمبائی سینتیس رسن (ڈور) کے برابر تھی۔وہاں میں نے جسم سے جدا ایک روح کو بڑی راحت میں دیکھا کہ وہ چینود پُل پر پہنچی تو نیمروز (مشرق) کی طرف سے ایک خوشبودار ہوا چلی، جس سے ایک حور جیسی خوبصورت شکل ایسی ظاہر ہوئی کہ اس کے مثل میں نے کبھی نہیں دیکھی۔روح نے اس سے پوچھا کہ ایسی خوبصورتی کے ساتھ تُو کون ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میں تیرا عمل ہوں۔

پھر میں نے مہرایزد کو ترازو لیے ہوئے دیکھا۔رشن راست اس کے بازو میں کھڑا تھا اور سروش ایزد اپنے ہاتھوں میں ترازو کا پلہ لیے ہوئے تھا۔فرشتے اس کے اردگرد کھڑے تھے۔مہرایزد وہ فرشتہ ہے جس کے ہاتھ میں مخلوق کے ثواب وعذاب کا حساب کتاب ہے اور رشن وہ فرشتہ ہے جس کا کام عدل ہے اور وہ انصاف کا مالک ہے، اور سروش پیغام کا مالک ہے اور اعلان کا حاکم ہے۔ان سب کو میں نے سلام کیا، جس کا انہوں نے جواب دیا اور میں پُل سے گزر گیا تو چند روحیں میرے

Marfat.com

استقبال کو آئیں اور گرمجوشی سے میرا حال پوچھا۔ بعدازاں بہمن آیا اور کہا کہ چل تا کہ میں تجھے گاہِ زرّیں (سنہرا مقام) دکھلاؤں، اس سے مراد عرش تھا۔ میں اس کے ساتھ چند قدم چلا اور ایک خوبصورت تخت کے پاس پہنچا اور اس روح کو جس کا عمل خوبصورت شکل میں بدل گیا تھا، جیسا کہ اوپر بیان ہوا، وہاں دیکھا کہ اشوان یعنی پاک روحیں اور بہشت کے بسنے والے اس کے اردگرد ہیں اور اس کے رشتہ داروں کی روحیں اس طرح خوش ہیں جیسے کوئی پردیسی وطن میں آجائے۔ پھر بہمن نے اس کا ہاتھ پکڑا اور ایسے مقام پر لے گیا جو اس کے شایانِ شان تھا۔ میں کچھ دور اور چلا تو ایک بلند مقام دیکھا اور سروش کے حکم سے میں نے خدا کی جلوہ گاہ کے سامنے نماز ادا کی اور وہاں کے نور سے میری آنکھیں بے نور ہوگئیں۔ سروش مجھے پھر چینود پُل کی طرف واپس لایا۔ پُل کے درمیان میں نے ایک گروہ دیکھا، سب ہاتھ جوڑے کھڑے تھے۔ میں نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ سروش نے کہا یہ کمزور دین والے ہیں جو قیامت تک اسی حال میں کھڑے رہیں گے۔ اگر یہ لوگ پلکوں کے بال کے برابر ذرا بھی زیادہ ثواب رکھتے تو اس مصیبت سے نجات پا جاتے۔ پھر میں نے ایک دوسرا گروہ روشن ستاروں کی طرح دیکھا۔ سروش نے کہا کہ یہ تیر پایہ یعنی ثابت ستاروں کا فلک ہے، اس میں ایسے لوگ ہیں جنہوں نے باوجود اپنی ساری دولت کے گیتی خرید اور نوزود کی رسم ادا نہیں کی۔ بعدازاں وہ مجھے ماہ پایہ (چاند کی منزل) میں لایا جہاں میں نے روحوں کو روشن چاند کی طرح دیکھا۔ اس نے کہا کہ یہ ماہ پایہ بھی بہشت کا ایک درجہ ہے، اس میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے نوزدود کے علاوہ ہر طرح کے نیک عمل کر کے ثواب اکٹھا کیا۔ اس کے بعد مجھے خورشید پایہ (سورج کی منزل) میں لے گیا۔ وہاں میں نے روحوں کو حد درجہ روشن آفتاب کی طرح چمکدار دیکھا۔ سروش نے کہا کہ خورشید پایہ میں وہ جماعت ہے جس نے گیتی خرید اور نوزود کی رسومات ادا کی ہیں۔ پھر میں نے سروش کے حکم سے درخ اور خورۂ یزدان یعنی نورِ خداوندی کے سامنے نماز ادا کی۔ اس کی ہیبت اور خوف کی وجہ سے میرے ہوش و حواس غائب ہونے لگے، لیکن ایک آواز میرے کانوں میں آئی، جس سے میں نے قوت حاصل کی۔ اچانک مجھے ایک طلائی پیالے میں روغن دیا گیا جسے میں نے پیا۔ اس مزے کی کوئی چیز مجھے کبھی نہیں ملی تھی۔ فرشتوں نے بتایا کہ یہ جنت کے باشندوں کی غذا ہے۔

Marfat.com

اس کے بعد میں نے اردی بہشت کو دیکھا اور اسے سلام کیا۔ اس نے مجھ سے کہا کہ بغیر نمی والی لکڑی مقدس آگ پر رکھ۔ پھر سروش مجھ کو گروتمان یعنی بہشت میں لے گیا۔ وہاں کے انوار دیکھ کر میں حیرت زدہ ہو گیا اور بالکل نہ سمجھ سکا کہ کس قسم کے جواہرات سے وہ بنایا گیا ہے۔ پھر خدا کے حکم سے مجھے اس میں ہر طرف لے گیا۔ بالآخر میں ایک ایسی جگہ پہنچا جہاں ایک عمدہ گروہ کو خورہ یعنی نور اور شان وشوکت کے ساتھ دیکھا تو سروش اشو نے بتایا کہ یہ کریم اور سخی لوگوں کی روحیں ہیں۔ پھر ایک بلند مرتبہ جماعت کو دیکھا، یہ سب بڑی شان وشوکت کے ساتھ تھے۔ سروش نے کہا کہ یہ ان لوگوں کی روحیں ہیں جنہوں نے نوزود کی رسم ادا کی ہے۔ پھر میں نے ایک گروہ دیکھا جو سب بڑی شان وشادمانی میں تھے۔ سروش نے خبر دی کہ یہ منصف بادشاہوں کی روحیں ہیں۔ اس کے بعد کچھ روحوں کو حد درجہ مسرت اور اقتدار کے ساتھ دیکھا۔ سروش نے بتایا کہ یہ دستور اور موبد لوگ ہیں اور میں اس کا ذمہ دار ہوں کہ اس فرقہ کو اس درجہ پر پہنچاؤں۔ بعد ازاں میں نے عورتوں کا ایک گروہ دیکھا جو بڑی شان سے خوشی منا رہی تھیں۔ سروش اشو اور اردی بہشت نے کہا کہ یہ ان عورتوں کی روحیں ہیں جو اپنے شوہروں کی فرماں بردار تھیں۔ اس کے بعد میں نے ایک جماعت کو عزت اور حسن وجمال کے ساتھ دیکھا جو فرشتوں کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ سروش نے بتلایا کہ یہ ہیر بد اور موبد لوگ ہیں جو آتش کدہ کے خادم تھے اور فرشتوں کے لیے یشت اور یزش (دعائیں) کرتے تھے۔ پھر ایک گروہ کو مسلح اور بڑی شان میں دیکھا۔ سروش نے خبر دی کہ یہ ان پہلوانوں کی روحیں ہیں جنہوں نے راہِ خدا میں جنگ کی اور اس طرح اپنے ممالک کو آباد اور رعایا کو خوشحال رکھا۔ اس کے بعد میں نے ایک گروہ کو بہت آن بان اور ساز وسامان کے ساتھ دیکھا۔ سروش نے کہا کہ یہ خراستر یعنی موذی جانوروں کو ہلاک کرنے والوں کی روحیں ہیں۔ بعد ازاں کچھ لوگوں کو ناز ونعمت کی حالت میں دیکھا تو سروش نے بتایا کہ یہ بزرگوں کی روحیں ہیں اور سفندارمذ ان کے اوپر مقرر ہے۔ چنانچہ وہ ان لوگوں کے سامنے کھڑا ہے اس لیے کہ انہوں نے اپنے عمل سے اس کو راضی کر رکھا تھا۔ پھر اس گروہ کو کامیابی کے ساز وسامان کے ساتھ دیکھا، تو سروش نے خبر دی کہ یہ چرواہوں کی روحیں ہیں۔ اس کے بعد ایک جماعت کو دیکھا اور خوش وخرم دیکھا جن کے سامنے عناصر بہشتی کھڑے تھے۔ سروش نے بتایا

Marfat.com

کہ عمارت پسند صاحبِ خانہ ہیں جنہوں نے دنیا کو باغ اور نہر سے آباد کر رکھا تھا اور عناصر کی عزت کرتے تھے۔ پھر میں بعض دوسرے لوگوں کے پاس پہنچا جو پیغمبروں کی شان رکھتے تھے۔ سروش نے کہا کہ یہ جادنگوئے لوگوں کی روحیں ہیں۔ جادنگوئے اس کو کہتے ہیں جو خدا کی راہ میں دولت مندوں سے روپیہ مانگتا ہے اور اسے مقدس مقامات اور مستحق لوگوں پر خرچ کرتا ہے۔

حوروں اور محلات اور غلمان نیز خورد ونوش کے سامان کے بارے میں بھلا میں کیا بیان کرسکتا ہوں، جس کی مثال اس مادی دنیا میں مجھے کہیں دکھائی نہیں دیتی۔

اس کے بعد سروش اور اردی بہشت مجھے جنت سے باہر لا کر اہلِ دوزخ کے عذاب کی سیر کو لے گئے۔ سب سے پہلے میں نے گندے پانی کا ایک سیاہ اور کالا دریا دیکھا، جس میں ایک گروہ پڑا نالہ وفریاد کرتا تھا اور غرق ہوتا جارہا تھا۔ سروش نے بتایا کہ یہ پانی ان آنسوؤں سے جمع کیا گیا ہے جسے لوگ کسی کے مرنے کے بعد آنکھوں سے بہاتے ہیں اور جو لوگ اس میں ڈوبے ہوئے ہیں، وہ مُردوں کے عزیز واقارب ہیں جو ان کے بعد گریہ وزاری اور نالہ وفریاد کرتے تھے۔ پھر میں چینود پُل کی طرف آیا، وہاں جسم سے جدا ایک روح کو دیکھا جو جسم کی جدائی پر فریاد کررہی تھی۔ اس وقت ایک بدبودار ہوا چلی اور اس کے اندر سے ایک سیاہ شکل ظاہر ہوئی، جس کی آنکھیں سرخ، ناک ٹیڑھی، بدنما ہونٹ، ستون کی طرح دانت، سر دیگ کی طرح ایک منارہ، پنجے لمبے، بھالے جیسے ناخن اور سانپ جیسے بال تھے۔ اس کے منہ سے دھواں نکل رہا تھا۔ روح نے اس سے خوفزدہ ہو کر پوچھا کہ تُو کون ہے؟ اس نے جواب دیا میں تیرا عمل ہوں، فعل ہوں۔ پھر روح کی گردن میں ہاتھ ڈالا۔ چنانچہ اس کی آہ وزاری کی آواز چینود پُل پر آئی جو استرے کی دھار سے زیادہ تیز ہے۔ وہ روح کچھ دور بڑی مشکل سے چلی آخر کار دوزخ میں گر پڑی۔ پھر میں سروش اور اردی بہشت کے ساتھ روانہ ہوا۔ برفیلی ہوا، تیز آندھی، سردی اور بدبو اور تاریکی کا منظر تھا اور بڑی خندقوں کے بیچ سے راستہ گزرتا تھا۔ ایک خندق میں اس قدر روحوں کو مصیبت میں گرفتار پایا جن کو شمار نہیں کیا جاسکتا۔ وہ سب فریاد کررہی تھیں اور تاریکی کی وجہ سے ایک دوسرے کو دیکھ نہ سکتی تھیں اور نہ دوسرے کی فریاد سن سکتی تھیں۔ اس عذاب کے تین دن نو ہزار سال کے برابر تھے۔ یہی حال دوسری خندقوں کا تھا اور ہر خندق میں سانپ، بچھو اور

Marfat.com

ڈنک مارنے والے اور موذی جانوران میں پڑی ہوئی روحوں کو، ''ایک چیر رہا تھا، دوسرا پھاڑ رہا تھا اور ایک زخمی کر رہا تھا تو دوسرا ڈنک مار رہا تھا۔''

سروش مجھے نیچے لے گیا، وہاں میں نے ایک روح کو دیکھا جس کا سر انسانوں کی طرح اور جسم سانپ کی طرح تھا۔ اس کے چاروں طرف بہت سے دیو تھے جو اس کے پاؤں میں لوہے کی زنجیر پہنائے ہوئے تھے اور تیشہ، خنجر اور گرز سے اس کو ہر طرف سے مار رہے تھے اور موذی جانور ہر طرف سے اس کو زخمی کر رہے تھے۔ سروش نے بتایا کہ یہ اغلام باز کی روح ہے۔ بعدازاں میں نے ایک عورت کو دیکھا جو خون اور پیپ سے بھرا ہوا پیالہ ہاتھ میں لیے تھی اور دیو اسے لاٹھی اور خنجر سے مار رہے تھے تاکہ وہ اسے پیئے، جب وہ پی لیتی تھی تو پھر اسی قسم کا پیالہ اس کے ہاتھ میں دے دیتے تھے۔ سروش نے بتایا کہ یہ وہ عورت ہے جو دشتان یعنی حائض ہوتی تھی، پھر بھی آگ اور پانی کے پاس جاتی تھی۔ پھر ایک مرد کو دیکھا جو ایک پاؤں سے لٹکا ہوا تھا جس کے سر سے اوزار کے ذریعے کھال کھینچ رہے تھے اور وہ چیخ رہا تھا۔ سروش نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے ناحق خون بہایا ہے۔ بعدازاں میں نے ایک شخص دیکھا جس کو خون اور پیپ پینے پر مجبور کیا جا رہا تھا۔ اس کو سزا دے رہے تھے اور ایک بھاری پہاڑ اس کے سینے پر رکھے ہوئے تھے۔ سروش نے بتایا کہ یہ زانی کی روح ہے جو دوسروں کی عورتوں کے ساتھ اختلاط رکھتا تھا۔ پھر ایک روح کو دیکھا جو بھوک اور پیاس سے چیخ رہی تھی اور اس کی شدت سے اپنا خون پی رہی تھی نیز اپنے جسم کا گوشت کھا رہی تھی۔ سروش نے خبر دی کہ یہ روح اس شخص کی ہے جو دسترخوان پر بیٹھ کر باژ کا عمل نہیں کرتا تھا۔ (باژ ایک عمل ہے جسے بہدین کے پارسی لوگ کھانے سے پہلے انجام دیتے ہیں) نیز یہ شخص ایان کے روز پانی، میوہ اور روٹی کھاتا تھا۔ چنانچہ خرداد اور مرداد فرشتے اس سے ناراض ہو گئے۔ اس کے بعد ایک عورت کو دیکھا جس کے پستان لٹکے ہوئے تھے اور موذی جانور اس سے لپٹے ہوئے تھے۔ سروش نے بتایا کہ یہ وہ عورت ہے جو اپنے شوہر کو چھوڑ کر دوسرے مرد تلاش کرتی تھی۔ پھر ایک گروہ روحوں کا دیکھا، جن سے پرندے اور موذی جانور لپٹے ہوئے تھے۔ سروش نے کہا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو کشتی یعنی زنار نہیں باندھتے تھے (جسے بہدین کے ماننے والے باندھتے ہیں) بعدازاں ایک عورت لٹکی ہوئی دیکھی جس کی زبان گدی سے

Marfat.com

باہر نکلی ہوئی تھی۔ سروش نے بتایا کہ یہ وہ عورت ہے جو شوہر کی فرماں برداری نہیں کرتی تھی اور اسے سختی اور مخالفت سے جواب دیتی تھی۔ پھر ایک مرد کو دیکھا جو ایک کف گیر سے موذی جانوروں کو کھا رہا تھا اور اگر کچھ کم لیتا تو دیو، اُسے ڈنڈا مارتا تھا۔ سروش نے خبر دی کہ یہ اس شخص کی روح ہے جو امانت میں خیانت کرتا تھا۔ اس کے بعد میں نے ایک مرد کو لٹکا ہوا دیکھا جس کے اردگرد ستر دیو کھڑے تھے اور بجائے تازیانہ کے اس کو سانپوں سے مار رہے تھے اور سانپ دانتوں سے اس کا گوشت نوچ رہے تھے۔ سروش اشو نے کہا کہ یہ وہ بادشاہ ہے جو سزا دے کر لوگوں سے تحصیل وصول کرتا تھا۔ ایک اور شخص کو دیکھا جس کا منہ کھلا اور زبان لٹکی ہوئی تھی، اس کے جسم سے سانپ اور بچھو لٹکے ہوئے تھے، کوئی اسے دانت سے کاٹ رہا تھا، کوئی دُم مار رہا تھا۔ سروش نے خبر دی کہ یہ شخص چغل خور تھا اور جھوٹ بول کر لوگوں کے اندر جنگ و فساد پیدا کر دیتا تھا۔ پھر ایک شخص کو دیکھا کہ موذی جانور اس سے لپٹے ہوئے تھے لیکن اس کے ایک پیر کو کوئی تکلیف نہیں پہنچاتے تھے۔ سروش نے خبر دی کہ یہ ایک کاہل کی روح ہے جس نے دنیا و آخرت کا کوئی کام نہیں کیا۔ ایک راستے میں جا رہا تھا کہ ایک بکری کو بندھا ہوا دیکھا جس کا منہ گھاس تک نہیں پہنچتا تھا۔ کاہل نے اسی پاؤں سے بکری کے پاس گھاس ڈال دی، اس وجہ سے اس نیک عمل کے بدلے اس کے پاؤں کو تکلیف نہیں پہنچاتے۔ پھر میں نے ایک اور شخص کو دیکھا جس کی زبان پتھر پر رکھی ہوئی تھی اور دوسرے پتھر سے اس کو کاٹ رہے تھے۔ سروش نے کہا کہ یہ دروغ گو اور جھوٹا آدمی ہے جس کی غلط بیانی سے مخلوق نقصان برداشت کرتی تھی۔ اس کے بعد ایک عورت کو دیکھا جس کے پستانوں کو دیو چکی کے پاٹ کے نیچے رکھ کر پیس رہے تھے۔ سروش اشو نے بتلایا کہ یہ عورت دوا کے ذریعے اسقاطِ حمل کراتی تھی۔ پھر ایک مرد کو دیکھا جس کے ساتوں اعضائے جسمانی میں کیڑے پڑے ہوئے تھے۔ سروش نے خبر دی کہ یہ شخص جھوٹ بول کر گواہی فروخت کرتا تھا اور اس پیسے سے روزی فراہم کرتا تھا۔ بعد ازاں میں نے ایک شخص کو دیکھا جو مردے کا گوشت کھا رہا تھا اور انسانوں کا خون پی رہا تھا۔ سروش نے بتایا کہ یہ اس کی روح ہے، جس نے ناجائز طریقے سے روپیہ جمع کیا تھا۔ پھر میں نے ایک گروہ کو دیکھا، جن کے چہرے زرد، جسم بوسیدہ اور اعضاء میں کیڑے بھرے پڑے تھے۔ سروش اشو نے کہا کہ یہ ابلیس

Marfat.com

جیسی خصلت والے منافق ہیں جن کے دل زبان کے مطابق نہ تھے۔ یہ بہترین دین کے لوگوں کو بُرے راستے پر لے جاتے تھے اور خود کو دین اور اصول سے آزاد کیے ہوئے تھے۔ پھر میں نے ایک شخص کو دیکھا جس کے اعضا کو دوزخ کے کتے پھاڑ رہے تھے۔ سروش نے بتلایا کہ یہ شخص بری اور بحری کتوں کو مار ڈالتا تھا۔ بعدازاں میں نے ایک عورت کو دیکھا جس کو آگ کے محافظین نے برف میں ڈال رکھا تھا اور اسے مار رہے تھے۔ سروش اشو نے خبر دی کہ یہ عورت سر میں کنگھی کرتی تھی اور اس کے بال کو آگ میں ڈال دیتی تھی۔ پھر ایک عورت کو دیکھا جو اپنے جسم سے کٹاری کے ذریعے گوشت نوچتی تھی اور اسے کھالیتی تھی۔ سروش نے بتایا کہ یہ جادوگر عورت ہے جو لوگوں پر جادو کرتی تھی۔ پھر ایک شخص کو دیکھا، جس کو دیو مار مار کر خون، گوشت اور پیپ کھانے کے لیے دیتے تھے۔ سروش نے کہا کہ یہ شخص لاش، پیپ، ناخن اور بال کو آگ اور پانی میں ڈال دیا کرتا تھا۔ پھر میں نے دیکھا کہ ایک شخص مردہ انسان کا گوشت و پوست کھا رہا تھا۔ سروش نے بتایا کہ یہ شخص مزدوروں کو ان کی مزدوری نہیں دیتا تھا۔ اس کے بعد میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ، جس کی پشت پر ایک پہاڑ تھا اور اس بوجھ کے ساتھ اس کو ڈرا کر پالے اور برف کے اوپر چلا رہے تھے۔ سروش نے کہا کہ یہ زانی ہے، جو شوہروں کے پاس سے ان کی بیویوں کو اٹھا لے جاتا تھا۔ پھر چند بدنصیبوں کو دیکھا جو گردن تک برف اور پالے میں ڈوبے ہوئے تھے اور ہر ایک کے سامنے خون، بال اور نجاستوں کا ایک پیالہ تھا، جسے گھونسے اور ڈنڈے کے ڈر سے مجبوراً پی رہے تھے۔ سروش نے خبر دی کہ یہ وہ لوگ ہیں جو بتر دین یعنی دین کے مخالفوں کے ساتھ حمام میں جاتے تھے اور اس نجس اور ناپاک حمام میں اپنا سر اور جسم دھوتے تھے۔ اس کے بعد ایک آدمی کو دیکھا جو پہاڑ کے نیچے دبا ہوا فریاد کر رہا تھا۔ سروش نے کہا کہ اس نے لوگوں پر بھاری ٹیکس لگائے اور بُری رسمیں قائم کیں، نیز لوگوں کو نقصان پہنچاتا تھا۔ پھر ایک شخص کو دیکھا جو اپنی انگلی اور ناخن سے پہاڑ کھود رہا تھا اور نگران اس کو سانپ اور کالے ناگ سے مار رہے تھے۔ سروش نے کہا کہ یہ وہ شخص ہے جس نے لوگوں کی زمین دبالی تھی۔ جب تک وہ زمین اور جگہ باقی رہے گی، سزا کے طور پر اس کی روح بھی اسی حال میں قائم رہے گی۔ اس کے بعد ایک شخص کو دیکھا جس کے جسم اور کندھے کے گوشت کو لوہے کے کنگھے سے چھیل رہے

Marfat.com

تھے، سروش نے خبر دی کہ یہ شخص وعدہ خلافی اور عہد شکنی کرنے والا تھا۔ بعدازاں چند لوگوں کو دیکھا، جن کے ہاتھ اور پاؤں کو ڈنڈے اور لوہے کے گرز وغیرہ سے کوٹ رہے تھے۔ سروش نے بتایا کہ وہ وعدہ خلافی کرنے والے ہیں اور دروندان یعنی دین کے مخالف لوگوں سے دوستی رکھتے تھے۔

پھر سروش اشواوراردی بہشت مجھ کو اس سرائے رنج وغم سے گروتمان یعنی خلد بریں اور جنتِ اعلیٰ میں لائے جسے مینوان مینو کہتے ہیں۔ وہاں میں نے خدا کا نور اور تجلی دیکھی اور بے خود ہو گیا اور ایک روح پرور آواز میرے کان میں آئی کہ چونکہ تو نے بہترین دین کے موافق گفتار و کردار سے نیز عقل کی مدد اور زور سے ان دیوتاؤں کو جو جسم کے اندر شکست دی ہے، اس لیے اس مرتبہ پر پہنچا۔ پھر سروش نے میرا ہاتھ پکڑا اور کہا کہ جو کچھ تو نے سنا ہے، اسے لوگوں کو بتا دینا۔ بعدازاں مجھے نیچے لایا اور بہشت میں پہنچایا۔ وہاں چند روحیں استقبال کے لیے آئیں۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے عزیز واقارب سے ان اسرار کو بیان کر دینا تا کہ گناہ سے پرہیز کریں۔ پھر میں ماہ پایہ (چاند کی منزل) میں آیا۔ وہی باتیں یہاں بھی کہی گئیں۔ اس کے بعد دو ہمراہیوں کے ساتھ میں ستاروں کی منزل میں آیا۔ کچھ روحیں استقبال کو آئیں اور کہا کہ ہمارے عزیزوں کو نصیحت کرنا کہ یشت ویزش یعنی دعائیں پڑھتے رہیں اور نوزوداور زنار باندھنے کی رسم پر مضبوطی سے قائم رہیں۔ اگر ہم لوگ دعائیں پڑھتے اور نوزود کی رسم ادا کرتے تو اس درجے میں نہ رہتے بلکہ بہشت میں پہنچ گئے ہوتے۔ دوسرا گروہ آیا جس نے کہا کہ لوگوں سے کہہ دینا کہ دوسرے کی زوجہ پر نظر نہ ڈالیں اور کسی پر بہتان نہ لگائیں، ورنہ ہماری طرح اسی جگہ رہ جائیں گے۔ ہم لوگ اسی درجے میں باقی رہیں گے، یہاں تک کہ عورت کا شوہر دنیا سے یہاں آئے گا۔ اگر وہ ہم سے راضی ہو جائے گا تو شاید ہم لوگ نجات پا جائیں۔ پھر سروش اور اردی بہشت مجھے عالمِ سفلی میں لائے اور مجھ کو رخصت کیا''۔ (دبستانِ مذاہب، ص: ۱۱۴ تا ۱۲۰)

رسالتہ التوابع والزوابع

ابو عامر احمد شہید اندلسی (۴۲۶ھ) کے ''رسالتہ التوابع والزوابع'' میں شعراوادبا کی ارواح کی ملاقات کے پردے میں ان کی کتب اور دواوین کا ذکر ہے۔ روحانی سیر کی چند جھلکیاں اس کتاب میں دیکھی جا سکتی ہیں۔

یہ رسالہ کسی ایک جگہ مکمل حالت میں نہیں ملتا بلکہ اس کا بیشتر حصہ ذخیرہ ابن بسام کی پہلی جلد کی القسم الاوّل میں صفحہ نمبر ۲۱۰ کے بعد ملتا ہے اور اسی حصے کو بطرس البستانی نے ایک مستقل کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے۔ جس میں ابن شہید کے بارے میں بھی تفصیلات موجود ہیں۔ یہ ایک خیالی قصہ ہے جس میں ابن شہید جنات کی دنیا میں پہنچتا ہے اور وہاں شعرا و ادبا شیاطین سے مباحثے ہوتے ہیں، نقد و شعر کی محفلیں جمتی ہیں۔ ان محفلوں میں وہ ادب و شعر کے بارے میں اپنی آرا پیش کرتا ہے، اپنے مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیتا ہے اور اس طرح اپنے فن کا دفاع کرتے ہوئے یہ ثابت کرتا ہے کہ وہی میدانِ ادب کا شاہ سوار ہے۔ اُس نے اِس کہانی کا نام ''التوابع والذوابع'' اس لیے رکھا کہ توابع، تابع کی جمع ہے جس کا مطلب ہے جن یا پری جو انسان کا ہر وقت اور ہر جگہ پیچھا کرتی ہے اور زوابع، زوبعۃ کی جمع ہے جس کا مفہوم جنوں کا سردار ہے۔

یہ کہانی خطوط کے ایک سلسلے کی شکل میں ہے جو ایک ایسے فرضی شخص کے نام لکھے گئے جس کی کنیت ابوبکر ہے۔ پہلے خط میں وہ اپنا تعارف کرواتا ہے کہ اس نے کہاں آنکھ کھولی، کہاں پرورش پائی اور تعلیم حاصل کی اور کس طرح وہ اپنے محبوب کی وفات پر شعر کہنا چاہتا تھا لیکن چند اشعار کے بعد وہ اپنے جذبات کے اظہار سے عاجز آ گیا۔ اسی دوران میں اس کی ملاقات ایک پری سے ہوگئی جس نے شعر کہنے میں اس کی مدد کی اور پھر غائب ہوگئی۔ اس کے بعد جب بھی اسے اس پری کی ضرورت پڑتی وہ انہی اشعار کو پڑھتا اور وہ ظاہر ہو جاتی اور پھر ایک بار ابن شہید اس سے پوچھتا کہ کیا وہ اس کی ملاقات عالمِ ارواح میں قدیم شعرا و ادبا سے کروا سکتی ہے، وہ اس پر تیار ہو جاتی ہے اور ابن شہید کو اپنے گھوڑے پر سوار کروا کے جنات کی دنیا میں لے جاتی ہے جہاں قدیم شعرا کی روحیں موجود ہوتی ہیں ان میں امراؤالقیس، طرفۃ، قیس بن الخطیم، ابوتمام، بحتری، ابونواس اور ابوالطیب وغیرہ سے ملاقات ہوتی ہے۔ ان کے علاوہ جاحظ اور عبدالحمید الکاتب سے مذاکرات ہوتے ہیں جن کے سامنے وہ اپنے فن پارے پیش کرتا ہے اور داد تحسین وصول کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ عالمِ حیوانات اور عالمِ طیّور کی سیر کرتا ہے اور ان کی زبان میں عشق و محبت کی داستانیں سنتا ہے اور بعض لُغوی بحثیں بھی ہوتی ہیں۔

یہ گُمان کیا جاتا ہے کہ ابوعامر کا یہ رسالہ، ابوالعلا کے رسالۃ الغفر ان سے متاثر ہو کر لکھا گیا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابوالعلا نے آخرت کے بعد جنت اور دوزخ کو اپنا میدان بنایا جب کہ ابن شہید نے عالمِ جنات کو اپنے لیے منتخب کیا ہے۔ ایک اور فرق یہ بھی ہے کہ ابوالعلا نے فلسفیانہ مسائل اور دینی موضوعات پر بحث کی ہے جبکہ ابن شہید نے زیادہ تر ادبی امور کو موضوعِ بحث بنایا ہے۔ بعض اصحاب کا یہ بھی خیال ہے کہ ابن شہید نے یہ رسالہ واقعہ معراج سے متاثر ہو کر لکھا۔

Marfat.com

رسالہ معراجیہ

روح کی سیر کے بارے میں بوعلی سینا (۴۲۸ھ) کے دو رسالے، ''رسالتہ الروح'' اور ''رسالتہ الطیر'' حکیمانہ مباحث کے حامل ہیں۔ ''رسالتہ الطیر'' میں معراج کا اطلاق پرندوں کی پرواز پر کیا گیا ہے۔اس میں شیخ الرئیس نے گناہگاروں کی روحوں کے عروج کا احوال علامتی طور پر بیان کیا ہے جو دنیاوی بندھنوں کو توڑ کر آٹھ پہاڑوں کی بلندی کو عبور کر کے خالقِ مطلق کی طرف پرواز کرتے ہیں۔

معراج کے حوالے سے ان کی سب سے اہم تصنیف ''رسالہ معراجیہ'' ہے جو فارسی زبان میں لکھی گئی۔ یہ رسالہ نہ صرف معراج النبی ﷺ کی جزیاتی تفصیل ہے بلکہ نہایت عالمانہ، فلسفیانہ اور متصوفانہ تاویل بھی ہے۔ شیخ الرئیس لکھتے ہیں:

> ''حضور ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ مجھے معراج خواب اور بیداری کے درمیان ہوئی تو اس سے اُن کی مراد یہ تھی کہ زیادہ عرصہ ہوا جب سے میں حقائق کے ادراک کا خواہش مند تھا۔ میں خواب اور بیداری کے درمیان تھا یعنی عقل اور حس کے درمیان۔ میں علم کے سمندر میں کود پڑا۔ وہ رات کڑک اور بجلی والی تھی یعنی عالمِ بالا کی ساتوں امدادیں غالب تھیں۔۔۔ پیغمبر ﷺ نے فرمایا کہ جبرئیل خوبصورت شکل میں نازل ہوئے۔ ایسی شان اور روشنی اور عظمت کے ساتھ کہ گھر روشن ہو گیا یعنی روحِ قدسی کی قوت، حکم کی شکل میں مجھ سے مل گئی اور اس نے ایسا ظاہر کیا کہ نفسِ ناطقہ کی ساری قوتیں اس کی وجہ سے تازہ اور روشن ہو گئیں۔۔۔'' (دبستانِ مذاہب، ص ۳۶۳)

رسالتہ الغفران

اسلامی ادب میں فنی نوعیت کی پہلی کتاب عباسی عہد کے مشہور عربی نابینا شاعر ابوالعلا معریٰ کی ''رسالتہ الغفران'' ہے۔ معریٰ کا اصل نام احمد بن عبداللہ بن سلیمان تھا۔ شام کی ایک نواحی بستی ''معرۃ النعمان'' میں ۳۶۳ھ/۹۷۳ء میں پیدا ہوا اور وہیں ۱۳ ربیع الاول ۴۴۹ھ/۲۰ مئی ۱۰۵۷ء میں وفات پائی۔ المعریٰ چار برس کا تھا کہ چیچک کے حملے سے اس کی بائیں آنکھ جاتی رہی اور پھر کچھ مدت کے بعد وہ دوسری آنکھ سے بھی محروم ہو گیا۔ اس کی تصنیفات بے شمار ہیں جو اس نے ابوالحسن علی بن عبداللہ اصفہانی کو املا کرائیں۔ آزاد خیالی، سماجی طنز، قنوطیت اور حکمت آفرینی معریٰ کے کلام کے بنیادی موضوعات ہیں۔ اس کی تصانیف میں ''رسالتہ الغفران'' کو بہت شہرت ملی۔ معریٰ کا یہ رسالہ عالمانہ ضرور ہے تاہم اس میں رموز و علامات کا وہ نظام مفقود ہے جو اس کے مقلدین میں پایا جاتا ہے۔ راسخ العقیدہ مسلم علما تو اس رسالہ کے مندرجات کو الحاد و زندقہ قرار دیتے ہیں تاہم اس میں کوئی شک

Marfat.com

نہیں کہ دانتے کی طربیۂ خداوندی کے مطالب، اسلوب اور ترتیبِ واقعات پر اس رسالہ کے زبردست اثرات ہیں۔ یہ رسالہ جو کامل تحقیق وشرح کے ساتھ قاہرہ سے ۱۹۵۰ء میں شائع ہوا۔ اس نے الوزیر المغربی کے بیٹے کے معلم ابومنصور علی بن القارح الحلبی (۹۶۲ء-۱۰۳۰ء) کے خط کے جواب میں تصنیف کیا۔ اس رسالے کے دو حصے ہیں۔ پہلا حصہ رسالۃ الغفران ہے جس میں ابوالعلا قرآنِ پاک کی ایک آیت (کیا آپ نے نہیں دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے پاکیزہ بات کی مثال کس طرح بیان فرمائی، مثل ایک پاکیزہ درخت کے جس کی جڑ مضبوط ہے اور جس کی ٹہنیاں آسمان میں ہیں) (۱۴:۲۴) کے ذریعے ابن قارح کو عالمِ عقبیٰ کی سیر کراتا ہے۔ دوسرا حصہ گویا پہلے حصے کا جواب ہے اور اس میں بالخصوص زنادقہ کے متعلق بہت سی معلومات ملتی ہیں۔

اس کتاب کا سببِ تصنیف معریٰ کی آزاد خیالی اور بعض لوگوں کے نزدیک الحاد وزندقہ ہے۔ ابوالقارح نے ایک خط میں اس سے ملحد اور بے دین ہونے کا استہزا کرتے ہوئے ان شعرا وادبا کو عتابِ خداوندی کا مستوجب قرار دیا تھا جنہوں نے گناہوں سے گریز نہیں کیا اور غیر اخلاقی زندگی بسر کی۔ اس کے جواب میں معریٰ اپنے رسالے کے ذریعے ایسے شاعروں اور ادیبوں کو واصلِ جنت دکھاتا ہے اور کہتا ہے کہ گنہگار غفران اور بخشش کے مستحق ہیں۔ رسالۃ الغفران میں معریٰ نے جنت، جہنم اور اعراف کا وہی تصور پیش کیا ہے جو اسلامی قصص اور روایات میں ملتا ہے لیکن عالمِ عقبیٰ کی سیر کے بارے میں یہ موضوع اس کے اپنے تصور وتخیل کا ثمرہ ہے۔

تمہید میں معریٰ لکھتا ہے کہ دینِ اسلام کے دفاع کے طفیل اللہ تعالیٰ نے ابوالقارح کو عالمِ علوی میں بلند کیا۔ سب سے پہلے وہ ایک باغ میں پہنچتا ہے جسے گھنے اور ثمردار درختوں نے ڈھانپ رکھا ہے، ان درختوں کے سائے میں تابعین آرام کررہے ہیں، پانی، دودھ، شراب اور شہد کی نہریں بہہ رہی ہیں، ادیب اور شاعر بھی دُنیاوی چشمکوں اور مناقشوں سے آزاد ہوکر یہاں آرام وسکون کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ شاعر، داستان گو، صرفی ونحوی، نقاد اور فلسفی نہایت دوستانہ انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ تبادلۂ خیال کررہے ہیں۔۔۔ یہاں ابوالقارح، ابوعبیدہ کی آواز سنتا ہے جو عہدِ قدیم کی بہادری کی داستانیں سنا رہا ہے۔ یہیں اس نے مشہور نحوی الاصمعی کو دیکھا جو قدیم شعرا کے اشعار سُنا رہا ہے۔ ابوالقارح ان لوگوں میں شامل ہوجاتا ہے۔۔۔ لیکن جلد ہی ایک اونٹ پر سوار ہوکر جنت کی سیر کو روانہ ہوجاتا ہے۔ ایک مقام پر اس کی ملاقات دورِ جاہلیت کے شاعر میمون الاعشیٰ سے ہوتی ہے جو بتاتا ہے کہ چونکہ اس نے ایامِ جاہلیت میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کے عہدِ سعادت کی پیشین گوئی کی تھی اس لیے آپ ﷺ کی شفاعت سے اسے معاف کردیا گیا اور جنت کا سزاوار ٹھہرایا گیا۔ اس کے بعد ابوالقارح کی

Marfat.com

ملاقات عہدِ جاہلیت کے بعض بے دین شعراً سے ہوتی ہے جنہیں رحمتِ خداوندی نے عذابِ دوزخ سے بچالیا۔ ان سب شعرا اور ادبا کے ساتھ وہ ادبی اور فنی موضوعات پر مفصل گفتگو کرتا ہے۔ اسے جنت میں اس کا ٹھکانا دکھایا جاتا ہے۔ بہت جلد اس کی ملاقات دو روحوں سے ہوتی ہے، جو پرسشِ احوال پر حلب کی دو بدنصیب اور بدصورت عورتیں ثابت ہوتی ہیں، جنہیں ان کے اچھے اعمال کے صلے میں جنت میں بھیجا گیا۔ ایک مرحلے پر ابوالقارح کے دل میں دوزخ کی سیر کرنے کا خیال پیدا ہوتا ہے۔ یہ اس کے سفر کا دوسرا مرحلہ ہے۔ دوزخ میں اس کی ملاقات خنسی سے ہوتی ہے یہاں تک کہ ابلیس کے ساتھ بھی اس کا مکالمہ ہوتا ہے۔ یہیں پر ابوالقارح کی ملاقات دورِ جاہلیت کے سب سے بڑے شاعر اُمرا القیس سے ہوتی ہے۔ دوزخ سے واپسی پر ایک مقام پر اس کی ملاقات حضرت آدمؑ سے ہوتی ہے۔ ابوالقارح ان سے بعض عربی اشعار کے بارے میں استفسار کرتا ہے جو ان سے منسوب ہیں، حضرت آدمؑ فرماتے ہیں اگرچہ میں جنت میں عربی بولتا تھا لیکن دنیا میں میری زبان سریانی تھی۔ کئی تفصیلات کے بعد وہ حور و غلمان سے ملتا ہے جو اس کی خدمت پر مامور ہوتے ہیں، ان کی مدد سے وہ ایک طلائی رتھ پر سوار ہو کر خلدِ بریں میں اپنے مسکن میں جا پہنچتا ہے۔

مسافرتِ روحانی

مرتضٰی ابن شہ زوری موصلی (متوفی ۵۱۱ھ) کے قصیدہ ''مسافرتِ روحانی'' سے چند اشعار بطور نمونہ یہاں درج کیے جا رہے ہیں جسے ابن خلکان نے اپنی کتاب ''وفیات الاعیان'' میں نقل کیا تھا۔ اس کا موضوع بھی سیرِ آفاق ہی ہے:

لـمحت نارهم وقد عَسعسَ الليلُ وملَّ الحادي وحار الدليل
فتـأ مـلتهـا وفـكـري مـن البيـنِ عليل ولحظ عيني كليل
وفـؤادي ذاك الـفؤادُ المعنّى وغرامي ذاك الغرام الدخيل
ثـم قـابـلتُهـا وقـلـت لـصحبي هذه النارُ نار ليلى فميلوا
فـرَمَـوْا نحو ها لحاظاً صحيحاتٍ فعادت خواسِئاً وهي حوُل
ثـم مـالـوا إلـى الـمـلام وقـالـوا خُلّب''مـارأيت أم تخييل
فـتـجـنبتهـم ومـلـت إلـيهـا والهوى مركبي وشوقي الزميل
ومـعـي صـاحـب أتـى يَـقْتَفِـي الآثار والحب شرطه التطفيل
وهـي تـعـلـو ونـحـن نـدنـو إلـى أن حجزت دونهـا وغليل
قـلـت: مـن بـالـديـار ؟قـالـوا: جريع وأسير مُكبَّل وقتيل

Marfat.com

ماالذي جئت تبتغي ؟قلت: صيف جاء يبغى القبرى فائن النزول

فآشارت بالوجبِ دونک فاعقرها فما عندنا لضيفٍ رحيل

مِن اتانا ألقى عصا السير عنه قلت: منلي بهاوأين السبيل

فحططنا اِلى منازل قومِصرعتهم قبل المذاق الشمول

جئت كي أصطلي فهل لي اِلى تاركم هذه الغداة سجيل

فأجابت شواهد الحالِ عنهم كل جدٍّمن دونها مفلول

لا تروقنّک الرياض الأ نيقات فمن دونها رُبىً ودحول

كمأتاها قوم على غِرّةٍ منها وراموا اُمراً فعزَّ الوصول

نارنا هذا تضي لمن يسّري بليلٍ لكنها لا تنتيل

منتهى الحظ ماتزود منها اللحظ والمدركون ذاك قليل

(ان کی آتش فروزاں تھی جبکہ رات تیرہ وتار تھی اور حدی خواں ملول اور راہنما حیرت زدہ تھا۔ میں نے آگ کو بغور دیکھا، گومیری فکر جدائی کے باعث بیمار اور میری تارِنگاہ کمزور پڑ گئی تھی، میرا قلب، قلبِ مطلوب اور میرا عشق، عشق موَثر تھا۔ پھر میں اس کے سامنے آیا اور اپنے احباب سے کہا یہ آگ میری آج شب کی آگ ہے اس کی طرف توجہ دو! انہوں نے اس طرف سیدھی نگاہیں ڈالیں لیکن وہ بھینگی اور کمزور ہو کر پلٹیں۔ پھر وہ مجھے ملامت کرنے لگے کہ تو نے جو دیکھا تھا وہ نمودِ غبار تھا یا پیکرِ تخیل؟ میں نے انہیں چھوڑ دیا اور خود اس کی طرف مائل ہوا، اس حالت میں عشق میرا مرکب تھا اور شوق میرا رفیقِ سفر۔ میرے ساتھ ایک ہم نشین چلا جو نشانات اور علامات کا تعین کرتا تھا۔ آہستہ خرامی ہی محبت کی شرط ہے۔ آگ بلند تر ہوتی جا رہی تھی اور ہم دونوں اس کے قریب تر ہوتے جا رہے تھے تا آنکہ کچھ ٹیلے درمیان میں حائل ہو گئے۔ ہم ٹیلوں کے نزدیک ہوئے تو درازنفسی اور محبت کی آتش فروزاں آڑے آ گئی۔ میں نے پوچھا بستی میں کون ہے؟ جواب آیا: نیم بسمل، اسیر، پابہ زنجیر اور عاشق۔ تم کیا ڈھونڈنے آئے ہو؟ میں نے کہا مہمان ہوں ضیافت کا طالب، ٹھہروں کہاں؟ اس نے اشارہ کیا کہ میرے پاس بہت کشادہ جگہ ہے وہیں ٹھہرو۔ مہمان کے پاس ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ ہمارے پاس جو آتا ہے عصائے سفر رکھ دیتا ہے۔ میں نے کہا میں کیا کروں اور کہاں جاؤں۔ ہم ایسے لوگوں کے گھروں میں اُترے

Marfat.com

تھے جنہیں بادِ شمال نے پہلے ہی پچھاڑ دیا تھا۔ میں نے کہا اے گروہِ عشاق! تم پر سلام ہو۔ میرا دل تمہارے احوال میں مشغول ہے۔ میں تمہارے پاس آگ تاپنے آیا ہوں۔ کیا آج صبح تمہاری آگ پر میرے لیے کوئی گنجائش ہے؟ انہوں نے زبانِ حال سے جس کی تیزی کے سامنے تمام تیزیاں کند تھیں، مجھے جواب دیا: شاندار باغوں سے دھوکہ نہ کھا جانا۔ ان کے راستے میں کئی ٹیلے اور گڑھے ہیں۔ ان کی رعنائی کو دیکھ کر کتنے لوگ پختہ عزم لے کر آئے لیکن دان تک نہ پہنچ سکے۔ ہماری آگ رات کے راہگیروں کے لیے روشنی مہیا کرتی ہے، لیکن وہ حدِ نگاہ کو نہیں پہنچتی، اور حدِ نگاہ تک پہنچنے والے ہوتے بھی کم ہیں۔'' (بہ حوالہ، جاوید نامہ۔ تحقیق و توضیح، ص: ۲۲ تا ۲۴)

حیٔ بن یقظان

''حیٔ بن یقظان'' ایک ایسا فلسفیانہ رومان ہے جس میں بقول پروفیسر محمد شریف: ''ابنِ طفیل یہ ثابت کرتا ہے کہ وحی کی مدد کے بغیر بھی انسان علم فطرت اور اس کے ذریعے خدا کا علم حاصل کر سکتا ہے۔'' (مقالاتِ شریف، ص ۱۳۹)

ابو بکر محمد بن عبدالملک بن محمد بن محمد بن طفیل القیسی، ۴۹۴ھ/۱۱۰۱ء کو وادی آش غرناطہ میں پیدا ہوا۔ اسے حاکمِ وقت ابو یعقوب کے ہاں بڑا اثر و رسوخ حاصل تھا۔ اس نے ۵۸۱ھ/۱۱۸۶ء میں مراکش میں وفات پائی۔ اس کی ایک ہی دستیاب تصنیف ''حیٔ بن یقظان'' ہے جس میں اس نے اپنے فلسفیانہ خیالات کو ایک داستان کی شکل میں بیان کیا ہے۔ حیٔ بن یقظان کی زبان سرتاسر رمزی ہے اور اس سے مقصود اس امر کی تشریح ہے کہ فلسفہ کی غرض و غایت ہے ذاتِ الٰہی سے اتحاد و اتصال۔ انسان کے اندر یہ صلاحیت موجود ہے کہ صفائے خاطر اور نورِ بصیرت سے اس مقام پر جا پہنچے جہاں ادراکِ حق کے لیے قیاس و استدلال غیر ضروری ہو جاتا ہے۔'' (اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اوّل، ص: ۵۸۲)

معروف تاریخ دان المراکشی کے بقول حیٔ کی کہانی دراصل داستانِ انسانیت ہے۔ بنی نوع انسان کے تہذیبی، علمی اور مذہبی ارتقا کی روداد ہے جو بتدریج خدا کے تصور تک پہنچتی ہے جبکہ محمد یونس فرنگی کے مطابق ابن طفیل کا مقصد یہ واضح کرتا ہے کہ ایک ترقی پذیر معاشرے کے لیے مذہب اتنا ہی ضروری ہے جتنا سائنس اور فلسفہ۔''

اس مشہورِ عالم تصنیف میں نقل، عقل اور کشف کے باہمی ربط کو ایک ایسے انسان کی سرگزشت کے پیرائے میں بیان کیا گیا ہے جو ایک غیر آباد جزیرے میں تنہا پرورش پاتا ہے اور خارج سے کچھ اخذ کیے بغیر محض اپنی ذاتی اور فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر علم اور معرفت کے اعلیٰ مدارج پر فائز ہو جاتا

Marfat.com

ہے۔ یہ فلسفیانہ رومان اسلامی تہذیب وتمدن کے بنیادی عناصر کی نہایت موثر اور دلچسپ تمثیل ہونے کے ساتھ ساتھ صرف عربی کا ہی نہیں بلکہ عالمی ادب کا شاہکار ہے جو انسان کو خود آ گاہی بخشتا ہے اور عقل سلیم کے ساتھ دین اور معرفتِ الٰہی کی مطابقت کا یقین دلاتا ہے۔

حیؑ بن یقظان کو قرونِ وسطیٰ کی تصانیف میں یکتا مقام حاصل ہے۔ پال برونل کے الفاظ میں: ''اس نے بہت کم عرصے میں عامتہ الناس کی توجہ اپنی جانب مبذول کرالی اور اس میں دنیا کی دلچسپی ہنوز ختم نہیں ہوئی۔'' بہت سی یورپی زبانوں میں اس کے تراجم ہوئے۔ ایڈورڈ پوکوک نے سب سے پہلے اس کا لاطینی ترجمہ کیا جو ۱۶۷۱ء میں عربی متن کے ساتھ شائع ہوا۔ جدید تحقیق کے مطابق مشہور انگریزی کلاسک ''رابنسن کروسو'' کا خیال حیؑ بن یقظان سے ماخوذ ہے۔

حیؑ بن یقظان کی کہانی کچھ یوں ہے:

''ایک دور افتادہ ویرانِ جزیرے میں نوزائیدہ بچے ''حیؑ'' کی پُراسرار آمد سے کہانی کا آغاز ہوتا ہے۔ یہی ''حیؑ بن یقظان'' کا مرکزی کردار ہے۔ وہ کون تھا، اس کے والدین کہاں کے رہنے والے تھے اور وہ کیسے اس جزیرے میں نمودار ہوا؟؟؟ ان سب سوالات کے جوابات میں ابن طفیل معنی خیز خاموشی اختیار کرتا ہے، شاید اس لیے کہ انسان کی اس زمین پر آمد بھی ایسی ہی پُراسرار دُھند میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ویران جزیرے میں ''حیؑ'' کو ایک ہرنی کی مادرانہ شفقت ملتی ہے۔ دنیا کے ہنگاموں سے دور حیؑ حیوانوں کی صحبت میں پلتا بڑھتا ہے۔ فطری عقل اس کی راہبر ہے اور جانور اس کے رفیق۔ جوں ہی اسے شعور حاصل ہوتا ہے وہ اپنے تن کو پتوں سے ڈھانپتا ہے اور سوکھی لکڑیوں کی چھڑیوں کو بطور ہتھیار استعمال کرنا شروع کرتا ہے۔ اسی اثنا میں ایک حادثہ اس کی زندگی میں رونما ہوتا ہے۔ اس کی غزال مادر اس جہانِ فانی سے کوچ کر جاتی ہے۔ اس کی سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ سب کچھ کیوں اور کیسے ہوا؟؟ وہ حیرانی و پریشانی اور غم وغصے کے عالم میں کئی دن تک ہرنی کے مردہ جسم کے پاس بیٹھا رہتا ہے۔ پھر وہ اضطراب کے عالم میں ادھر اُدھر گھومنا شروع کر دیتا ہے۔ ایک جگہ وہ دیکھتا ہے کہ دو کوے آپس میں لڑتے ہیں۔ ایک کوا دوسرے کو مار دیتا ہے اور پھر اپنی چونچ سے گڑھا کھود کر اسے زمین میں دفن کر دیتا ہے۔ حیؑ بھی اسی طرح اپنی غزال مادر کو سپردِ خاک کرنے کی سوچتا ہے۔ وہ ایک نوکیلے پتھر سے مردہ ہرنی کا جسم چیرتا ہے۔ اس قطع بُرید سے اسے ''علم الابدان'' حاصل ہوتا ہے اور وہ

معلوم کرلیتا ہے کہ جسم کا مرکزی عضو دل ہے جس کی حرکت بند ہو جانے سے جسم سرد ہو جاتا ہے اور موت واقع ہو جاتی ہے۔ کوّوں کی تقلید میں حیّ مادر غزال کو زمین میں دفن کر دیتا ہے۔

حیّ کی زندگی میں مزید تبدیلیاں رونما ہوتی ہیں۔ وہ اون کاتنے کا فن سیکھ لیتا ہے۔ ابابیلیں اسے گھر بنانا سکھاتی ہیں۔ وہ پرندوں کو اپنے لیے شکار کرنا سیکھتا ہے، پرندوں کے انڈوں اور مویشیوں کے سینگوں کے استعمال سے آشنا ہوتا ہے۔

اب حیّ ذہنی ارتقا کی دوسری منزل میں قدم رکھتا ہے۔ مشاہدہ اسے سمجھاتا ہے کہ ''جسم'' سب اشیا میں مشترک ہے۔ مگر اس کا ذہن اس کثرت میں وحدت کا متلاشی ہے۔ آخر کار وہ خدا کے تصور تک جا پہنچتا ہے جو کائنات کی رنگارنگی کا سبب اور سرچشمہ ہے۔ یہاں سے حیّ ذہنی سفر کے تیسرے مرحلے میں داخل ہوتا ہے۔ اپنے نفس کے مشاہدے سے یہ خیال اس کے ذہن میں جنم لیتا ہے کہ وہ جسم کے علاوہ کسی روحانی، غیر مادّی حقیقت کا حامل ہے۔ اسی صفت کے سبب وہ خدا کو پہچانتا ہے۔ اس انکشاف کے بعد حیّ اپنے اعمال و افعال کے لیے چند اخلاقی قوانین وضع کرتا ہے یعنی وہ مشاہدۂ نفس سے تزکیۂ نفس کی طرف گامزن ہوتا ہے۔ اس طرح وہ خدا کے قرب جیسے صوفیانہ تجربہ سے ہمکنار ہوتا ہے۔ اس کے بعد ایک اور موڑ حیّ کی زندگی میں آتا ہے۔ ایک تنہائی پسند عبادت گزار ''اصل'' یاد اللہ کے لیے وہاں آتا ہے۔ یہاں اس کی ملاقات حیّ سے ہوتی ہے۔ حیّ پہلے تو اس سے اس کی زبان سیکھتا ہے، پھر اس سے خدا کے بارے میں قرآنی تصوّرات، فرشتوں، پیغمبروں، قیامت اور سزا و جزا کے نظریات کی تعلیم حاصل کرتا ہے اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس کا فلسفہ اور ''اصل'' کا مذہب ایک جیسا ہے۔ اس کے بعد وہ ''اصل'' کی معیت میں اُس کے ملک کے باشندوں کو اسلام کے صحیح مفہوم سے آگاہ کرنے کے لیے وہاں جاتے ہیں مگر انہیں مایوسی ہوتی ہے اور وہ دونوں ویران جزیرے کی طرف لوٹ آتے ہیں۔''

بوستانِ خیال

''بوستانِ خیال'' جسے میر تقی خیال نے فارسی میں لکھا اور اسے کئی مترجمین نے اردو کے قالب میں ڈھالا۔ یہ داستانِ امیر حمزہ کے بعد قابلِ توجہ داستانی روایت ہے۔ اس داستان میں علم نجوم اور علم الافلاک سے بڑی مدد لی گئی ہے۔ اس میں کرہ خاک تا فلک الافلاک کُل اشیاء کو بطریق عالمِ اسباب

Marfat.com

ظاہر کیا گیا ہے اور دونوں دنیاؤں کے نمونے اس عالم میں موجود ہیں۔اس میں عناصر اور سیارگان کی حیثیت رمزی ہے۔

اس داستان میں شہزادے کا گزر منزلِ آبی، منزلِ خاکی، منزلِ ہوائی اور منزلِ آتشی سے ہوتا ہے۔اس داستان میں فرید الدین عطار کی ''منطق الطیر'' کے ''سیمرغ'' کی طرح کے ''مرغِ اسرار'' ہیں علاوہ ازیں ''عنقائے بزرگ'' اور اس کا مسکن ''مدینہ الحکمت'' وغیرہ سب علامتیں ہیں۔مرغِ اسرار کی تلاش کے لیے شہزادے کو اربعہ عناصر کی منزلوں سے گزر کر مختلف اجرامِ فلکی کی منزلوں سے گزرنا پڑتا ہے، چنانچہ شہزادہ پوری کائنات کی نیرنگی کو دیکھتا ہے اور اس کی حقیقت کو پہچان کر اصل حقیقت کی طرف سفر کرتا ہے۔وہ قمر، عطارد، زہرہ، آفتاب، مریخ، مشتری، زحل اور فلک البروج کی منزلوں سے گزرتا ہے۔ہر سیارے کا الگ رنگ اور علیحدہ خصوصیات ہیں۔فلک البروج میں شہزادہ پوچھتا ہے: ''تمہارے بادشاہ کا کیا نام ہے؟ جواب ملتا ہے ''بادشاہ کے نام سے بھی آگاہی نہیں لیکن یہ معلوم ہے کہ کل کائنات کا ایک ہی بادشاہ ہے۔البتہ بادشاہ جس ذاتِ قدسی صفات کا محکوم ہے اس کا طلسمِ عناصر میں عنقائے بزرگ حکمت اور طلسم کواکب میں دری دانش اور طلسمِ کوسی و فلکِ بروج میں گوہر معرفت نام ہے اور طلسم فلکِ اطلس میں شاید کچھ اور خطاب ہوگا۔شاہزادے نے پوچھا: تم نے اس کو دیکھا ہے؟ محفوظ نے کہا: جس حال میں ہم بادشاہ کی صورت سے محروم ہیں پھر اس عالی منزلت کا دیکھنا معلوم۔''

(بوستانِ خیال، تلخیص نادر علی سیفی، جلد سوم، ص ۱۲۷)

بوستانِ خیال سے ایک اقتباس:

''آخر کار منبر نہم کے واعظ کو سلام کیا۔اس نے جواب سلام پوچھا: اے مرد تو کون ہے؟ اور ہم سے تیرا کیا مطلب درپیش ہے؟ شاہزادے نے فرمایا: میں کائناتِ طلسم کا مہمان ہوں اور منزلِ اعلیٰ کا قصد ہے۔واعظ نے تعظیم دی اور مصافحہ کیا بعد ازاں کہا، ہرگاہ تیرا یہ قصد نیک ہے۔یا علی الاعلیٰ کہہ کر شاہزادے نے جو زینہ اوّل پر قدم رکھا وہ اس قدر بلند ہوا کہ آسمانِ اوّل کے قریب پہنچا۔شاہزادے نے جو راست اور چپ نظر کی تمام عالم نور قمر سے منور نظر آیا اور ایک خلقت سبز پوش صاحبِ جمال ذکرِ الٰہی میں مشغول تھی اور ہزار دو ہزار مکانات سبز رنگ چار طرف بنے ہوئے تھے اور ان مکانوں کے غرفہ سے صد ہا نازنیناں ماہ مثال سبز پوش عجب ناز و انداز سے اشارات کو تیز کر رہی تھیں۔واعظ نے کہا: اے جوان! اب تو زینۂ دوم پہ قدم رکھ، شاہزادے نے دوسرے زینے پر قدم رکھا۔دوئم زینہ اوّل زینہ سے زیادہ

تر بلند ہوا۔ وہاں ایک ستارہ کبود رنگ زینہ کے اندر سے نکل کر آسمان پر پہنچا اور اس کے نور سے تمام جہان روشن ہو گیا۔ بعد ازاں زینہ سوم پر قدم رکھا، وہاں سے بھی بدستور ایک ستارہ منور سپید رنگ آسمان پر گیا اور اس کی روشنی میں تمام مکانات سپیدہ و براق نظر آئے اور ہر ایک نازنین زہرہ جبیں جدا جدا اپنے مکان میں یادِ الٰہی کر رہی تھی۔ جب زینہ چہارم پر قدم رکھا، وہاں نورِ آفتاب سے عالم کو روشن پایا اور جو شئے نظر آئی وہ زرد براق تھی۔ قصہ مختصر زینۂ پنجم میں ستارۂ سفید رنگ اور زینۂ ششم میں صندلی رنگ اور زینۂ ہفتم میں سیاہ رنگ نورانی نظر آئے اور سبھی جدا ہو کر آسمان پر پہنچے اور ہر ایک ستارے نے اپنے اپنے رنگ کے نور سے جہاں کو ایسا روشن کیا کہ تمام اشیاء اسی کے رنگ کے مطابق روشن نظر آتی تھیں۔ شاہزادہ قیاساً سمجھا کہ اس مقام میں سیرِ افلاک پر ہیئتِ افرادی تھی۔ بعد ازاں موافق حکم واعظ کے زینۂ ہشتم پر قدم رکھا۔ اس زینے سے کوئی ستارہ نہ نکلا بلکہ ایک عالم کو ستارہ ہائے مختلف الصورت سے گوناں گوں دیکھا اور شہر کرسی وغیرہ تمام شہر حصار چار مثلثہ پیشِ نظر تھے۔ علاوہ ازیں فلکِ قمر سے تا فلکِ زحل زینے کی نشیب میں معلوم ہوئے مگر نشیب فلک موافق ہیئت افلاک تصور کرنا چاہیے۔ اس اثنا میں واعظ نے بآوازِ بلند کہا: اے مہمانِ عزیز! اب تو زینۂ نہم پہ تشریف لانا کہ میں تجھ سے ملاقات کروں۔ شاہزادے نے زینۂ نہم پر قدم رکھا، واعظ نے شاہزادے کو اپنے پہلو میں برابر بٹھالیا اور کہا: اے نوجوان! ہمیں زرد رنگ تیرا عشق کی دلیل ثابت ہوتا ہے۔ پس راست راست حال اپنا ہمارے روبرو بیان کر کہ آیا عشق تیرا حقیقی ہے یا مجازی جس کو خیالِ محض کہتے ہیں؟ شاہزادہ اوّل متامل ہوا، لیکن پھر بہ اعتبار المجاز قنطرۃ الحقیقت واعظ کو جواب دیا کہ عشق میرا حقیقی ہے۔ واعظ نے کہا: آفرین! تو نے معقول جواب دیا۔"

(بوستانِ خیال، تلخیص نادر علی سیفی، جلد چہارم، ص ۱۰۵، ۱۰۶)

شیدوش مجوسی کی سیرِ آفاق

سترہویں صدی عیسوی کے ایک مجوسی شیدوش ابن انوش جو کہ اپنے آپ کو پیغمبر زرتشت کی نسل سے بتاتا تھا اپنا ایک انفس و آفاقی تجربہ دبستانِ مذاہب کے مصنف کیخسرو اسفندیار کو یوں بتاتا ہے:

Marfat.com

''ایک دن نور کے تڑکے دبستان کے اس مصنف سے اُس نے بیان کیا کہ کل کی تاریک رات اپنی روشن روح کی بدولت میں ظاہری جسم چھوڑ کر روانہ ہوا اور نور سے لبریز انوارِ غیبی کے عالم میں پہنچا اور حقیقت کے پردہ داروں نے ساتوں پردے میرے سامنے سے ہٹا دیے۔ چُنانچہ عالمِ ناسوت کو چھوڑ کر اور اس فانی دنیا سے گزر کر میں عالمِ لاہوت میں پہنچا اور نورالانوار کی ہستیِ مطلق کو اس کی چاروں تجلیات یعنی آثاری، افعالی، صفاتی اور ذاتی کے ساتھ میں نے پالیا۔ اس کے بعد یہ ہستی موہوم ناپید ہوگئی اور وجودِ حقیقی بالکل ظاہر ہوگیا۔'' (دبستانِ مذاہب، ص:۵۸)

یوسف درد کا قصہ

دبستانِ مذاہب میں لکھا ہے کہ یوسف درد ایک صاحبِ درد شخص ہے، وہ جوانی میں زاہد تھا اور آخر میں اپنی کوشش کی وجہ سے اس نے عالمِ روحانی کی طرف رسائی حاصل کی اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو حکم ہوا کہ اس سنیاسی کے مریدوں کے زمرے میں داخل ہو جائے جو کشمیر میں قصبہ بارہ مولا میں رہتا تھا اور ریاضت و معرفت میں مشہور و معروف تھا۔ جب وہ اس کی خدمت میں پہنچا تو جس چیز کی اس کو تلاش تھی، اس کو پا گیا۔۔۔ اس نے آفاق اور انفس کے مدارج طے کر لیے اور وہ آثاری سے بہرہ ور ہوگیا چنانچہ اس نے کشمیر میں اس کتاب کے مصنف کو یہ واقعہ سنایا: اُس نے کہا کہ سُلوک کی حالت میں ایک رات میں نے خواب میں دیکھا کہ سارا عالم پانی میں ڈوب گیا ہے اور جانداروں کا کوئی نشان باقی نہیں اور میں بھی پانی میں ڈوب رہا ہوں اسی حال میں، مَیں نے دیکھا کہ ایک شہسوار آ پہنچا جو ایک تیز رفتار گھوڑے پر سوار تھا اور پانی کی سطح پر گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ جب وہ میرے نزدیک پہنچا تو مجھ سے کہا آتا کہ میں تجھ کو نجات دلا دوں۔ میں نے پوچھا تُو کون ہے؟ اُس نے جواب دیا کہ میں واجب الوجود اور ہر چیز کا خالق ہوں۔ پس میں اس کے بازو میں دوڑنے لگا اور پانی کی سطح پہ چلنے لگا یہاں تک کہ میں ایک باغ میں پہنچا۔ جب میں نے اس میں قدم رکھا اور داہنی طرف نظر دوڑائی تو میں نے ایک گلشن دیکھا جو طرح طرح کے پھولوں سے بھرا ہوا تھا۔ اس میں اونچے محلات، حور و قصور، ولدان اور غلمان اور ساری بہشت کی نعمتیں موجود تھیں اور نیک بخت لوگ اس میں عیش و عشرت میں مشغول تھے اور بائیں طرف میں نے بہت سے سیاہ اور تنگ و تاریک کنویں دیکھے جن میں کچھ لوگ چمگادڑ کی طرح لٹکے ہوئے تھے اور بد بخت لوگ اس میں بیڑی پہنے ہوئے تھے۔ باغ کی سیر کرنے کے بعد سوار نے چاہا کہ مجھ کو باہر لائے لیکن میں نے دل میں سوچا کہ مجھ کو چاہیے کہ یہاں سے ادریسؑ کی طرح باہر نہ نکلوں لہٰذا میں دروازے سے چپک گیا اور اس کو مضبوطی سے پکڑ لیا۔ جب میں خواب سے

Marfat.com

بیدار ہوا تو دیکھا کہ میں نے اپنے لبوں کو دونوں ہاتھوں سے مضبوطی سے پکڑ رکھا ہے لہٰذا مجھ پر یہ حقیقت منکشف ہوگئی کہ جو کچھ ہے وہ وجودِ انسانی میں منحصر ہے۔" (دبستانِ مذاہب، ص: ۴۰۴، ۴۰۵)

طلسمِ خیال

نینداور بیداری کے عالم میں مجرد فکر و خیال کی ایک انوکھی کہانی "طلسمِ خیال" کے نام سے لبنانی فلسفی، شاعر اور ادیب خلیل جبران (۱۸۸۳ء۔۱۹۳۱ء) کے قلم سے شاہکار بن کر نکلی۔ یہ کہانی اپنے باطن میں معنی کی متعدد پرتیں رکھتی ہے۔ اسے ہم "طلسمِ معنی" کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ یتھری بظاہر مصنف کی "شریکۂ حیات" ہے تاہم وہ بجائے خود زندگی ہے۔ یہ کہانی زندگی کے تمام تفکرات اور مسرتیں اور شادمانیاں سمیٹے ہوئے ہے۔ اپنی گہری معنویت اور اسلوب وفن کے اعتبار سے یہ خلیل جبران کی فی الواقع ایک شاہکار تخلیق ہے:

"ابھی میں نے جوانی کی منزل میں قدم رکھا ہی تھا کہ نینداور بیداری کے خوابوں میں ایک انوکھی شکل اور نرالی وضع کی عورت کی پرچھائیاں مجھے نظر آنے لگیں، میں اسے رات کی تنہائیوں میں اپنے بستر کے قریب کھڑے دیکھتا اور فضا کی خاموشیوں میں اس کی آواز سنتا تھا۔ کبھی کبھی جب میں اپنی آنکھیں بند کرتا تو مجھے ایسا محسوس ہوتا کہ اس کی انگلیاں میری پیشانی کو مَس کر رہی ہیں۔ میں گھبرا کر ایک دم اُٹھ بیٹھتا اور اپنی سماعت پر تمام تر قوتوں کے ساتھ "لاشے" کی سرگوشیوں پر کان لگا دیتا۔۔۔ میں اکثر اپنے دل سے پوچھا کرتا "کیا میری آوارگیٔ خیال مجھے کہر میں گم کر کے ہی دم لے گی؟ کیا میں نے اپنے خوابوں کے بخارات سے ایک خوبصورت، خوش آواز اور نرم و نازک عورت بنائی ہے کہ وہ اس عالم مادی سے تعلق رکھنے والی جیتی جاگتی عورت کی جگہ لے لے؟ کیا میرا دماغ چل گیا ہے کہ میں نے عقل کی پرچھائیوں سے اپنے لیے ایک رفیقہ کی تخلیق کی ہے جسے میں چاہتا ہوں، جس سے مجھے اُنس ہے، جس پر میں بھروسہ کرتا ہوں، جس سے قریب ہونے کے لیے میں لوگوں سے دور ہو رہا ہوں، جس کی صورت دیکھنے کے لیے اور آواز سننے کے لیے دنیا کی ہر صورت اور ہر آواز کی طرف اپنی آنکھ اور کان بند کر رہا ہوں؟۔۔۔ تو کیا میں دیوانہ ہوں؟ سودائی ہوں؟ جس نے عزلت پسندی پر ہی اکتفا نہیں کی، بلکہ تنہائی کی پرچھائیوں سے اپنے لیے ایک رفیقہ۔۔۔ ایک شریکۂ حیات پیدا کر لی؟ میں نے "شریکۂ حیات" کہا ہے اور تم لوگ اس لفظ پر تعجب کر رہے ہو، لیکن اس عالمِ ہستی سے ماورا کچھ ایسی چیزیں بھی ہیں جن سے ہم صرف متعجب ہی نہیں ہوتے بلکہ انکار بھی کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ ہمیں ناممکنات میں سے نظر آتی ہیں لیکن ہمارا یہ تعجب اور انکار ان کی حقیقت کو محو نہیں کر سکتا جو ہمارے

نفس میں ایک مستحکم عمارت کی طرح قائم ہیں۔ یہ خیالی عورت میری شریکہ حیات تھی جو زندگی کی ہر خواہش، ہر کوشش، ہر خوشی اور ہر رغبت میں میرا ساتھ دیتی۔ میں صبح اُٹھتا تو دیکھتا کہ وہ میرے بستر کے تکیوں سے ٹیک لگائے، مجھے اُن نگاہوں سے تک رہی جو بچپن کی پاکیزگی اور ماں کی ممتا سے لبریز ہیں۔ کوئی کام کرنا چاہتا تو وہ میرا ہاتھ بٹاتی، کھانے کے لیے دستر خوان پر بیٹھتا وہ میرے سامنے بیٹھ کر مجھ سے گفتگو کرتی اور جب شام ہوتی تو میرے قریب آتی اور کہتی: ''اب ہمیں یہاں بہت دیر ہوگئی، آؤ! ٹیلوں اور وادیوں کی سیر کریں!!'' میں فوراً کام چھوڑ دیتا اور اس کا ہاتھ پکڑ کر سیر کے لیے چل کھڑا ہوتا یہاں تک کہ ہم جنگل میں جا پہنچتے جس پر طلسم سکوت کے تاروں سے بنی ہوئی شام کی نقاب پڑی ہوتی اور ہم ایک بلند چٹان پر پہلو بہ پہلو بیٹھ کر دور افق پر نگاہیں جما دیتے۔ وہاں کبھی وہ غروب ہوتے ہوئے سورج کی شعاعوں سے سنہری بادلوں کی طرف اشارہ کرتی اور کبھی اس پرندے کی چہکار کی طرف توجہ دلاتی جو شب گزاری کے لیے شاخوں میں پناہ لینے سے پہلے خدا کی حمد و تسبیح میں مشغول ہوتا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ میں اپنے کمرے میں بے قرار و مضطرب بیٹھا ہوں کہ وہ آ گئی اور جونہی میری نگاہ اس پر پڑی، بے قراری سکون میں بدل گئی اور اضطراب سکون اور یگانگی سے۔

بارہا میں لوگوں سے دوچار ہوا ہوں اور میری روح باغیانہ انداز میں ان کی فطرت کے بُرے پہلوؤں کے خلاف صف آراء ہوئی ہے لیکن جہاں ان کے چہروں میں مجھے اس کا چہرہ نظر آیا، میرے باطن کا تمام طوفان، ساوی نعمتوں میں تبدیل ہوگیا۔ بسا اوقات یہ واقعہ پیش آیا کہ میں تنہا بیٹھا ہوں اور گردن میں ہستی کی مشکلوں اور دشواریوں کی زنجیر ہے لیکن مُڑ کر جو دیکھتا ہوں تو وہ میرے سامنے کھڑی مجھے ان نگاہوں سے دیکھ رہی ہے جن سے رنگ و نور کی شعاعیں پھوٹ رہی ہیں۔ اسے دیکھتے ہی غم کے سارے بادل چھٹ گئے، دل خوشی کے راگ الاپنے لگا اور زندگی، چشمِ بصیرت کے سامنے، عشرتوں اور مسرتوں کی جنت بن کر جلوہ گر ہوگئی۔ تم مجھ سے سوال کرو گے، میرے دوستو! کہ میں اس انوکھی حالت پر کیسے قانع رہا؟ پوچھو گے کہ انسان عنفوانِ شباب میں اس چیز پر کیسے اکتفا کر سکتا ہے جسے وہم اور خیال و خواب بلکہ نفسی روگ سے تعبیر کیا جاتا ہے؟ تو اس کا جواب میں یہ دوں گا کہ اپنی عمر کے چند سال جو میں نے اس حالت میں گزارے، اس حسن، سعادت، لذت اور اطمینان کا نچوڑ تھے جن سے میں اپنی زندگی سے آشنا ہوا۔ کہوں گا کہ میں اور میری یہ ایتھری رفیقہ ایک آزاد اور مجرد فکر تھے، جو سورج کی روشنی میں طواف کرتی ہے، سمندر کی سطح پر تیرتی ہے، چاندنی راتوں میں دوڑتی ہے اور وہ نغمے گنگناتی ہے جنہیں کسی کان نے نہیں سُنا۔ اس منظر کے سامنے کھڑی ہوتی ہے جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا۔ زندگی۔۔۔ تمام و کمال زندگی۔۔۔ ہم روحانی تجربات میں رہے اور ہستی۔۔۔ تمام تر ہستی۔۔۔

Marfat.com

وجود کے عرفان و تحقیق میں گزاری۔ جس سے ہم خوش ہوتے یا اس کی وجہ سے دردناک! اور مجھے ایک روحانی تجربہ ہو گیا تھا، شب و روز ہوتا رہتا تھا، یہاں تک کہ میں تیس برس کا ہو گیا۔ کاش میں تیس برس کا نہ ہوتا! کاش! اس عمر کو پہنچنے سے پہلے مجھے ایک ہزار بار موت آجاتی، جس نے میرا جوہرِ حیات سلب کرلیا اور میرے دل کا سارا خون نچوڑ کر مجھے شب و روز کے سامنے ایک تنہا، خشک اور بے برگ و بار درخت کی طرح کھڑا کردیا، جس کی شاخیں ہوا کے نغموں پر رقص کرتی ہیں، نہ پرندے اس کے پتوں اور پھولوں کے درمیان آشیانہ بناتے ہیں۔''

''بیس برس کا ذکر ہے، میرے دوستو! لبنان کے حاکم نے ایک علمی مہم کے سلسلے میں مجھے وینس بھیجا اور وہاں کے محافظ کے نام ایک خط میرے ساتھ کردیا جس سے اس کی ملاقات قسطنطنیہ میں ہوئی تھی۔ میں لبنان کو خیر باد کہہ کر اطالوی جہاز میں سوار ہوا۔ اپریل کا مہینہ تھا، روح بہار ہوا کی تہوں میں سرسرا رہی تھی۔ سمندر کی موجوں کے ساتھ اٹھلا رہی تھی اور آسمان پر سفید بادلوں کے ہجوم میں قلا بازیاں کھانے والی دلفریب صورتوں کے پیکر میں ظاہر ہو رہی تھی۔ ان شب و روز کی تعریف جو میں نے جہاز میں گزارے، تم سے کس طرح بیان کروں؟ جو کلام انسان سمجھتا ہے وہ اس کے ادراک و احساس کی حدوں سے متجاوز نہیں ہو سکتا اور روح میں ایک ایسی بات جو ادراک سے کہیں زیادہ بعید اور شعور سے کہیں زیادہ دقیق ہے۔ ایسی حالت میں ظاہر ہے کہ اس زمانے کی تصویر الفاظ میں کیسے کھینچ سکتا ہوں؟

وہ چند سال جو میں نے اپنی اس ایتھری رفیقہ کی معیت میں بسر کیے، انس و الفت سے ہم کنار تھے اور مسرت و سکون سے لبریز۔ چنانچہ کبھی خواب میں بھی مجھے یہ خیال نہیں آیا کہ میری مسرتوں کے پردوں میں غم چھپا بیٹھا ہے اور میرے ساغر کی گہرائیوں میں تلخی کے گھاؤ ہیں۔ میں اس پھول کے مرجھانے سے کبھی نہیں ڈرا جو بادلوں سے ماورا اگا تھا اور اس نغمہ سے کبھی خوفزدہ نہیں ہوا جو صبح کی پریوں نے گایا تھا۔ جب میں ان ٹیلوں اور وادیوں سے رخصت ہوا تو میری رفیقہ اس گاڑی میں میرے پہلو میں بیٹھی تھی جو مجھے ساحل پر چھوڑنے گئی تھی۔

وینس جانے سے پہلے میں تین روز بیروت میں مقیم رہا، اس دوران میری شریک حیات مجھ سے ایک لمحے کے لیے جدا نہ ہوئی۔ جہاں میں جاتا، وہ میرے ساتھ جاتی اور جب ٹھہرتا، وہ بھی ٹھہر جاتی۔ میں اپنے کسی دوست سے ہاتھ ملاتا تو اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں محسوس کرتا اور اپنے کمرے کی کھڑکی میں بیٹھ کر شہر کی آوازوں پر توجہ صرف کرتا تو فکر و تامل میں میرا ساتھ دیتی لیکن جب کشتی نے مجھے بیروت کی بندرگاہ سے جدا کیا اور میں نے جہاز پر قدم رکھا اسی لمحے اپنے فضائے روح میں ایک تغیر اور ایک طاقتور مگر مخفی ہاتھ کو اپنا بازو پکڑتے ہوئے محسوس کیا۔ میں نے ایک گہری آواز سنی جو سرگوشی

Marfat.com

کے انداز میں مجھ سے کہہ رہی تھی: ''واپس ہو جا! جہاں سے آیا ہے، وہیں واپس ہو جا!!! کشتی میں بیٹھ اور جہاز چلنے سے پہلے اپنے ملک کے ساحل کی طرف لوٹ جا!!!''

آخر کار جہاز روانہ ہوا، اس کی پُشت پر میں ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے فضائے بسیط میں اُڑتے ہوئے باز کے چُنگل میں چڑیا۔ شام ہونے پر جب لبنان کی چوٹیاں سمندر کی کہر کے پیچھے روپوش ہو گئیں تو میں نے خود کو جہاز کے اگلے حصے پر تنہا کھڑے پایا۔ میرے خوابوں کی پری وہ عورت جسے میں پیار کرتا تھا۔۔۔ وہ عورت جو میری رفیقہ شباب تھی، میرے ساتھ نہ تھی۔ وہ نوخیز حسینہ، وہ شیریں کلام محبوبہ جس کا چہرہ جب بھی میں فضا میں نگاہیں جماتا تھا، مجھے نظر آتا تھا، جس کی آواز، جب بھی میں خاموشی پر کان لگاتا تھا، مجھے سنائی دیتی تھی اور جس کا ہاتھ، جب بھی میں آگے کی طرف ہاتھ بڑھاتا تھا، میرے ہاتھ سے مَس ہوتا تھا، جہاز میں نہ تھی اور پہلی مرتبہ۔۔۔ ہاں! بالکل پہلی مرتبہ میں نے خود کو رات، سمندر اور فضا کے سامنے یکہ وتنہا محسوس کیا۔ جہاز ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہا اور میں اپنی رفیقہ کو دل ہی دل میں پکارتا رہا۔ ناگن کی طرح بل کھاتی موجوں کو تکتا رہا کہ شاید کف سمندر ہی میں مجھے اس کا چہرہ دکھائی دے جائے۔''

جہاز شب و روز کی مسافتیں طے کرتا رہا۔ میں اس میں سوار تھا لیکن اس سے بے خبر کہ میں وہ انسان ہوں جو انسانی مہم کے سلسلے میں اتنے طول طویل سفر پر جا رہا ہے یا ایک پر چھائیں جو کہر کے سوا ہر چیز سے خالی فضا میں ماری ماری پھر رہی ہے، چنانچہ نہ میں نے اپنی رفیقہ کی قربت محسوس کی نہ بیداری یا خواب میں مجھے اس کا چہرہ دکھائی دیا، میں بے سود محض قوتوں سے گڑگڑا کر دعائیں مانگتا تھا کہ مجھے اس کے منہ کی کوئی بات سنوا دیں، یا اس کی ایک جھلک دکھوا دیں۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو کم از کم مجھے اس قابل کر دیں کہ میں اپنی پیشانی پر اس کی انگلیوں کا لمس محسوس کر سکوں۔ چودہ دن تک میری یہ حالت رہی، بالآخر پندرھویں دن دوپہر کو دور سے اطالیہ کا ساحل نظر آیا اور اسی دن شام ہوتے جہاز وینس کی بندرگاہ میں داخل ہوا۔''

جب وہ وینس کے محافظ کے گھر پہنچا تو وہاں اسے سوگوار اور المناک صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا کیونکہ محافظ کی چہیتی بیٹی انتقال کر گئی تھی۔ وہ واپس جانا چاہتا تھا مگر باریش بوڑھے محافظ نے بہ صد اصرار اُسے روک لیا۔ وہ بیقراری کے عالم میں وہاں رات گزارتا ہے:

''میرے دوستو! مجھے معلوم ہے کہ میں نے اس حالت میں کتنے گھنٹے گزارے۔ زندگی میں بہت سے میدان ہیں جنھیں ہماری روحیں طے کرتی ہیں لیکن ہم انہیں مادی پیمانوں سے نہیں ناپ سکتے، جن کی ایجاد انسانی فکر و نظر کی مرہونِ منت ہے۔۔۔ نہیں میں نہیں جانتا کہ میری یہ حالت کب

Marfat.com

تک رہی؟ مجھے تو اس وقت بھی صرف اتنا ہی معلوم تھا اور آج بھی صرف اتنا ہی معلوم ہے کہ اس نیم شعوری کیفیت کے دوران، میں نے اپنے بستر کے قریب ایک زندہ ہستی محسوس کی جو کمرے کی فضا میں مرتعش تھی۔۔۔ایک ایتھری وجود محسوس کیا جو بغیر کوئی آواز نکالے مجھے پکار رہا تھا اور بغیر کسی اشارے کے مجھ میں جوش و ہیجان پیدا کر رہا تھا، چنانچہ میں اُٹھ کھڑا ہوا اور ایک ہمہ گیر وقوی اثر کے تحت کمرے سے باہر نکل آیا۔ میرے قدم غیر ارادی طور پر اُٹھ رہے تھے، میں اس شخص کی طرح چل رہا تھا جو سوتے میں چلتا پھرتا ہے اور اس عالم میں چل رہا تھا جو وقت اور فاصلے کی قید سے یکسر آزاد تھا یہاں تک کہ میں نے ساری ڈیوڑھی طے کر لی اور ایک بہت بڑے کمرے میں داخل ہو گیا۔ کمرے کے وسط میں ایک لاش رکھی تھی جس کے دائیں بائیں دو لیمپ روشن تھے اور چاروں طرف پھولوں کے ڈھیر لگے ہوئے تھے۔ میں نے قدم بڑھایا اور جھک کر دیکھا؛ اُف! وہ میری محبوبہ کا چہرہ تھا۔۔۔ میرے خوابوں کی پری کا چہرہ!! جس پر موت نے اپنی باریک نقاب ڈال رکھی تھی۔ آہ! میری آنکھوں کے سامنے وہ عورت تھی جس سے میں محبت سے بڑھ کر محبت کرتا تھا۔ سفید پھولوں کے درمیان، سفید کفن کے درمیان وہ سفید و بے جان جسم تھا جس پر زمانے کی خاموشی اور ازل کی دہشت طاری تھی۔

اے خدا!! اے محبت کی زندگی اور موت کے مالک! تو ہی ہے جس نے ہماری روحوں کو پیدا کیا اور نور و ظلمت کے اس ہجوم میں پھینک دیا۔۔۔ تو ہی ہے، جس نے میری رفیقہ حیات کو مجھ سے ملایا لیکن اس وقت جب اس کا تابناک جسم سرد و بے جان ہو چکا تھا۔۔۔ تو ہی ہے جس نے مجھ پر یہ ظاہر کرنے کے لیے کہ موت زندگی سے کیا چاہتی ہے اور غم خوشی سے کیا تعلق رکھتا ہے؟؟ مجھے ایک ملک سے دوسرے ملک میں پہنچا دیا۔۔۔ تو ہی ہے جس نے میری وحدت و تنہائی کے جنگل کو ایک سفید چنبیلی کے پھول سے زینت بخشی اور اس کے بعد مجھے دور ایک وادی میں پھینک دیا تاکہ میں وہاں اس پھول کو مرجھایا ہوا دیکھوں۔۔۔ ہاں میرے دوستو! میری غربت اور تنہائی کے رفیقو! اللہ نے چاہا اور اپنی مشیّت کے لیے مجھے اندرائن کا تلخ جام پلا دیا۔

ہم انسان، ہم لامحدود فضا کے مرتعش ذرے، اطاعت و فرمانبرداری کے سوا کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر ہم محبت کرتے ہیں تو وہ محبت ہماری طرف سے ہوتی ہے نہ ہمارے لیے ہوتی ہے، ہم اگر خوش ہوتے ہیں تو وہ خوشی ہماری ذات میں نہیں ہوتی بلکہ نفس حیات میں ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر ہم دردناک ہوتے ہیں تو وہ درد ہمارے زخموں سے نہیں پھوٹتا بلکہ انشائے فطرت سے پھوٹتا ہے۔

دوستو! میں نے تمہیں کہانی شکایتاً نہیں سنائی۔ اس لیے کہ جو کوئی شکایت کرتا ہے وہ زندگی پر شک کرتا ہے اور میں صاحبِ ایمان ہوں۔ اس تلخی کی صلاحیت پر ایمان رکھتا ہوں جس کا حاصل ہر

Marfat.com

وہ گھونٹ ہے جو میں ساغرِ شب کے ذریعے پیتا ہوں۔ ان میخوں کے حسن و دلکشی پر ایمان رکھتا ہوں جو میرے سینے کو چھید ے ڈالتی ہے، ان فولادی انگلیوں کی نرمی و ملائمت پر ایمان رکھتا ہوں جو میرے دل کے بردہ کو جھرجھر کیے دیتی ہیں۔

دوستو! یہ ہے میری کہانی! میں اس کہانی کا انجام کیا بیان کروں جب کہ اس کی کوئی انتہا ہی نہیں۔ مختصر یہ کہ میں اس نوخیز حسینہ کی میت کے سامنے گردن جھکائے بیٹھا رہا، جسے میرا دل خواب و خیال کی دنیا میں چاہتا تھا اور میری نگاہ ایک لمحہ کے لیے اس کے چہرے سے نہ ہٹی یہاں تک کہ صبح نے اپنا ہاتھ کھڑکی کے شیشوں پر رکھ دیا۔ اب میں اُٹھا اور اپنے کمرے میں واپس چلا گیا۔ اس عالم میں میری کمر ابدیت کی گرانیوں سے دہری ہوئی جارہی تھی اور میرے ہاتھ میں انسانیت کے درد و غم کا عصا تھا۔

(طلسمِ خیال، ترجمہ: حبیب اشعر، سہ ماہی ادبیات، اسلام آباد (بین الاقوامی ادب نمبر: ۵) ص: ۲۶۵ تا ۲۷۱)

شہرِ حیات

عقل، قلب، روح اور ارادہ وغیرہ جیسے قویٰ کو بروئے کار لا کر بنی نوع انسان حقیقی ترقی کی منازل طے کر سکتا ہے اور یہ قوتیں انسان کی آفاقی زندگی کے لیے مددگار بن سکتی ہیں۔ اس کی سچائی کے سلسلے میں عالمِ اسلام کے ایک عظیم عالم اور مفکر ترکی کے بدیع الزماں سیّد نورسی (۱۸۷۳ء۔۱۹۶۰ء) قرآنِ پاک کی چھ ہزار صفحات پر مشتمل اپنی مشہور تفسیر ''مجموعہ رسالہ نور'' میں لکھتے ہیں:

''میں نے خود کو ایک دفعہ ایک ایسے شہر میں موجود پایا جو بڑی بڑی عمارات اور محلات سے بھرا ہوا تھا۔ میں نے دیکھا بڑی بڑی عمارات والے ایک علاقے میں ہر جگہ انسانی دلچسپیوں کے سامان سجے ہیں۔ ہر طرف تماشے ہو رہے ہیں۔ میں ایک عمارت کے قریب پہنچا۔ میں نے دیکھا اُس کا مالک اُس کے مین پھاٹک کے پاس بیٹھا اپنے ساتھ بیٹھے اپنے کُتے کے بالوں میں ہاتھ پھیر رہا تھا۔ اس گھر کی عورتیں آتے جاتے مردوں کے ساتھ محوِ گفتگو تھیں جبکہ نوجوان لڑکیاں چھوٹے بچوں کو کھیل کود میں لگائے ہوئے تھیں۔ اُس محل کے دربان کا رویہ قابلِ دید تھا، وہ اس انداز سے برتاؤ کر رہا تھا کہ جیسے وہی اس عالی شان گھر کا اصل مالک ہے۔ میں نے محسوس کیا وہ عمارت بالکل خالی پڑی تھی۔ اُس کے اندر کوئی کام نہیں ہو رہا تھا کیونکہ اس گھر کے سارے مکین گھر کو فراموش کرتے ہوئے گھر سے باہر اپنی اپنی دلچسپیوں میں کھوئے ہوئے تھے۔ میں چلتا چلتا ایک اور عالی شان مکان کے سامنے پہنچا جہاں میں نے دیکھا گھر کا وفادار کُتا دروازے کے باہر موجود تھا۔ دروازے پر متعین دربان بھی ایک سنجیدہ متانت کے ساتھ اپنی ڈیوٹی سرانجام دے رہا تھا۔ محل کے اندر سکون سا تھا جسے محسوس کرتے ہوئے میں اندر داخل ہو گیا مگر محل کے اندر زندگی کی چہل پہل جاری تھی، گھر کے تمام مکین اپنی زندگی کی مختلف

مصروفیات میں مصروفِ عمل تھے۔ پہلی منزل پر کچھ لوگ گھر کی صفائی میں مصروف نظر آئے جبکہ دوسری منزل پر کچھ لڑکے اور لڑکیاں پڑھائی میں مصروف تھیں۔ گھر کی تیسری منزل پر خواتین خانہ کڑھائی بُنائی میں مگن نظر آئیں جبکہ گھر کی آخری منزل پر گھر کا مالک ٹیلی فون کے ذریعے ملک کے بادشاہ کے ساتھ مواصلاتی رابطہ رکھے ہوئے اس سے اور مہربانی اور عنایات کی التماس کر رہا تھا کہ اُس کے گھر کے بہترین نظام کے ساتھ ساتھ اُس کے فرائض بھی بخوبی انجام پاتے رہیں جنہیں سرانجام دینا اور تکمیل تک پہنچانا اُس نے اپنے ذمے لے رکھا تھا۔ انہوں نے مجھے نہ دیکھا اور میں بھی چُپ چاپ باہر آ گیا۔

اپنی سیر کے دوران میں نے شہر میں ہر جگہ تقریباً ایسے ہی مناظر دیکھے۔ میرے دریافت کرنے پر مجھے بتایا گیا کہ وہ پہلا محل جہاں میں سب سے پہلے گیا تھا خدا پر یقین نہ رکھنے والوں اور گمراہوں کی ملکیت تھا جبکہ دوسرا محل ایک دین دار مسلمان خاندان کی ملکیت ہے۔ یوں ہی چلتے چلتے مجھے ایک کونے پر ایک اور عالی شان مکان نظر آ گیا جس کے دروازے پر لگی ہوئی تختی پر لکھے نام کو دیکھ کر مجھے حیرت ہوئی۔ اس پر ''سعید'' یعنی میرا نام لکھا ہوا تھا۔ میں نے اور قریب ہو کر دیکھا تو چمکتی ہوئی اُس تختی پر میری شبیہ اُبھری، حیران ہو کر پیچھے پلٹا تو میرے حواس بحال ہو گئے اور میں بیدار ہو کر اُٹھ بیٹھا۔''

بدیع الزماں سیّد نورسی لکھتے ہیں کہ'' یہ شہر ہماری سماجی زندگی ہے اور ملک ہماری تہذیب اور ہمارا تمدن۔ ہر گھر، ہر عالی شان محل ایک انسان ہے اور اس میں بسنے والے مکین انسانی حواس اور اس کی جبلی استعداد ہیں (مثلاً: آنکھیں، کان، عقل و دانش، قلب و روح، غصے کی قوت اور نفسانی خواہشات) ہر حس اور ہر استعداد کو بندگی کے لیے تعمیل کا حکم سونپا گیا ہے اور اسی طرح خوشی اور غم کو محسوس کرنے کی حس بھی عطا کر دی گئی ہے۔ انسانی نفس، نفسیاتی ترغیبات، غصہ اور شہوانیت دروازے پر بیٹھے کتے اور دربان کی مثال ہیں جو انسانی محل کے مین گیٹ پر ایستادہ ہیں، گویا ان بہترین انسانی حواس اور استعداد کو نفس پرستی اور نفسانی خواہشات کے اس طرح زیرنگیں کر دیا گیا ہے کہ وہ اپنے بنیادی فرائض سے بھی غافل ہو گئی ہیں۔ یہ ترقی تو نہیں یہ تو تنزلی ہے جس کا اندازہ آپ خود کر سکتے ہیں۔

(عکس وجود باری تعالیٰ، ص: ۶۱، ۶۲)

ooo

Marfat.com

مغربی ادب

مغرب میں ہومر سے لے کر جارج آرویل (۱۹۵۰ء) تک جہانِ دیگر کے اساطیر اور مثالی معاشرے اطوبیٰ (Utopia) کی تمثیلات کا ایک وسیع سلسلہ دکھائی دیتا ہے۔

یونانی شاعر ''ہومر'' (Homer) جس کے زمانے کے بارے میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہا جا سکتا۔۷۵۰ سے ہزار سال قبل مسیح تک کے درمیانی عرصہ کو اس عظیم شاعر کا عہد قرار دیا جاتا ہے۔ ہومر کا تعلق یونان کے مشرقی علاقے (Lonia) سے تھا جو سمندر تک پھیلا ہوا تھا۔ بہت سے نقادوں کے خیال میں ہومر اندھا تھا اور Chois کے پہاڑی علاقے میں رہتا تھا۔ اس کے دو فن پارے آج تک مشہور ہیں: ''ایلیڈ'' اور ''اوڈیسی''۔ یہ رزمیہ نظمیں ہیں جنہیں عام طور پر فن و ادب کا نقطۂ آغاز سمجھا جاتا ہے۔ ان میں یونانی جذبات، تہذیب، محبت، نفرت، روایات، اسلوب، سب کچھ موجود تھا۔ ہومر نے ۸۰۰ ق م میں انہیں باقاعدہ لکھ کر کتابی شکل دی۔ ان نظموں میں اپنے عہد سے ۴۰۰ ق م کے یونانیوں کی شاندار روایات اور فتوحات کو موضوع بنایا۔ ایلیڈ ۲۸ ہزار اور اوڈیسی ۲۵ ہزار اشعار پر مشتمل نظمیں ہیں۔

(یونان کا ادبی ورثہ، از: احمد عقیل روبی، ص ۴۸)

دنیا کے ہر ادب پر ہومر کا اثر ہے۔ ورجل، ہوریس، دانتے، ملٹن الغرض کوئی بھی ہومر کے اثر سے بچا نہیں۔

ایلیڈ یونان اور ناروے کے درمیان چھپن روزہ جنگ کے واقعات پر مشتمل ہے۔ یہ ٹرائے کی جنگ جسے Ilium کا نام بھی دیا جاتا ہے کی کہانی ہے۔ ٹرائے کے بادشاہ Priam کے غیر ذمہ دار

Marfat.com

بیٹے پیرس (Paris) نے یونانی بادشاہ میلینس (Menelaus) کی بیوی ہیلن کو اغوا کرلیا۔ میلینس اپنے بھائی آگامم نان کی سربراہی میں اکلیز (Achilles) کے ساتھ ٹرائے کی مہم پر نکلتا ہے۔ پیرس کا بھائی ہیکٹر اپنے دوست Aeneas کے ساتھ مل کر شہر کا دفاع کرتا ہے۔

اوڈیسی (Odyssey)

''اوڈیسی'' میں موضوع مذکور کی اوّلین اور قدیم ترین فنی و ادبی جھلک موجود ہے۔ اس نظم میں ایک یونانی جنگجو ہیرو''اوڈی سی لیس'' کی ''ٹرائے'' کی جنگ کے بعد وطن واپسی کی کہانی بیان کی گئی ہے۔ اوڈیسیلیس اپنی ایک غلطی سے سمندری دیوتا کو ناراض کر دیتا ہے اور دیوتا اسے دس سال تک سمندری آفات میں مبتلا رکھتا ہے۔ ایک سال وہ Crice کی قید میں اور سات سال Calyso کے ساتھ اور باقی عرصہ سمندری طوفانوں اور جزیروں میں گزارتا ہے۔ آخر کار دیوتا کو اس پر رحم آتا ہے اور اوڈیسیلیس اپنی بیوی پینی لوپی (Penelope) کے پاس ڈرامائی انداز میں Ithaca پہنچ جاتا ہے۔ کہانی کا مختصر ترین خلاصہ یوں ہے کہ اوڈیسیلیس اور اس کے ساتھی راستہ بھٹک کر ایک اجنبی جزیرے میں جا پہنچتے ہیں جہاں وہ ایک ساحرہ کے سحر کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ''اوڈیسیلیس'' تو اس جادو سے محفوظ رہتا ہے تاہم اس کے ساتھی ایک سال تک بدترین جانور بنا دیے جاتے ہیں۔ اوڈیسیلیس کو وہ جادوگرنی، جادو کے زور پر زیرِ زمین بھیج دیتی ہے تاکہ وہ دوزخ میں قدیم جنگجوؤں کو ان کی بیویوں اور بیٹیوں کے ساتھ دیکھ لے، چنانچہ اوڈیسیلیس زیرِ زمیں دوزخ کے مشاہدے کے بعد واپس لوٹتا ہے اور اپنا سفر دوبارہ شروع کرتا ہے۔ یونان کے قدیم دیومالائی عقائد کے مطابق دوزخ کو زیرِ زمین فرض کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخری حصے میں جب پینی لوپی (اوڈی سی لیس کی بیوی) سے شادی کی خواہش کرنے والی روحیں Haded میں اکٹھی ہوتی ہیں تو آگامم نان (یونانی بادشاہ کا بھائی) کو اپنا بھتیجا یعنی میلینس کا بیٹا بھی نظر آتا ہے اور اسے بتاتا ہے کہ کس طرح وہ اوڈیسیس کے ہاتھوں قتل ہو کر عالمِ ارواح میں آیا ہے اور کس طرح پینی لوپی اپنی وفا پر قائم رہی۔ اسے سن کر آگامم کی روح اوڈیسیس سے یوں مخاطب ہوتی ہے:

> Happy Odysseus son of laertes you are indeed blessed in the possession of a wife endowed with such rare excellence of understanding and so faithful to her weded lord as Penelope.
>
> The fame of her vitues shall never die and immortais shall compose a song that shall be well come to all mankind in honour of the constancey of Penelope.

Marfat.com

(خوش نصیب اوڈیسی تم بیوی کے معاملے میں خوش قسمت ہو، تمہیں پینی لوپی جیسی بیوی ملی ہے جو اپنے نام کی طرح وفادار ہے۔ اس کی شہرت اور اچھائیاں کبھی ختم نہیں ہوں گی۔ گیتوں میں پینی لوپی کا تذکرہ جاری رہے گا)

آگامم نان اپنی بیوی Clytemnestra، جس نے اپنے عاشق سے مل کر اسے قتل کیا تھا، کے بارے میں کہتا ہے:

How far otherwise the wickedness of Clytemnestra who killed her lawful husband her song shall be hateful among men for she has brought disgrace on all womakind even on the good ones.

Homer. The Odyssey, trans. Albert Cook. New York:, 1974.(Book 24,P298)

(کتنی مکار تھی Clytemnestra جس نے اپنے حقیقی خاوند کو قتل کر دیا۔ انسان اُسے نفرت سے دیکھیں گے وہ عورتوں اور بالخصوص اچھی عورتوں کے لیے ذلت کا پیغام لائی)

اسفل بیوس کی پرواز

بقراط اپنی کتاب ''العہود والایمان'' میں بتلاتا ہے کہ ''اسفل بیوس'' نور کے ایک عمود میں بیٹھ کر آسمان کی طرف اڑ گیا تھا۔ (تاریخ الحکماء: ص ۳۰) اسفل بیوس طوفانِ نوح کے بعد کا ایک یونانی فلسفی تھا۔

روحوں کی دنیا کی سیر کا قصہ

یونان ہی کے عظیم فلسفی افلاطون (Plato.circa 428-c. 347 bc) کی تصنیف ''جمہوریت'' (Republic) میں ''ایر'' (ER.) نامی ایک کردار کے آسمان اور زمین کے درمیان روحانی سفر کا بیان ملتا ہے۔ افلاطون، اپنے ایک شاگرد ''گلاکن'' کو ''ایر'' کی زبانی روحوں کی دنیا کی سیر کا قصہ یوں سناتا ہے:

''۔۔۔ہاں یہ بھی ایک بطل کا قصہ ہے یعنی ارمینس کے بیٹے ''ایر'' کا جو پیدائشی پامفلیا [پامفلیا ایک یونانی ساحلی نوآبادی جس پر عرصے تک ایرانیوں کا تسلط رہا، اسے سکندر نے اُن سے چھینا] کا رہنے والا تھا۔ یہ لڑائی میں مارا گیا اور دس دن بعد جب لوگوں نے لاشیں اُٹھائیں تو اور سب جسم تو سڑ چلے تھے لیکن اُس کے جسم پر کوئی اثر نہ تھا، چنانچہ اُس کی نعش کو دفن کرنے کے لیے گھر لے گئے۔ بارہویں دن کہ نعش چتا پہ رکھی تھی یہ دوبارہ زندہ ہو گیا اور دوسرے عالم میں اُس نے جو کچھ دیکھا تھا وہ لوگوں کو سُنایا۔ اُس نے کہا کہ جب میری روح نے جسم کو چھوڑا تو میں ایک بڑی جماعت کے ساتھ سفر

Marfat.com

پر چلا، چلتے چلتے ہم ایک مخفی مقام پر پہنچے جہاں زمین دوز دروازے تھے۔ درمیانی فضا میں حاکم اجلاس کر رہے تھے۔ جب عادل انسانوں کا معاملہ فیصل ہو چکتا اور فیصلہ اُن کے سامنے باندھ دیا جاتا تو انہیں حکم ملتا کہ آسمانی راستے سے سیدھے ہاتھ کی طرف چڑھ جاؤ۔ اس طرح ناانصافوں کو اُلٹے ہاتھ کی طرف نیچے اُترنے کا حکم ہوتا تھا، اُن کے اعمال کی نشانیاں بھی ساتھ ہوتیں تھیں لیکن (بجائے سامنے کے) پُشت پر آویزاں۔ میں جو قریب بڑھا تو مجھ سے کہا تو وہ پیامبر ہے جو اس عالم کی خبر انسانوں تک لے جائے گا اور مجھے حکم ہوا کہ یہاں جو کچھ دیکھنے سننے کی باتیں ہیں سب دیکھ سُن لوں۔ میں نے جو نظر کی تو دیکھا کہ جب ان کا فیصلہ سُنا دیا جاتا تھا تو زمین اور آسمان کے ایک ایک دروازے سے تو روحیں رخصت ہو رہی تھیں اور دوسرے دونوں دروازوں سے روحیں کچھ تو گرد آلود اور سفر سے ماندہ زمین کے اندر سے اوپر آتیں اور کچھ نہایت صاف جگ مگ آسمان کے نیچے اُترتیں۔ معلوم ہوتا تھا کہ سب کی سب لمبے سفر سے ابھی ابھی آرہی ہیں۔

یہ سب خوشی خوشی سبزہ زار پر جاتیں اور وہاں جا کر یوں پڑاؤ ہوتا گویا کوئی تہوار ہے۔ جو روحیں ایک دوسرے سے واقف تھیں وہ گلے ملتیں اور خوب باتیں کرتیں' زمین سے آنے والی روحیں نہایت اشتیاق سے اوپر کا حال دریافت کرتیں اور آسمان سے آنے والی روحیں نیچے کا حال، سب ایک دوسرے سے راستے کے واقعات بیان کرتیں، نیچے سے آنے والی روحیں ان پر جو کچھ زیرزمین سفر میں گزری تھی (اور یہ سفر ہزار سال کا تھا) اس کی یاد پر روتیں اور افسوس کرتیں' اوپر سے آنے والیاں آسمانی مسرتوں اور حُسن کے ناقابل تصور مظاہر کا بیان کرتیں۔ سارا قصہ تو' گلاکن' بڑا وقت لے گا' خلاصہ یہ کہ اس نے بیان کیا کہ انہوں نے کسی کے ساتھ جو برائی کی تھی اس کا دس گنا عذاب بھگتنا پڑا یعنی اگر سوسال میں ایک دفعہ برائی کی تھی' (اور انسانی عمر کا یہی اندازہ کیا گیا ہے) تو سزا دس گنا ایک ہزار سال میں پوری ہوئی۔ مثلاً اگر کوئی بہت سی موتوں کا باعث ہوا ہو' اگر کسی نے شہروں یا لشکروں کو غلام بنایا' یا انہیں دغا دی ہو یا کسی اور بدکرداری کا مرتکب ہوا ہو تو ان تمام گناہوں کے لیے اور ایک ایک کر کے دس گنا سزا ملتی ہے۔ اسی طرح احسان' عدل اور تقویٰ کا انعام بھی اسی نسبت سے ملتا ہے۔ اس کے دہرانے کی تو چنداں ضرورت نہیں جو اس نے ان چھوٹے بچوں کی بابت کہا جو پیدا ہوتے ہی مرجاتے ہیں۔ دیوتاؤں اور والدین کے ساتھ سعادت مندی یا غیر سعادت مندی کی بابت نیز قاتلوں کے متعلق اس نے اور بہت بڑی بڑی جزاؤں سزاؤں کا بیان کیا۔ یہ کہتا تھا کہ جب ایک روح نے دوسری سے دریافت کیا کہ ''اردیائیس اعظم'' کہاں ہے؟ تو میں خود وہاں موجود تھا (اور یہ اردیائیس ایر کے زمانے سے کوئی ہزار سال پہلے تھا' یہ پامفیلیا کے کسی شہر کا مستبد حاکم تھا' اپنے بوڑھے باپ اور بڑے

Marfat.com

بھائی کو اس نے قتل کر ڈالا تھا اور کہتے ہیں کہ ایسے ہی اور بہت سے نفرت انگیز گناہوں کا مرتکب تھا) دوسری روح نے جواب دیا کہ "وہ یہاں نہیں آیا اور نہ کبھی آئے۔ اور یہ منجملہ ان ہیبت ناک مناظر کے تھا جن کا ہم نے خود مشاہدہ کیا۔ ہم غار کے دہانے پر تھے اور چونکہ اپنا سارا تجربہ حاصل کر چکے تھے اس لیے اب اوپر چڑھنے والے ہی تھے کہ یکایک اردیائیس اور کئی لوگ نمودار ہوئے۔ ان میں سے اکثر جابر مستبد تھے' اور ان ظالموں کے علاوہ اور لوگ بھی تھے جو دنیا میں بڑے بڑے مجرم رہ چکے تھے۔ ان کا خیال تھا کہ یہ بس ابھی عالم بالا کو واپس جاتے ہیں لیکن بجائے اس کے کہ دہانے میں یہ داخل ہوسکیں' جب ان میں سے کوئی جس کی کافی سزا نہ ہو چکی تھی چڑھنے کی کوشش کرتا اس سے ایک سخت چیخ نکلتی۔ اس پر کچھ مہیب آتشیں رو انسان جو پاس کھڑے اس آواز کو سنتے تھے انہیں پکڑ کر ساتھ لے جاتے اردیائیس اور بعض دوسروں کو تو انہوں نے سر پیر ہاتھ سب باندھ کر نیچے پھینک دیا' پھر راستے بھر انہیں خوب گھسیٹا' انہیں کانٹوں پر اون کی طرح دھنکا اور راہ چلتوں سے برابر کہتے جاتے تھے کہ انہوں نے یہ جرم کیے تھے اور ہم پھر انہیں جہنم میں ڈالنے لیے جاتے ہیں۔ ہم نے جو بہت سی صعوبتیں اٹھائی ہیں ان میں کوئی مصیبت اس گھڑی سے کٹھن نہ تھی جب ہم یہ سوچتے تھے کہ کہیں ہمارے لیے بھی یہ آواز نہ نکلے' لیکن جب خاموشی رہی تو ہم ایک ایک کر کے خوشی خوشی اوپر چڑھ آئے۔" بقول ایر یہ تو تھے وہاں کے بدلے اور سزائیں اور پھر انعام اور برکتیں بھی ایسی ہی تھیں۔

یہ روحیں سات دن تک اسی سبزہ زار میں ٹھہری رہیں۔ آٹھویں دن انہیں حکم ملا کہ پھر سفر شروع کریں۔ چوتھے دن یہ ایک جگہ پہنچیں جہاں سے روشنی کی کرن دکھائی دیتی تھی' سیدھی جیسے ستون' آسمان زمین کے آرپار' رنگ میں دھنک سے مشابہ' لیکن پاکیزہ اور روشن تر۔ ایک دن بھر اور چل کر اس جگہ پہنچ گئے۔ یہاں اس روشنی میں انہوں نے آسمانی زنجیروں کے سرے دیکھے جو اوپر سے لٹکی ہوئی تھیں۔ یہ روشنی آسمان کی پیٹی ہے اور سارے کرہ عالم کو اس طرح یکجا کیے ہوئے ہے جیسے تپنکھے جہاز کی نیچے کی کڑیاں۔ زنجیر کے ان سروں پر جبر ولزوم کا تکلا لٹکا ہوا ہے اور اسی پر سارے چکر ہوتے ہیں۔ ان تکلے کی جھڑ اور قلابے فولاد کے ہیں اور پھرکی فولاد کی اور کچھ اور دوسرے مسالے کی۔ پھرکی کی شکل وہی ہے جیسی یہاں دنیا میں عام رواج ہے۔ ایر نے اس کا جو بیان دیا اس سے پتہ چلتا ہے کہ ایک بڑی سی پھرکی ہے جسے اندر سے بالکل کھوکھلا کر دیا ہے۔ اس کے اندر اس سے ایک ذرا چھوٹی پھرکی بٹھادی ہے' اس کے اندر ایک اور' پھر ایک اور' اسی طرح چار اور' اور الغرض کل آٹھ پھرکیاں ہیں ایسے جیسے ایک برتن کے اندر دوسرا برتن رکھ دیا ہو۔ اوپر کی طرف تو ان پھرکیوں کے سرے دکھائی دیتے ہیں لیکن نیچے سب کے سب مل کر ایک پھرکی بناتے ہیں۔ اس کے اندر سے تکلا گزرتا ہے اور آٹھویں پھرکی کو بیچ میں

Marfat.com

سے چھیدتا ہے۔ پہلی پھرکی جو سب سے باہر ہے اس کا کنارہ بھی سب میں بڑا ہے' دوسروں کے کنارے اس ترتیب سے چھوٹے ہیں: بڑائی میں چھٹی کا نمبر پہلی کے بعد ہے' چھٹی کے بعد چوتھی کا' اس کے بعد آٹھویں' پانچواں نمبر ساتویں کا اور چھٹا نمبر پانچویں کا ہے' تیسری ساتویں نمبر پر ہے اور دوسری سب سے آخر یعنی آٹھویں نمبر پر۔ سب سے بڑی پھرکی (یعنی ثوابت) نہایت مرصع ہے۔ ساتویں (سورج) روشن ترین ہے۔ آٹھویں (چاند) ساتویں کی روشنی کے عکس سے رنگ حاصل کرتی ہے' دوسری اور پانچویں (زحل اور عطارد) رنگ میں ایک دوسرے کے مشابہ ہیں' ہاں اوروں کے مقابلے میں ذرا پیلی ہیں' تیسرے (زہرہ) کی روشنی سب میں سپید ہے' چوتھی (مریخ) کچھ سرخی مائل اور چھٹی (مشتری) سپیدی میں دوسرے نمبر پر ہے۔ اچھا سارے تکلے کی تو ایک ہی حرکت ہے لیکن جب یہ کل ایک طرف حرکت کرتا ہے تو اندر کے سات چکر سمت مخالف میں آہستہ آہستہ چلنے لگتے ہیں' ان میں آٹھواں سب سے تیز چلتا ہے' اس کے بعد تیزی کے اعتبار سے ساتویں' چھٹے اور پانچویں کا نمبر ہے اور سب کے سب حرکت کرتے ہیں' پھر حرکت قہقہری کے اس قانون کے ماتحت تیزی کے اعتبار سے تیسرے نمبر پر چوتھا چکر آتا ہے' چوتھے نمبر پر تیسرا اور پانچویں پر دوسرا۔ تکلا جبر' لزوم کے گھٹنوں پر گھومتا ہے' ہر چکر کے اوپر ایک مغنیہ ہے جو ساتھ ساتھ چکر کھاتی ہے اور ایک ہی انداز سے ایک سُر گائے جاتی ہے۔ آٹھوں مل کر ایک متناسب نغمہ مرتب کر لیتی ہیں' ان کے چاروں طرف برابر فصل سے تین کا ایک اور گردہ ہے' یہ اپنے اپنے تخت پر بیٹھی ہیں۔ یہ ہیں جبر ولزوم کی بیٹیاں' قضا وقدر کی دیویاں۔ یہ سفید لباس زیب تن کیے ہیں' سر پر ہر ایک کے ایک ایک ہار ہے۔ لاچسس' کلوتھو اور اٹروپوس ان کے نام ہیں۔ یہ اپنی آواز سے مغنیہ کی موسیقی کا ساتھ دیتی ہیں۔ لاچسس ماضی کا ترانہ گاتی ہے' کلوتھو حال کا اور آٹروپوس استقبال کا۔ کلوتھو اپنے سیدھے ہاتھ سے کبھی کبھی تکلے کے باہر والے چکر کو ذرا گھما دیتی ہے۔ آٹروپوس اُلٹے ہاتھ سے اندرونی چکروں کو چھو کر ان کی رفتار سادھتی ہے اور لاچسس باری باری دونوں کو چھوتی رہتی ہے' کبھی ایک ہاتھ سے' کبھی دوسرے سے۔

ایرا اور دوسری روحیں جب یہاں پہنچیں تو ان کا فرض تھا کہ سب سے پہلے لاچسس کے پاس جائیں' لیکن اس سے پہلے ایک پیغمبر نمودار ہوا جس نے ان سب کو ایک نظام سے مرتب کیا' پھر لاچسس کے قدموں پر سے قسمتیں اور زندگی کے مختلف نمونے لے کر یہ ایک اونچے منبر پر چڑھ گیا اور انہیں یوں مخاطب کیا: ''سنو! جبر ولزوم کی بیٹی لاچسس کا پیغام سنو! فانی روحو! زندگی اور موت کا ایک اور دور دیکھو۔ تمہارا فرشتہ تمہیں دیا نہ جائے گا' بلکہ تم خود اپنے فرشتے کا انتخاب کرو گے۔ جو پہلی چٹھی اُٹھائے گا اسی کو پہلا حق انتخاب ہوگا' پھر یہ جو زندگی چُنے گا وہی اس کی قسمت ہو جائے گی۔ نیکی آزاد

ہے اور بے آقا' جو اس کی جتنی عزت یا جتنی ذلت کرے گا اتنی ہی زیادہ یا کم اُسے ملے گی' ذمہ داری انتخاب کرنے والے پر ہے اور خدا بری الذمہ۔'' ترجمان نے یہ کہہ کر بلا امتیاز ان میں چٹھیاں پھیلا دیں' جو چٹھی جس کے قریب تھی وہ اس نے اُٹھالی' اس طرح سوائے ایر کے سب نے اُٹھائیں (اسے اجازت نہ تھی) اور ہر ایک نے دیکھا کہ اسے کون سا عدد ملا ہے۔ اب ترجمان نے ان سب کے سامنے زمین پر زندگی کے نمونے رکھ دیئے۔ جتنی روحیں وہاں موجود تھیں ان سب سے کہیں زیادہ زندگیوں کے نمونے تھے اور پھر طرح طرح کے۔ ہر طرح جانوروں کی زندگیاں تھیں اور ہر حالت کے انسانوں کی۔ ظالم استبدادی زندگیاں بھی تھیں' بعض ایسی کہ ظالم کی عمر بھر بلکہ اس سے زیادہ باقی رہیں' بعض ایسی کہ بیچ ہی میں منقطع ہو جائیں اور خاتمہ افلاس' دریوزہ گری اور جلاوطنی میں ہو۔ پھر سورماؤں کی زندگیاں تھیں' ایسوں کی بھی تھیں جو اپنی شکل صورت اور حسن نیز طاقت اور کھیلوں میں کامیابی کے لیے مشہور تھے' بعض ایسوں کی جو حسب اور نسب اور اجداد کی خوبیوں کے باعث ممتاز تھے' کچھ زندگیاں ایسوں کی بھی تھیں جو ان سے بالکل برعکس صفتوں کے باعث بدنام تھیں۔ عورتوں کی زندگیاں بھی تھیں' لیکن ان روحوں کی سیرت متعین نہ تھی کیونکہ جب روح نئی زندگی اختیار کرتی ہے تو لازم ہے وہ بالکل بدل جائے لیکن اور ساری صفتیں موجود تھیں' سب کی سب ایک دوسرے میں گڈ مڈ' دولت اور افلاس' صحت اور مرض کے عناصر کی بھی آمیزش تھی' علاوہ بریں دوسری ذلیل کیفیتیں بھی موجود تھیں۔

میرے عزیز گلاکن! یہاں ہے حیاتِ انسانی کا خطرہ عظیم اور یہیں حد درجہ احتیاط درکار ہے۔ ہر ایک کو چاہیے کہ اور تمام علم کو بالائے طاق رکھ کر بس اس ایک چیز کی طلب وجستجو میں لگ جائے۔ کیا عجب کہ ہم نیک و بد میں تمیز کرنا سیکھ جائیں یا ہمیں کوئی شخص مل جائے جو یہ چیز سکھا سکے تاکہ جب کبھی اور جہاں کہیں موقع ملے ہم بہتر زندگی منتخب کر سکیں۔ اس کے اسباب پر دھیان رکھنا چاہیے کہ یہ جو چیزیں ہم نے اوپر بیان کی ہیں ان میں سے ہر ایک علیحدہ علیحدہ اور سب مل کر نیکی پر کیا اثر ڈالتی ہیں' اسے جاننا ہوگا کہ کسی خاص روح میں اگر صورت کے حسن کو دولت سے یا افلاس سے ملا دیں تو اس کا کیا اثر ہوگا' اچھے یا بُرے حسب نسب' خانگی یا سرکاری عہدے' طاقت یا کمزوری' چالاکی اور کند ذہنی' روح کی ساری فطری اور کسبی صفتیں اور ان کے باہمی عمل' ان سب کے اچھے بُرے نتیجوں سے اسے آگاہ ہونا چاہیے تب کہیں یہ روح کی ماہیت کو دیکھ کر اور ان تمام باتوں پر نظر کر کے بتلا سکے گا کہ کون سی زندگی بہتر ہے کون نہیں اور اس طرح انتخاب کرے گا کہ جو زندگی روح کو زیادہ ناانصاف بنائے وہ بُری اور جو اسے زیادہ منصف بنائے وہ اچھی۔ باقی دوسری باتوں کو یہ بالکل نظرانداز کر دے گا۔ ہم دیکھ ہی چکے ہیں کہ زندگی اور موت دونوں میں یہی بہتر انتخاب ہے۔ انسان کو چاہیے کہ اپنے

Marfat.com

ساتھ عالمِ زیریں میں بھی حق اور صداقت پر ایسا ایمان ساتھ لے جائے جو کبھی نہ ڈگمگائے تا کہ وہاں بھی دولت کی آرزو اور باطل کے فریب اس کی نگاہ کو خیرہ نہ کر سکیں اور یہ نہ ہو کہ ظلم اور استبداد اور دوسری بداطواری کی زندگیوں کو دیکھ کر یہ دوسروں کو ناقابلِ تلافی اذیت پہنچائے اور خود اپنی ذات کو اس سے بھی بڑی مضرت دینے کا باعث بنے۔ اسے جاننا چاہیے کہ اسی زندگی میں نہیں بلکہ اس کے بعد کے تمام مراحل میں بھی یہ جہاں تک بن پڑے دونوں طرف کے انتہائی سروں کو چھوڑ کر درمیانی راہ کس طرح اپنے لیے منتخب کرے کہ یہی سعادت مندی وشادمانی کی راہ ہے۔

دوسرے عالم کے اس خبر دینے والے نے پھر بیان کیا کہ اس موقع پر اس پیغمبر نے یہ کہا: ''بالکل آخر میں آنے والے کے لیے بھی اگر وہ سمجھ بوجھ کر انتخاب کرے اور محنت سے زندگی گزارے تو ایک مسرت بخش اور خاصی پسندیدہ زندگی مقرر ہے جو سب سے پہلے انتخاب کرتا ہے یہ نہ ہو کہ وہ بے پروا ہو جائے اور جو سب سے آخر میں ہے اسے مایوس ہونے کی کوئی وجہ نہیں۔'' یہ جب کہہ چکا تو جسے سب سے پہلا حق انتخاب ملا تھا وہ آگے بڑھا اور دیکھتے دیکھتے اس نے سب سے بڑے ظلم اور استبداد کو اپنے لیے چُن لیا۔ اس کا دماغ چونکہ حماقت اور حرص سے تاریک ہو چکا تھا اس نے چناؤ سے پہلے سارے معاملے پر غور نہیں کیا اور پہلی نظر میں یہ بات اسے نہ سجھائی دی کہ منجملہ دیگر برائیوں کے اس کی قسمت میں یہ بھی لکھا تھا کہ یہ اپنی اولاد کو خود نگل جائے گا لیکن جب ذرا غور کرنے کا موقع ملا اور اس نے دیکھا کہ اس کی قسمت میں کیا کیا آیا تو لگا چھاتی پیٹنے اور اپنے انتخاب پر رونے دھونے اور پیغمبر کے سابقہ اعلان کو بھول گیا اور بجائے اس کے کہ اپنی بدنصیبی کا الزام خود اپنے کو دے لگا بخت واتفاق اور دیوتاؤں کو ذمہ دار ٹھہرانے۔ غرض ہر ایک ملزم تھا' بس یہی ایک بےقصور۔ سنو! یہ ان لوگوں میں سے تھا جو آسمان سے آئے تھے' سابقہ زندگی میں یہ ایک نہایت عمدہ منتظم ریاست میں رہ چکا تھا لیکن اس کی نیکی خالی عادت پر مبنی تھی' اس کے پاس کوئی فلسفہ نہ تھا۔ یہی حال اداروں کا تھا جن پر اسی قسم کی افتاد پڑی یعنی ان میں سے اکثر آسمان سے آئے تھے' امتحان وآزمائش سے ان کی تعلیم نہیں ہوئی تھی ہاں زمین سے آنے والے چونکہ تکلیفیں جھیل چکے تھے اور دوسروں کو تکلیفیں اُٹھاتے بھی دیکھ چکے تھے اس لیے انہیں انتخاب کرنے میں جلدی نہ تھی۔ کچھ تو اس ناتجربہ کاری کے باعث' کچھ اس سبب سے کہ چٹھیوں کا نکلنا کچھ اتفاق پر منحصر تھا' بہت سی روحوں نے بری کے بدلے اچھی اور بہتوں نے اچھی کے بجائے بری قسمت پائی۔ ہمارے قاصد کا بیان ہے کہ اگر اس دنیا میں آنے کے بعد انسان اپنے کو تمام تر سچے فلسفے کے لیے وقف کر دے اور پھر چٹھی نکلنے کے معاملے میں بھی معمولی سا خوش قسمت ہو تو وہ یہاں خوش رہے اور دوسری زندگی میں اس کا سفر اور پھر وہاں سے دوبارہ واپسی دشوار گزار اور زیرِ زمین راستوں

سے نہ ہو بلکہ نہایت ہموار آسمانی راہوں سے۔ یہ کہتا تھا کہ یہ منظر بھی نہایت حیرت خیز اور عجیب تھا ایک ہنسی تھی ایک دکھ۔ اکثر روحوں کا انتخاب پچھلی زندگی کے تجربوں پر مبنی تھا۔ مثلاً اس نے یہاں وہ روح دیکھی جو کبھی ارفیس تھی (ارفیس یونانی دیومالا کا مشہور مغنی جو یوری پدیس کے مطابق جانوروں، درختوں، پتھروں تک کو اپنے نغموں سے وجد میں لے آتا تھا) اسے چونکہ عورتوں نے قتل کیا تھا اس لیے یہ عورت کے پیٹ سے پیدا ہونے کے خیال سے بھی نفرت کرتا تھا اور عورتوں کی ساری نسل سے اس عداوت کے باعث اس نے ہنس کی زندگی انتخاب کی۔ اس نے تھائرس کی روح کو بھی بلبل کی زندگی منتخب کرتے دیکھا۔ (تھائرس ایک ایسا رجز خواں تھا جسے یہ زعم تھا کہ اگر Muses بھی اس کی مخالفت کریں تو بھی وہ مقابلے میں بازی لے جا سکتا ہے۔ میوزوں نے اسے اندھا کر دیا اور اس کا فن بھلا دیا۔ بہت سے آلاتِ موسیقی کی نسبت اسی کی طرف کی جاتی ہے) برخلاف اس کے چڑیاں مثلاً ہنس اور دوسرے گانے والے پرند انسان بننا چاہتے تھے۔ جس روح کو بیسواں عدد ملا تھا اس نے شیر کی زندگی پسند کی، یہ اجاکس بن تلامون کی روح تھی جو اس لیے انسان بننا نہیں چاہتی تھی کہ ہتھیاروں کے معاملے میں اس کے ساتھ ناانصافی کی گئی تھی۔ (تلامون سلامس کا بادشاہ تھا۔ ہومر کی ایلیڈ میں یہ سلامس کی فوج کا سردار ہے، بہت بالا، قوی الجثہ، ہمت والا مگر ذرا بے وقوف۔ اوڈیسی میں اس کی موت کی وجہ یہ بتائی گئی ہے کہ ایکلس کی موت کے بعد اس کے ہتھیار اسے ملنے کی جگہ اوڈیس کو دے دیئے گئے۔ سوفوکلز نے لکھا ہے کہ اس پر وہ غصے سے پاگل ہو گیا اور اپنے ہاتھ سے اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالا)

اس کے بعد اگمنان کی باری تھی۔ اس نے عقاب کی زندگی اختیار کی کیونکہ اجاکس کی طرح اپنی مصیبتوں کا خیال کر کے یہ بھی انسانی فطرت سے نفرت کرتا تھا۔ تقریباً بیچ میں اٹلانٹا کا نمبر آیا۔ اس نے ایک کھلاڑی پہلوان کی شہرت جو دیکھی تو اس لالچ کا مقابلہ نہ کر سکی۔ (اٹلانٹا یونانی دیومالا میں ارتمیس کی شکارن کے روپ میں دوسری شکل تھی۔ اسے شادی سے نفرت تھی۔ میلاگر اس پر فریفتہ تھا اور اسی سے اس کا لڑکا ''پارتھےنوپیں'' ہوا تھا۔ اٹلانٹا کی شادی کے لیے شرط یہ تھی کہ امیدوار مرد اُسے دوڑ میں ہرائے اور یہ ہوتا نہیں تھا۔ یہ اکثر مردوں کا پیچھا کر کے انہیں نیزے سے مار ڈالتی تھی)

اس کے بعد نپوپیں کے بیٹے اپیس نے ایک مکار حرافہ عورت کی زندگی اختیار کی۔ آخر میں انتخاب کرنے والوں میں کہیں دور کو مسخرہ تھرسی ٹیس بھی تھا۔ اس نے بندر کی شکل قبول کی۔ اب اوڈیسیس کی روح آئی کہ اس کا نمبر آخری تھا اور اسے بھی اپنے لیے انتخاب کرنا تھا۔ (ہومر کی اوڈیسی کا مرکزی کردار جو سراسر شجاعت اور فراست سے عبارت ہے)۔ پچھلی مشقتوں کی یاد نے اس کے حوصلے کو پست کر دیا تھا۔ یہ بڑی دیر تک اِدھر اُدھر ایک خانگی آدمی کی زندگی ڈھونڈتا پھرا جسے کوئی غم اور

Marfat.com

فکر نہ ہو۔ اس کے ملنے میں ذرا دشواری ہوئی۔ یہ کہیں ایک طرف کو پڑی تھی اور سبھوں نے اس کا ذرا خیال نہ کیا تھا۔ یہ جو اس زندگی کو دیکھ پایا تو بولا کہ اگر مجھے بجائے آخر کی جگہ انتخاب کا پہلا حق ملتا تو بھی میں اسی زندگی کو منتخب کرتا اور اسے پا کر وہ واقعی بڑا خوش تھا۔

یہی نہیں کہ آدمی ہی جانوروں کی زندگیاں اختیار کرتے تھے' میں یہ بھی ضرور کہہ دوں کہ جنگلی اور پالتو جانور آپس میں بھی اپنی زندگیاں بدل رہے تھے اور اپنی طبیعت کی مناسبت سے انسانی زندگیاں بھی اختیار کرتے تھے' مثلاً اچھے نرم مزاج بھلے مانسوں کی زندگی اور بُرے وحشیوں کی۔ غرض طرح طرح اور ہر ممکن طریقے سے۔ اب جب سب روحیں اپنی اپنی زندگی منتخب کر چکیں انتخاب کی ترتیب سے لاچےسس کے سامنے پہنچیں' اس نے ان کے ساتھ وہ فرشتہ کر دیا جو ہر ایک نے منتخب کیا تھا تا کہ یہ ان کی زندگی کا نگہبان رہے اور ان کے انتخاب کو پورا کرے۔ یہ فرشتہ پہلے تو انہیں کلوتھو کے روبرو لے گیا اور یہ اپنے ہاتھ سے جس تکلے کو چلا رہی تھی اس میں رکھ کر انہیں چکر دیا اور اس طرح گویا ہر ایک کی قسمت کی تصدیق ہوگئی' پھر خود تکلے کو چھو کر یہ انہیں اتروپوس کے پاس لے گیا جو قسمت کے ڈورے کات رہی تھی تا کہ یہ ناقابل تغیر ہو جائے۔ یہاں سے یہ بے منہ پھیرے جبر ولزوم کے تخت کے تلے سے گزرے، جب سب اس کے نیچے سے نکل لیے تو خود فراموشی کے جلتے تپتے میدان میں پہنچے۔ یہ ایک چٹیل میدان تھا جس میں نہ درخت کا پتہ تھا نہ سبزے کا نشان۔ ہر ایک کو مجبور کیا گیا کہ اس میں سے تھوڑا تھوڑا پانی پئیں جنہیں عقل نے نہیں سنبھالا وہ ضرورت سے زیادہ پی گئے۔ اس کے پیتے ہی سب کے سب ساری باتیں بھول گئے' پھر سب پڑے سوتے تھے کہ آدھی رات کو برق و باد کا طوفان اور زلزلہ شروع ہوا اور جیسے ٹوٹے ہوئے تارے ادھر اُدھر ہو جاتے ہیں یہ بھی دیکھتے دیکھتے مختلف راستوں سے اپنی جائے ولادت تک پہنچا دیئے گئے۔ ہمارے قاصد کو البتہ یہ پانی نہیں پینے دیا لیکن یہ کیونکر اور کس طرح پھر جسم میں واپس آیا اس کا خود اُسے پتہ نہیں۔ صبح جو یک بیک آنکھ کھلی تو دیکھا کہ تابوت پر لیٹا ہے اور یوں میاں گلاکن یہ قصہ باقی رہ گیا فنا نہیں ہوا۔'' (ریاست: از: افلاطون، ص ۴۱۹ تا ۴۲۷)

اینی آس کا سفر ارواح

شہور لاطینی شاعر ورجل (Virgil.70-19 bc) کی منظوم داستان ''انیڈ'' (Aeneid) کے ہیرو ''اینی آس'' (Aeneas) کو بھی دوزخ کا ایک سفر پیش آیا۔ ٹروجن کی جنگ کے بعد اینی آس اور اس کے ساتھی اٹلی کے مغربی ساحل پر پہنچتے ہیں جہاں کے ایک غار میں سیکڑوں برس سے سبل (Sibyl) نامی ایک کاہنہ رہتی تھی۔ یہیں کے معبد کے اندر ایک خاص درخت اُگتا تھا جس کی ڈالی

Marfat.com

توڑنی ممنوع تھی۔اس کے پتوں پر یہ کاہنہ اپنی پیشین گوئیاں لکھ کر غار کے باہر پھینک دیا کرتی تھی۔ انئی کاہنہ نے اینی آس کو اُس درخت کی ڈالی، جسے ''شاخِ زریں'' کہا جاتا تھا، توڑنے کا کہا تا کہ اس کا عالمِ ارواح کا سفر آسان رہے۔اینی آس ان کاہنہ کی رہنمائی میں زیرِ زمین سفر اختیار کرتا ہے جس کے دوران وہ باپ کے علاوہ ان عظیم رومیوں کی ارواح سے ملتا ہے جو ابھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔

(سر جیمس جارج فریزر، شاخِ زریں (جلد اوّل) ص:۱۳)

ھپولیٹس کا اسطورہ

یونان کا نوجوان، حسین اور پاک باز سورما ھپولیٹس (Hippolytus) جس نے کیران (Chiron) نامی سنتور (Centaur) سے شکار کا فن سیکھا۔یونانی صنمیات کی رو سے سنتور یونان کے ضلع تھیسلی کی ایسی مخلوق تھے جن کا آدھا جسم گھوڑے کا اور آدھا آدمی کا تھا۔ان میں کیران کی حیثیت سب سے نمایاں تھی، اس لیے کہ وہ طب، موسیقی اور قادر اندازی کا ماہر اور بہت سے یونانی سورماؤں کا استاد تھا۔ھپولیٹس اپنا سارا وقت جنگل میں درندوں کا تعاقب کرتے گزارتا تھا اور اس شغل میں کنواری شکارن ارتمیس (Artemis) [دائنا دیوی کا یونانی نام] اس کی اکیلی رفیق ہوتی۔اس دیوی کی بے لوث صحبت پر اسے کچھ ایسا ناز تھا کہ اس نے عورتوں کی محبت کو ٹھکرا دیا اور یہی چیز اس کی تباہی کا سبب بن گئی۔افرودیتی (Aphrodite) [یونانی صنمیات کی رو سے اس دیوی کا تعلق حُسن و عشق کے جنسی پہلو اور مرد و زن کے حیاتیاتی رشتے سے ہے] نے، جسے ھپولیٹس کی محبت میں ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا تھا، اپنے جوشِ انتقام میں اس کی سوتیلی ماں فیڈرا (Phaedra) کے دل میں اس کی محبت پیدا کر دی، اور جب ھپولیٹس نے اس کی ہوسناک اداؤں کا جواب حقارت سے دیا تو اس نے اس کے خلاف اس کے باپ تھیسیوس (Theseus) کے کان بھر دیے اور اس پر بہتان لگایا، جس پر یقین کر لیا گیا اور تھیسیوس نے اپنے باپ پوسائی ڈون (Poseidon) [جو کہ یونانی دیومالا پانی اور سمندر کا دیوتا تھا] سے التجا کی کہ وہ اس ظلم کا انتقام لے، چنانچہ ایک دن ھپولیٹس اپنے بمان میں سوار اٹلی کے ایک خلیج سارونو کے کنارے سے گزر رہا تھا کہ سمندر کے دیوتا نے موجوں میں سے ایک مست بیل بھیج دیا، اس سے گھوڑے بھڑک گئے اور ھپولیٹس کو گاڑی سے پھینک کر اسے اپنے سموں سے ایسا گھسیٹا کہ اس کا کام تمام ہو گیا، لیکن دائنا نے ھپولیٹس کی محبت میں کیوان کے ایک شاگرد حکیم ایسلیپیس (Aesculapius) کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ اس خوبرو شہسوار کو پھر سے زندہ کر دے۔ایک فانی انسان کے اس طرح موت کی سرحدوں سے لوٹ آنے پر جوپیٹر [دیوتاؤں کے دیوتا زیوس کا رومی نام] غضب ناک ہو گیا اور خود اس حکیم کو جس نے اس کی خدائی میں مداخلت کی جسارت کی تھی، عالمِ اسفل میں پھینک دیا مگر اپنے

Marfat.com

محبوب کو دائنا نے اس دیوتا کے قہر سے بچانے کے لیے گہرے بادل میں چھپا دیا، اس کی عمر بڑھا کر اس کا حلیہ بدل ڈالا اور پھر اسے دور نیمی کی گھاٹیوں میں لے گئی اور وہاں اسے جل پری اجیریا کے حوالے کر دیا تا کہ وہ اٹلی کے اس جنگل کے اندر وربیس کے نام سے تنہائی اور گمنامی کی زندگی بسر کرے۔ اس جنگل میں اس نے بادشاہت کی اور اسی میں اس نے دائنا کی ایک عبادت گاہ بنائی۔ وربیس نامی اس کا ایک خوبصورت بیٹا تھا، جس نے اپنے باپ کے انجام سے بے پروا، اپنی آس اور اہل ٹرائے سے لاطینیوں کی جنگ میں ان کی مدد کے لیے غضب ناک جنگی گھوڑے بھیجے تھے۔

(سرجیمس جارج فریزر، شاخِ زریں (جلد اوّل) ص: ۱۵،۱۶)

مشرق کے راہبانِ ثلاثہ یا سینٹ مکاریوس (St.Macarius) کی داستان

تین راہب فارس، شام اور حبشہ کو عبور کرتے ہیں۔ وہاں لوگوں کے سر کتوں جیسے ہیں۔ طرح طرح کے دیو، عفریتوں اور دوسرے جانوروں کا یہ مسکن ہے، پھر ایک ریگستان آتا ہے۔ اس کے آگے ہاتھیوں کا دیش ہے۔ اس کے آگے جو علاقہ ہے وہاں ہر وقت سایہ چھایا رہتا ہے۔ اس کے آگے سکندرِ اعظم کی بنائی ہوئی دیوار ہے جہاں دنیا ختم ہوتی ہے۔

اسطورۂ تندال (Tundal)

اسطورۂ تندال کے لاطینی نسخے کا مصنف آئرلینڈ کا ایک راہب تھا جس نے خود اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ بربری زبان (Barbarous tongue) سے اس نے اس داستان کو منتقل کیا تھا، جس راہب کی طرف اس داستان کو منسوب کیا گیا ہے وہ ۱۱۴۹ء میں زندہ تھا۔ اس طرح یہ داستان بارھویں صدی کے نصف آخر کی ٹھہرتی ہے۔ اس داستان کے مطابق تندال کی روح آخرت کی سیر کرتی ہے۔ آگ اور برف کے مناظر کے علاوہ گندھک کی ندی اور تنگ پُل (پُل صراط؟) کا ذکر ملتا ہے۔ اس پُل سے صرف پرہیز گار ہی گزر سکتے ہیں۔

سینٹ پیٹرک (St.Patrick) کی داستانِ برزخ

سینٹ پیٹرک کی داستانِ برزخ آئرلینڈ میں بارھویں صدی کے نصف آخر میں سامنے آئی اور جلد ہی پوری مسیحی دنیا میں عام ہوگئی۔ کالڈرون (Calderon) نے ایک ڈرامے میں اس داستان کو پیش کیا ہے جس کی بدولت ادبی دنیا میں اس کو دائمی مقام حاصل ہوا۔ اون (Owen) نام کا ایک آئرش شہسوار ایک غار میں داخل ہو جاتا ہے جہاں سینٹ پیٹرک آخرت سے ہمکلام ہوتا ہے۔

Marfat.com

البریک (Alberic) کا خواب

خواب البریک کی تصنیف اطالیہ میں مونتی کازینو (Montecasino) کی خانقاہ میں تیرھویں صدی عیسوی میں عمل میں آئی۔۱۸۲۴ء میں آبے کانسیلیری (Abbe Cancellieri) نے اس کے لاطینی متن کو شائع کیا۔البریک نام کا ایک راہب آخرت کی سیر کرتا ہے۔آگ، برف، خون اور سانپوں کے ذریعے عذاب کے مناظر دیکھتا ہے دوزخ کے بیچوں بیچ لوسیفر (Lucifer) بیڑیوں سے جکڑا ہوا دکھایا گیا ہے۔ایک تنگ پُل بھی ہے جو جنت تک جاتا ہے۔

خوابِ ترچل (Turchill)

ترچل کے خواب کا زمانۂ تصنیف تیرھویں صدی قرار دیا جاتا ہے۔اس داستان کی بہت سی تفصیلات اسلامی روایتوں سے ملتی جلتی ہیں۔اس داستان میں وکیل کی سزا یہ ہے کہ اس کو اپنے ناجائز منافع کو نگلنے پر مجبور کیا جاتا ہے۔اسلام کے واقعہ اسراء میں کفالت میں خیانت کرنے والوں اور سود خوروں کو یہی سزا دی گئی ہے۔آگ کی چٹانوں اور لوہے کی سلاخوں کو ان کے حلق سے اتارا جاتا ہے۔اس طرح کی ایک اور داستان وٹن (Wettin) کی ہے جس کا زمانۂ تخلیق نویں صدی مسیحی ہے۔ترچل کے خواب کا ایک حصہ جنت سے متعلق ہے۔اس میں حضرت آدمؑ ایک شجرۂ معجزہ کے تنے کے پاس تشریف فرما ہوتے ہیں۔یہ شجرۂ معجزہ بائبل کے دریاؤں کے سرچشمے سے قریب ہے۔حضرت آدمؑ ایک آنکھ سے ہنس رہے ہیں مگر دوسری آنکھ سے رو رہے ہیں۔ان کا ہنسنا اپنی جنتی اولاد کے لیے ہے اور ان کا رونا اپنی بدنصیب اولاد کے لیے ہے جو عذابِ سرمدی کی حق دار ہوگی۔

خواب جواشیم

پادری جواشیم (Abbot Joachim) کا خواب تیرھویں صدی کا ہے جس میں پُل صراط کا ذکر کیا گیا ہے۔اسلامی روایت کے مطابق کسی عقاب جیسی تیزی سے اہل ایمان اس پُل کو پار کریں گے۔جواشیم کی داستان میں عقاب کی جگہ پرندہ ہے۔اس داستان میں پُل سے آگے ایک دیوار ہے جہاں جنت کا باغ آباد ہے۔

باڈرا گیوامیلیا کا خواب

باڈرا گیوامیلیا کا خواب (Bard of Regio Emilia) کا خواب تیرہویں صدی میں منظوم ہوا۔اس کا مصنف اطالیہ کا ایک تروبادور شاعر ہے جو دوزخ کو واضح انداز سے آٹھ حصوں میں تقسیم کرتا ہے اور ہر حصہ کی نمایاں خوبیوں کو بیان کرتا ہے۔

شاہ شارلیمان، ہنری سوم اور شاہ روڈولف برگنڈی کے محاکمے

اس داستان میں ان تینوں بادشاہوں کو خدا کے حضور پیش کیا جاتا ہے اور ان کا محاکمہ ہوتا ہے۔ ان کے گناہ ترازو کے ایک پلڑے میں رکھے جاتے ہیں۔ پلڑا جھکنے ہی والا ہوتا ہے کہ ایک پادری نذر و نیاز کے ان سامانوں کو دوسرے پلڑے میں رکھ دیتا ہے جو ان بادشاہوں نے کلیسا کو پیش کیے تھے۔ اس طرح نیکی کا پلڑا جھک جاتا ہے اور تینوں بادشاہ دوزخ سے بچ جاتے ہیں۔

سمندری اساطیر یا خیالی جزیرے

عہدِ وسطیٰ کی مسیحی ادبیات میں گیارھویں صدی کے آغاز سے بعد کے ادوار تک متعدد سمندری اساطیر وجود میں آئے۔ ان اساطیر میں ایسے مقامات کی سیر بھی شامل ہے جہاں تک کسی انسان کا پہنچنا بہت مشکل تھا۔ ان خیالی جزیروں میں جنگجو، فاتحین یا صوفیہ ہی پہنچ سکتے ہیں۔

گوئیلم ڈی لارس (Guillaume de Lorris) کی ''رومانس آف دی روز''

مغربی ادب میں مذکورہ موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی کتاب تیرہویں صدی کے ایک فرانسیسی شاعر گوئیلم ڈی لارس، (Guillaume de Lorris) (۱۲۰۰ء۔۱۲۴۰ء) کی ''رومانس آف دی روز'' (Romance of the Rose) ہے۔ لارس کے حالاتِ زندگی تاریکی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ صرف اتنا معلوم ہے کہ اس نے چار ہزار مصرعوں پر مشتمل ایک ایسے نوجوان کی خوابناک، خیالی محبت کی داستان لکھی جو ایک مسحور کن اور گھنے باغ میں ایک خوبصورت کھلتی کلی سے محبت کرتا ہے۔ یہ دراصل ایک تمثیلی اور تخیلاتی نظم تھی جو شاعر اپنی زندگی میں مکمل نہ کر سکا۔ بعد میں فرانس ہی کے ایک اور شاعر جین ڈی میون (Jean de meun) نے مزید اٹھارہ ہزار مصرعے لکھ کر اسے مکمل کیا۔

دانتے کی طربیۂ خداوندی (DivineComedy)

مغربی ادب میں سیرِ افلاک اور جہانِ دیگر کے موضوع پر دانتے (۱۳۲۱ء) کی طربیۂ خداوندی (Divine Comedy) کو عام طور پر ادبی اور فنی نوعیت کی پہلی اور آخری کتاب سمجھا جاتا رہا ہے۔ دانتے اٹلی کا ایک کٹر عیسائی عقیدہ رکھنے والا فلسفی شاعر تھا۔ اس کے علوی اور روحانی تجربات اسلامی روایاتِ معراج کے چھ سو سال اور فتوحات کے ۸۰ سال بعد منصۂ شہود پہ آئے۔ ڈیوائن کامیڈی، معراجِ نبوی ﷺ کی روایات اور ابن عربی کی اسرار و رموز سے معمور روحانی معراج جس کا فتوحات میں گا ہے گا ہے ذکر ہوا ہے سے بھرپور استفادہ کے بعد خالصتاً ادبی انداز میں لکھی گئی۔

''ڈیوائن کامیڈی'' جسے دانتے نے اپنی ۱۸ برس کی جلاوطنی کے دوران لکھا، کا نام دانتے کا

Marfat.com

تجویز کردہ نہیں۔ اُس نے تو اس کا نام فقط ''کامیڈیا'' (Commedia) رکھا تھا۔ لفظ ''ڈیوائن'' کا اضافہ اس کے مداحوں اور قدردانوں نے کیا۔ اس کا یہ نام ۱۵۵۵ء میں شائع ہونے والے ایڈیشن کا تھا۔

ڈیوائن کامیڈی تمثیلی انداز کی ایک بیانیہ نظم ہے جس کا آغاز ۱۳۰۷ء میں ہوا اور ۱۳۲۱ء میں یہ نظم مکمل ہوئی۔ اس میں دانتے نے اپنے تخیلی معراج کے مشاہدات کو شاعری کی صورت میں قلمبند کیا جو اپنے عہد کے علوم وفنون، عیسائی اقوام کی مذہبی اور اخلاقی کمزوریوں اور سیاسیاتِ یورپ کے صحیح کوائف کا مرقع ہے۔ اِسی واحد علمی وادبی کتاب کی بدولت اُس زمانے کی نسلوں کے دل ودماغ، اخلاق وعادات اور احساس وشعورِ حیات میں وہ ہیجان رونما ہوا جو کچھ عرصہ کے بعد یورپ کی عام علمی ، مذہبی اور سیاسی نشاۃِ ثانیہ کا پیش خیمہ ثابت ہوا۔

اس طویل تمثیل نظم میں بصارت وبصیرت، لحن وسماعت، خوشبو ولمس، خوف ورحم اور مسرت وغم کے جذبات ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اس اعتبار سے یہ دنیائے فن میں عظیم شعری آرٹ کا درجہ رکھتی ہے۔ طوالت اور فنی ساخت کے اعتبار سے ابھی تک دنیا کی کوئی اور نظم یا شعری تصنیف اس کی حریف نہیں بن سکی سوائے علامہ اقبالؒ کی عظیم نظم ''جاوید نامہ'' کے جو ڈیوائن کامیڈی کے سات سو سال بعد لکھی گئی۔

''طربیۂ خداوندی'' کو ساری مغربی دُنیا اپنا سرمایۂ افتخار گردانتی ہے۔ اسے مغرب کے قرونِ وسطیٰ کا حاصلِ فکر ونظر قرار دیا جاتا ہے بلکہ کارلائل کے خیال میں تو دانتے نے اس شاہکار کے ذریعے عیسویت کی گیارہ خاموش صدیوں کو زبان عطا کی ہے۔

(On Heroes and Hero Worship".p:330)

طربیۂ خداوندی تلمیحات، اشارات اور علامات سے لبریز ایسا کلام ہے جو ہر قدم پر قابلِ تشریح اور محتاجِ وضاحت ہے۔ دانتے نے شاعری کا وجدان ورجل کے کلام سے حاصل کیا۔ مشہور لاطینی شاعر ورجل (۷۰ تا ۱۹ ق م) جولیس سیزر کے عہد کا بے پناہ شعری صلاحیتوں کا مالک، شائستہ، متحمل مزاج اور نیک طینت شاعر تھا۔ ایک نیک شخص کے عقل کے استعارے کے طور پر دانتے اسے اپنا رہنما بناتا ہے، اپنا معنوی استاد اور مرشد تسلیم کرتا ہے اور اسے اپنے احوال بیان کرتا ہے۔ اس کی تصنیف اینیڈ (Aeneid) جو ایک طویل رزمیہ ہے، سے دانتے نہ صرف بہت متاثر تھا بلکہ اس سے اس نے بہت کچھ اخذ وحاصل کیا۔

مذہبی فکر وشعور، دانتے نے تھامس ایکوئنس کی تحریروں سے اور ایمان وایقان سینٹ آگسٹن سے حاصل کیا جبکہ خیالی سفرِ سماوی کی تفصیلات اُس نے معراج النبی ﷺ کی روایات سے اخذ کیں۔ اب یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں رہی کہ ڈیوائن کامیڈی سے قریباً چھ سو سال پہلے اسلام میں معراج

النبی ﷺ کی وہ تمام تفاصیل موجود تھیں جن میں بہشت اور دوزخ کے خاکے اور منازل و مدارج، جزاوسزا، مشاہدات و مناظر، اندازِ حرکات و سکنات افراد اور اس عظیم سفر کی واردات اور رموز و کنایات و اشارات کے خزائن ہیں۔ معراج النبی ﷺ کے بعد دوسرا بڑا مصدر محی الدین ابن عربی کی ''فتوحاتِ مکیہ'' اور ''الاسرالی مقام الاسریٰ''، اِسی طرح منصور حلاج کی طواسین، ابوالعلاء معریٰ کا رسالۃ الغفران، ابن سینا کا رسالہ الطیر جس میں روح کے طیران یا پرواز سے بحث کی گئی ہے، اس کا ترجمہ دانتے سے قبل لاطینی زبان میں ہو چکا تھا اور فرانس کے میوزیم واقع پیرس میں موجود تھا جہاں دانتے نے جلاوطنی کا زمانہ گزارا۔ علاوہ ازیں خود عیسائیت میں ٹنڈل البریک آف مانٹے کسینو، جہنم، اعراف اور بہشت کی فرضی اور خیالی سیر ''البریک کا خواب'' کے نام سے لکھ چکا تھا جس میں اس نے دکھایا کہ سینٹ پیٹر نے اسے جہنم اور اعراف کی سیر کرائی جہاں گنہگاروں کے مختلف عذابوں کا حال سینٹ پیٹر اسے بتاتا ہے۔ وہ سات آسمانوں کو عبور کر کے بہشت میں بھی جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ دانتے کے سامنے تھا۔ ان تمام مصادر کا ذکر کیے بغیر ڈیوائن کامیڈی میں دانتے نے اپنے ہاں کے سیاسی و تاریخی تناظر کے ساتھ کچھ ایسا اسلوب اختیار کیا کہ طویل عرصے تک یورپ میں اپنی شاعرانہ و حکیمانہ قابلیتوں کا لوہا منوایا۔

ڈیوائن کامیڈی، ادبِ عالیہ کا شہرہ آفاق، بے مثل اور عظیم شعری اور تخلیقی کارنامہ ہے۔ اس میں بلاشبہ شعریت کی عظیم خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ دینیات (عیسائیت) کے عناصر زیادہ ہونے کی وجہ سے ڈیوائن کو بعض نقادوں نے خالص مذہبی نظم قرار دیا ہے۔ خود دانتے اس کے بارے میں اپنے ایک خط میں لکھتا ہے:

> ''طربیہ'' لکھنے کا کام محض کسی خیال آرائی کی خاطر نہیں بلکہ ایک عملی مقصد کی خاطر شروع کیا گیا۔ اس ساری تصنیف کا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ اس دُنیا میں زندگی گزار رہے ہیں انہیں ابتری سے نجات دلائی جائے اور بابرکت زندگی کی طرف ان کی رہنمائی کی جائے۔'' (جہنم، از: دانتے، ترجمہ مولوی عنائت اللہ، ص: ۵)

ڈیوائن کامیڈی کو اطالوی زبان میں لکھ کر دانتے نے اطالوی زبان کو نئی وسعتوں سے ہمکنار کیا اور اسے وہ کمال اعجاز بخشا کہ جلد ہی اس کا شمار دنیا کی مشہور زبانوں میں ہونے لگا۔ اب یہ اطالوی ادب میں ہی نہیں بلکہ عالمی ادب میں بھی فکر و فلسفہ اور ادب و فن کا ایک زندہ حوالہ ہے۔ دُنیا کی ہر وقیع اور مہذب زبان میں اس کا ترجمہ ہوا۔

ڈیوائن کامیڈی کے تین حصے ہیں:

1۔ جہنم (Inferno)، جس میں ۳۴ کینٹوز (سرود یا نغمے) ہیں۔

2۔ اعراف یا برزخ (Purgatorio) کے ۳۳ کینٹوز ہیں۔
3۔ بہشت (Paradiso) کے بھی ۳۳ کینٹوز ہیں۔
یہ سب کینٹوز ۱۴۲۳۳ مصرعوں پر مشتمل ہیں۔

جہنم یا دوزخ میں انسانی زندگی کی سیاہ کاریوں کا عکس پیش کیا گیا ہے۔ اس میں دانتے نے زیادہ تر اپنے سیاسی مخالفوں کو گوناں گوں اذیتوں میں مبتلا دکھایا ہے۔ عذاب و اذیت کے مدارج کے اعتبار سے دوزخ کی درجہ بندی گناہ اور مدارجِ گناہ کے ساتھ وابستہ ہے، دوزخ کے حلقے یا درجے جس قسم کے گنہگاروں کے لئے مخصوص کیے گئے ہیں ان میں زیادہ تر اخلاقی گنہگار ہیں، مثلاً ابن الوقت لوگ، شہوت پرست، شکم پرست، مغلوب الغضب لوگ، زندیق اور بدعقیدہ لوگ، کفر بکنے والے، ہر نوع کی اخلاقی بے راہ روی کا شکار ہونے والے، مکار اور دھوکے باز لوگ، وغیرہ۔

اعراف یا برزخ کے مکینوں کے بارے میں دانتے کا خیال ہے کہ وہ بعض اذیتیں برداشت کر لینے کے بعد روحانی پاکیزگی کے ایسے مقام تک پہنچ پائیں گے جہاں سے ان کے لئے بہشت میں داخل ہونا ممکن ہو جائے گا۔ اس مقام پر عذاب سہنے والوں میں اہلِ غرور، حاسدین، اہلِ حشم، تن آسان، کنجوس، بخیل، اسراف کرنے والے، شکم پرست، نفس پرست وغیرہ سب شامل ہیں۔ برزخ کا اختتام ایک خوبصورت مقام پر ہوتا ہے جسے "بہشتِ زمینی" سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اعراف کا تصور عیسائیت کے لیے نیا تھا۔

جنت میں روحانی مسرت و وجدان کی کیفیات کا بیان ہے۔ اس مقام پہ وہ ارواحِ جلیلہ ہیں جنھوں نے دنیا میں قابلِ رشک اخلاقی زندگی بسر کی تھی تاہم ابتدا میں ان روحوں کو دکھایا گیا ہے جنھوں نے مذہبی اعمال میں کوتاہی برتی۔ دانتے کی دُنیائے بہشت زیادہ تر عیسائیت کے خدمت گزاروں سے آباد ہے۔

اس خواب ناک تصنیف کا ماحصل و ملخص یہ ہے کہ اگر انسان مشعلِ علم ہاتھ میں لے کر نیک نفسی اور پاک باطنی کے ساتھ آگے بڑھے تو وہ اس زندگی میں بھی دنیا بھر کی نعمتوں اور برکتوں سے فیضِ روحانی حاصل کر سکتا ہے۔ جس جہنم، اعراف اور بہشت کا اس نظم میں ذکر ہے وہ سوائے روح کی اخلاقی پستی اور بلندی کے اور کچھ نہیں ہے۔

دانتے راستہ بھول کر ایک تاریک جنگل میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ تین وحشی درندے اس کا راستہ روکے کھڑے ہیں، وہ ایک پاکیزہ پہاڑ کی چوٹی پر جانا چاہتا ہے۔ اس حال میں اسے روما کا مشہور شاعر ورجل ملتا ہے۔ وہ اسے دوزخ میں لے جا کر جس جس طرح روحوں کو عذاب دیا جاتا ہے،

دکھاتا ہے۔ اس کے بعد اسے اعراف میں لے جاتا ہے، پھر بیاترچے اسے بہشت کی سیر کراتی ہے۔ جنگل، دنیا کی، پہاڑ، نیکی کی، تین درندے (چیتا، شیر اور بھیڑیا) شہوانی جذبات، غرور اور حرص ولالچ کی، ورجل، علم اور بیاترچے دراصل ایمان وپاکیزگی کی تمثیلیں ہیں۔

ڈیوائن کامیڈی یا طربیۂ خداوندی کا آغاز یوں ہوتا ہے:

Halfway through the journey we are living
I found myself deep in a darkened forest,
For I had lost all trace of the straight path.
Ah how hard it is to tell what it was like,
How wild the forest was, how denes and rugged!
To think of it still fills my mind with panic.
So bitter it is that death is hardly worse!
But to discribe the good discovered there
I here will tell the other things I saw.

(زندگی کا جب آدھا سفر طے ہوا۔ جادۂ حق سے میرے قدم ہٹ گئے اور جب آنکھیں کھلیں تو کیا دیکھتا ہوں کہ میں ایک تاریک جنگل میں تنہا ہوں۔ ایسا تاریک جنگل میری آنکھوں نے اب تک نہیں دیکھا تھا۔ افسردہ، دلگیر اور تیرہ وتار جنگل!! جس کا محض تصور جسدِ خاکی میں کپکپی پیدا کرنے کے لئے کافی ہے۔ میرے غم وہاں پہنچ کر تازہ ہوگئے، جو اپنی شدت میں موت سے کسی طرح کم نہیں ہیں، پھر بھی میں کوشش کروں گا کہ جو کچھ دیکھا ہے، اسے بے کم وکاست بیان کروں)

جرم وخطا سے معمور دنیاداری کے اس جنگل میں دانتے ایک کرب اور عذاب کے عالم میں گزرتا ہے۔ جونہی اسے اپنی گمراہی کا احساس ہوتا ہے اسے مشرق میں سپیدۂ سحری نظر آتا ہے۔ جس کی تجلی سے کوہِ شادمانی (Mount of joy) کی چوٹی جگمگا اُٹھتی ہے۔ یہ ۱۳۰۰ء کے ایسٹر کا موسم ہے اور حضرت عیسیٰؑ کی حیاتِ نو کے جشن کا وقت ہے۔ سورج اعتدال لیل ونہار کے قریب ہے۔ اِن تمام مسرت آمیز علامتوں کے اس طرح پہلو بہ پہلو نظر آنے سے دانتے کا دل ایک اُمید افزا کیفیت سے لبریز ہوجاتا ہے اور وہ فوراً ہی ''پارنے سس'' نامی پاکیزہ پہاڑ کی چوٹی پر جانا چاہتا ہے۔ اس کے اس سفر کا مقصد اپنے آپ کو تزکیۂ نفس سے مشاہدۂ حق کے قابل بنانا ہے۔ لیکن نفسانی خواہشات کا تیندوا، حبِ جاہ کا شیر اور حرص وطمع کا بھیڑیا اس کی روحانی ترقی میں سدِراہ بنے ہوئے ہیں۔ وہ حیرانی وپریشانی کے عالم میں ''تاریک جنگل'' میں کھڑا ہے۔ یہ تاریک جنگل اس ہیجان کا آئینہ دار ہے جو ایک بندۂ

Marfat.com

مجبور اس جہانِ بے کراں میں محسوس کرتا ہے۔ پہاڑ کے عقب سے ورجل نظر آتا ہے جو اسے سہو و خطا کے راستے سے بچانے کے لئے اور اس کی رہنمائی کے لئے بھیجا گیا ہے۔ منزلِ مقصود تک پہنچنے کا فقط ایک ہی راستہ ہے جو جہنم سے ہو کر جاتا ہے۔ دانتے جہنم کا سن کر گھبرا جاتا ہے مگر ورجل اُسے تسلی دیتا ہے کہ وہ اس کی رہنمائی کرے گا اور اس کی محبوبہ بیاتر چے کی روح بھی۔ یہ سن کر دانتے راضی ہو جاتا ہے اور یوں جہنم کی جانب سفر کا آغاز ہوتا ہے۔ دونوں ایک بڑے دروازے کے سامنے پہنچتے ہیں جس پر لکھا تھا:

''مجھ سے گزر کر تم آہوں کے شہر میں داخل ہوئے۔ مجھ سے گزر کر تم ابدی دکھوں کے قریہ میں پہنچو گے۔ مجھ سے گزر کر لوگ ہمیشہ کے لئے اپنا آپ کھو بیٹھتے ہیں۔ اے یہاں سے گزرنے والو! اپنی تمام اُمیدیں ترک کر دو۔''

چلتے چلتے دانتے کے ''جہنم کدہ'' کی نقشہ کشی بھی دیکھتے چلیں:

''میں سچ کہتا ہوں کہ میں نے دیکھا کہ میں ایک ہیبت ناک پاتال کے کنارے کھڑا ہوں جو ان گنت آہ و بکا سے گونج رہی تھی۔ یہ اس قدر تاریک، گہری اور ابر آلود تھی کہ اس کی تہہ کی طرف غور سے دیکھنے سے بھی میں کچھ نہ دیکھ سکا۔۔۔ میں ایسی جگہ پہنچا جہاں کوئی روشنی نہ تھی اور جہاں سمندر کی غُرش تھی کیونکہ مختلف سمت سے ہوائیں اسے تھپیڑے مارتی تھیں۔ یہ جہنمی طوفان کبھی تھمتا نہ تھا اور تھپیڑوں سے روحوں کو بھنور کی طرح چرخ اور اذیت دیتا تھا اور جیسے موسمِ سرما میں ایک کشادہ اور گھنا جھنڈ بنا کر سارا اڑتے ہوئے جاتے ہیں اسی طرح وہ آفت خیز ہوا ان گنہگاروں کو لیے جا رہی تھی۔ یہاں وہاں، اوپر نیچے، یہ انہیں بہائے جاتی تھی اور انہیں آرام یا اذیت کی کمی کی کوئی امید تسلی نہیں دیتی تھی اور جیسے لق لق اپنے گیت گاتے ہوئے ایک لمبی قطار میں ہوا میں اڑتے ہیں اسی طرح گریہ وزاری کرتے ہوئے ان روحوں کو آتے دیکھا جو ہواؤں کے تصادم سے اِدھر اُدھر ماری پھر رہی تھیں۔''

جہنم کا علاقہ شروع ہو جاتا ہے اور یہ وہ دُنیا تھی جہاں انسان ابدی محبت کے خلاف اپنے گناہوں کی سخت ترین سزا بھگت رہا ہے۔ جہنم کا پہلا حصّہ دریائے ایکرون کے نشیبی حصوں میں واقع تھا۔ اس حصے میں وہ فرشتے تھے جنہوں نے زمین پر جا کر اپنا اصلی مقام گنوا دیا۔ یہاں وہ لوگ بھی تھے جنہوں نے اپنی زندگیاں تشکیک کے عالم میں گزار دیں یعنی اُنہوں نے نہ تو خُدا کا اقرار کیا اور نہ ہی انکار۔ یہ ایک دوسرے سے مشابہت رکھنے والے بے رنگ لوگ تھے۔ گناہ اور ثواب کی رمق سے

Marfat.com

محروم۔ وہ ہاتھ باندھے ایک دوسرے کے قریب بیٹھے ناقابلِ فہم آوازیں نکال رہے تھے۔ ان کی آوازیں گہری، دبیز تاریک ہوا کو داغدار کر رہی تھیں:

''یہ زشت وخوار روحیں جن کی نسبت اتنا کہنا بھی زیبا نہیں کہ کبھی وہ زندہ تھیں، بالکل برہنہ تھیں۔ بھڑیں اور مکھیاں ان کو کاٹ رہی تھیں، ان کے رخسار خون سے آلودہ تھے اور ان کے آنسو اس خون میں مل کر بہتے ہوئے ان کے قدموں پر ٹپکتے ہوئے زمین پر آتے تھے اور ان خون کے چھتروں پر حشرات الارض جمع تھے۔''

دانتے نے اُن بلکتی روحوں کو دیکھا اور پھر ورجل کی معیّت میں آگے بڑھا۔ اُن کے سامنے دریائے ایکرون کا کنارہ تھا، سامنے بھتنوں کی شکل کا ملاح ''شارون'' کشتی لئے کھڑا تھا اُس کی آنکھیں انگاروں کی طرح دہک رہی تھیں۔ اس کی کشتی پر وہ روحیں لدی ہوئی تھیں جنہیں شارون ملاح نے جہنم کے مختلف حصوں میں پہنچانا تھا۔ ورجل، شارون کو کہتا ہے کہ حکمِ اعلیٰ کے تحت وہ ایک فانی انسان کی رہنمائی کے لئے مامور کیا گیا ہے تو شارون، دانتے کو کشتی پر سوار کرنے پر راضی ہو جاتا ہے۔ یوں وہ جہنم کے پہلے دائرے سے گزرتے ہیں جہاں وہ روحیں نوحہ کناں تھیں جنہوں نے یسوع مسیحؑ کو نہیں دیکھا تھا۔ پھر وہ جہنم کی ڈھلوانوں سے گزرنے لگے، وہ زیادہ دور نہیں گئے کہ انہوں نے ایک ایسے گروہ کو دیکھا جو عز ووقار میں بلند تھا۔ ورجل، دانتے کو بتاتا ہے کہ ''یہ وہ لوگ ہیں دنیا میں جن کے شرف وجلال کی شہرت بلند ہو کر عرش پر صدائے بازگشت کی طرح پہنچی تھی۔ عرش پر ان کے کارناموں کا چرچا ہوا تھا۔''

دوزخ کے دوسرے طبقے میں وہ لوگ سزا بھگت رہے تھے جو شعوری طور پر گناہ کے مرتکب ہوئے تھے۔ یہ ایک عجیب وغریب دُنیا تھی جس کے راستے ٹیڑھے اور تنگ وتاریک تھے اور جو آہ وبکا سے گونج رہے تھے۔ تند وتیز ہوائیں اور آندھیاں ان گنہگار روحوں کو کبھی اوپر اچھال دیتی تھیں اور کبھی نیچے گرا دیتی تھیں۔

اس دُنیا کے عین وسط میں شیطان کھڑا تھا۔ اس کے چہرے پر غصہ آمیز کرب تھا۔ وہ رانوں تک جھیل میں ڈوبا ہوا تھا۔ اور یہاں وہ لوگ تھے جو زنا کے مرتکب ہوئے تھے۔ زانی اور زانیہ دونوں ہوا میں لٹکے ہوئے تھے۔ اُن کی اس سزا کا کوئی خاتمہ نہ تھا۔

دانتے اور ورجل آگے بڑھتے ہیں اور اپنے آپ کو دوزخ کے تیسرے طبقے میں پاتے ہیں یہاں ان روحوں پر عذاب ہو رہا تھا جو دنیا کی زندگی میں حریص، شکم پرست اور بسیار خوار رہی تھیں یہاں وہ لوگ تھے جنہوں نے اپنے آپ کو بُھلا کر شراب میں ڈبو دیا تھا۔ وہ دانت پیس رہے تھے اور جبڑے ہلا رہے تھے۔ اُن کے چہرے مسخ ہو رہے تھے، اُن پر غلیظ پانی اور پیپ کی بارش ہو رہی تھی

Marfat.com

جسے وہ پی رہے تھے۔ اس حال میں ''سربیرس''، تین حلق والا جہنم کا کتا ان پر بھونکتا تھا اور پھر ان کو پھاڑ کر ٹکڑے کر کے کھا جاتا تھا۔

ایک دائرے میں اُنہیں دولت کا دیوتا پلاٹوس دکھائی دیا جہاں وہ لوگ تھے جنہوں نے دنیا میں دوسروں کا حق غصب کر کے دولت جمع کی، جو صرف دولت کے ہی ہو کر رہ گئے، جنہوں نے عیاشی اور فضول خرچی میں نام پیدا کیا۔ ان دولت مندوں کو دولت کے انباروں نے جکڑ رکھا تھا وہ ان میں پس رہے تھے، چیخ رہے تھے اور اُن کی سزا کا کوئی خاتمہ نہ تھا۔

آگے چل کر دانتے نے دیکھا کہ ننگی مخلوق پانی کی سطح پہ اُوپر اُٹھتی ہے۔ اُن کے جسم کیچڑ اور غلاظت سے لتھڑے ہوئے تھے۔ وہ ایک دوسرے کو نوچ رہے تھے۔ ورجل نے بتایا کہ یہ اُن لوگوں کی روحیں ہیں جنہوں نے فطرت کے حُسن سے بے نیاز ہو کر اپنے آپ کو گُناہوں میں مصروف رکھا۔

آگے جہنم کا دارالحکومت لوسی فر تھا۔ یہ شہر اُن لوگوں کی روحوں سے آباد تھا جنہوں نے درندوں کی طرح خلافِ فطرت گناہ کیے تھے۔ شہر کے دروازے بند تھے اور اُن کے اندر سے آنے والی گنہگاروں کی آہ و بکا دور تک اُن کا پیچھا کرتی رہی۔ ابدی عذاب پانے والی روحیں مسلسل رو رہی تھیں۔

جہنم کا چھٹا دائرہ اُبلتے ہوئے خون کی ندی کے اُس پار تھا۔ وہاں کوئی ملاح دکھائی نہیں دے رہا تھا۔ دُور کنارے پر قنطور (نصف انسان اور نصف گھوڑے کا جسم رکھنے والی مخلوق) دکھائی دے رہے تھے اور گھوڑے بھاگ رہے تھے جن پر آدمی سوار تھے۔ یہ گھوڑے اُن لوگوں کو پھر سے خون کے دریا میں گرا دیتے تھے جو خون کے دریا سے نکل کر کنارے پر آنا چاہتے تھے۔ گھڑ سوار اُن کو تیروں سے چھید رہے تھے۔ یہ ایک دہشت ناک منظر تھا۔ خون کے دریا سے نکلنے کے لئے بے چین روحیں چیخ رہی تھیں۔

ورجل کو خصوصی احکامات کے تحت خصوصی اختیارات ملے تھے۔ اس نے ایک قنطورہ کو آمادہ کر لیا کہ وہ اُنہیں اپنی پیٹھ پر سوار کر کے دریا پار کرا دے۔ پھر ورجل نے ایک طرف اشارہ کر کے کہا کہ ''یہاں سود خور، دھوکہ باز، قاتل، فریبی وغیرہ لوگ رہتے ہیں۔'' وہ لوگ گرم ریت اور آگ کے شعلوں میں جل رہے تھے۔ قنطورہ نے اُنہیں دریائے خون کے ایک اندرونی کنارے پر اُتارا اور وہ دونوں پُراسرار دُھند کے جنگل میں داخل ہوئے۔ دانتے نے ایک درخت کی ٹہنی توڑی تو اس میں سے خُون بہنے لگا۔ اصلاً اس جنگل میں وہ لوگ درخت بنا دیے گئے تھے جنہوں نے خودکشی کی۔

جنگل سے گزر کر وہ ایک ندی کے منبع پر پہنچے جہاں ریت جل رہی تھی۔ اس جلتی ہوئی ریت میں دھوکے بازوں کے جسم بھن رہے تھے۔ سود لینے والوں نے اپنے چہرے لٹکا رکھے تھے اور جل رہے تھے۔

Marfat.com

اس سے اگلے دائرے کی حفاظت ہیبت ناک درندے کر رہے تھے۔ کریون درندے کو ورجل نے اپنی طرف متوجہ کیا۔ پھر وہ دونوں اس کی کمر پر سوار ہو گئے۔ یہاں دانتے نے دس بڑی ریگھاریاں دیکھیں جنہوں نے جہنم کے مرکزی پاتال کو اپنے حصار میں لے رکھا تھا۔ یہاں سے شیطان نظر آ رہا تھا جو منجمد جھیل میں گڑا ہوا تھا۔ وہاں اونچی اونچی چٹانیں تھیں۔ ہوا میں گوشت کے جلنے کی بُو آ رہی تھی اور دھواں اُٹھ رہا تھا۔ دانتے اور ورجل ان دس ریگھاریوں سے گُزرے جہاں اسی قسم کے فریبی، دھوکے باز، بھڑوے اور خوشامدی تھے۔ ان کے چہرے ان کی پشتوں پر تھے اور پاؤں مڑ گئے تھے۔ اُن کے پیروں کے نیچے جلتی ہوئی زمین تھی۔ چور اور اچکے سانپوں کے ساتھ زندگی گزار رہے تھے۔

آٹھویں ریگھاری میں عذاب سہنے والی روحیں اپنی مشابہت کھو بیٹھی تھیں۔ یہ اپنے ہی ضمیر کے مجرم تھے جنہوں نے اپنی ذہانت کا غلط استعمال کیا تھا۔

آخری ریگھاری میں ہوا تک تاریک تھی۔ جہنم کا یہ حصہ منجمد اور سرد تھا۔ یہاں غلیظ اور داغدار روحیں تھیں۔ دھوکے باز، فریبی، ملاوٹ کرنے والے اپنے اعضا کو نوچ کھسوٹ رہے تھے۔

جہنم کے وسطی حصہ میں کوکیٹس جھیل برف کی طرح منجمد تھی۔ جہنم کے تمام دریا یہیں سے نکلتے تھے اور یہیں واپس آ کر ختم ہو جاتے تھے۔ یہاں بڑے بڑے جسمانی سائے دُھند میں لہرا رہے تھے۔ ان میں نمرود بھی تھا۔ وسطی جہنم کے دائرے کی چار سطحوں کی پاتال میں کھڑا شیطان رانوں تک منجمد تھا۔ شیطان کے سر پر ازلی اور ابدی انکار کا سایہ تھا۔ اس کے سائے کے نیچے وہ روحیں تھیں جنہوں نے دغا بازی کی اور دھوکے سے اپنے عزیزوں کو قتل کیا اور ملک وملت سے غداری کی اور اپنے آقاؤں اور محسنوں کے اعتماد کو دھوکا دیا۔ اس حصہ کے پاتال میں ایک دائرہ تھا جس کا نام ''جوڈیکا'' تھا۔ یہاں یہوداسقروطی کا ٹھکانہ تھا جس نے حضرت عیسیٰؑ سے غداری کی تھی۔

جہنم کے یہ تمام عبرتناک مناظر دیکھ کر دانتے اپنے اوسان کھو چکا تھا۔ اس کا رہنما ورجل اسے دلاسہ دے رہا تھا۔ بالآخر وہ دونوں جہنم سے باہر نکل کر روشنی میں آ گئے۔ اب وہ اُس علاقے کی طرف رواں دواں تھے جو جہنم اور جنت کے بیچ میں ہے یعنی اعراف۔ دانتے اپنا مشاہدہ یوں بیان کرتا ہے:

I turned then to the right and fixed my mind
On the other people,and I saw there four stars
Which, after the first people,non have seen.

ورجل، اسے بتاتا ہے کہ وہ چار ستارے شجاعت، عدالت، حکمت اور عفت کے ہیں۔ اب اُن کے سامنے پرگیٹری (المطہر) کا پہاڑ تھا۔ دونوں اس کے دامن میں پہنچے اور حیرانی کے عالم میں کھڑے

Marfat.com

تھے کہ اس کی چوٹی پہ کیسے پہنچا جائے کہ اتنے میں انہیں کیٹو (Cato) نظر آیا جس نے حُریتِ ضمیر کی خاطر اپنی جان قربان کردی تھی۔ ورجل آگے بڑھ کر کیٹو سے کہتا ہے ''میرا رفیق بھی اُسی حُریتِ فکر کی تلاش میں ہے جس کے لئے تُو نے اپنی جان دی۔'' کیٹو نے ورجل کو مشورہ دیا کہ اسے اس دریا پر لے جاؤ جہاں فروتنی اور عاجزی کے نرکل اُگ رہے ہیں۔ دونوں وہاں پہنچتے ہیں۔ ورجل عاجزی کے پودوں سے شبنم پونچھ کر دانتے کے چہرے پر مل دیتا ہے جس سے اس کے چہرے پہ لگی دوزخ کی سیاہی دور ہوگئی۔ دونوں نے فروتنی کا لباس پہنا اور آگے روانہ ہوئے۔ دامنِ کوہ میں ان کی ان ارواح سے ملاقات ہوئی جنہوں نے کلیسا سے بغاوت کی تھی۔ ان ارواح نے شاعر (دانتے) سے التجا کی کہ وہ واپس جا کر اُن کے لئے دعائے مغفرت کرے۔ علاوہ ازیں اُنہیں وہاں ایسے بادشاہ بھی ملے جنہوں نے عیش وعشرت میں اپنی زندگیاں گزاری تھیں۔

آگے چلے تو اُن چار ستاروں کی روشنی تو غائب ہوگئی اور ان کے بجائے ایمان، اُمید اور محبت کی روشنی نمودار ہوئی۔ دونوں نے رات اسی کنج میں بسر کی۔ صبح وہ کیڑی کی حدود سے باہر نکلے تو انہیں ایک ایسا زینہ میسر آیا جس کی تین سیڑھیاں تھیں۔ نفس کشی، خلوص اور محبت کی۔ وہاں ایک فرشتہ بیٹھا ہوا تھا اس نے شاعر کی پیشانی پر سات مرتبہ حرف ''پ'' لکھا۔ یہاں انہوں نے کئی راتیں بسر کیں اور انجامِ کار شاعر موروثی گناہ کی لعنت سے پاک ہوگیا۔ اب اسے کسی کلیسا یا اسقف کی ہدایات کی ضرورت نہیں رہی تھی بلکہ صرف حکمتِ ایزدی اس کی رہنمائی کے لئے کافی تھی۔ اب بقول ورجل وہ اس قابل ہوگیا تھا کہ اپنی محبوبہ بیاترچے سے ملاقات کرسکے۔ اس کے بعد وہ باغِ عدن میں داخل ہوئے۔ دانتے کی خیالی جنت!

> ''ایک ڈھلوان راستے سے جو نہ مسطح تھا اور نہ بہت زیادہ ڈھلوان، ہم لوگ اس وادی کے نزدیک پہنچے جس کا کنارہ آدھے سے زیادہ طے ہو چکا تھا۔ سونا، نفیس چاندی، سرخ اور سفید سیسہ، صاف اور چمکیلا تیل، تازہ زمرد، جیسے وہ ابھی شق ہوا ہو۔ ان سب چیزوں کی گھاس اور پھولوں کے رنگوں کے آگے جو نشیب میں تھے کوئی حقیقت نہ تھی۔ جیسے کم قیمت جواہر قیمتی جواہر کے آگے ماند پڑ جاتے ہیں۔ فطرت نے وہاں صاف رنگین مصوری ہی نہ کی تھی بلکہ ہزاروں خوشبوؤں کی دل آویزیاں مِل جُل کر ایک ایسی نکہت بن گئی تھیں جو کسی نے کبھی نہ سونگھی ہو۔ میں نے وہاں روحوں کو گھاس اور پھولوں پر بیٹھے دیکھا جو پہلے نشیب کی وجہ سے نظر نہ آسکی تھیں اور وہ Salva Regina گا رہی تھیں۔''

Marfat.com

باغِ عدن میں ہر طرف پرندے درختوں پر گانے گا رہے تھے۔سامنے نہر کے کنارے ایک دوشیزہ گُل چینی میں مصروف نظر آئی۔اس کا نام میٹیلڈا تھا۔اب اس حسینہ کی رہنمائی میں وہ آگے بڑھے۔اُس حسینہ نے شاعر سے کہا کہ اس نہر کا پانی پینے سے سارے گناہ دھل جاتے ہیں اور دوسری نہر کا پانی پینے سے دل ودماغ نیکیوں سے معمور ہو جاتے ہیں۔دونوں اس نہر کے کنارے چلتے ہیں۔ راستے میں انہیں ایک جلوس ملتا ہے۔کلیسا کا رتھ ایک ایسا جانور کھینچ رہا ہے جو نصف حیوان ہے اور نصف پرند (اس میں یسوح مسیحؑ کی انسانیت اور الوہیت کی طرف اشارہ ہے) ایمان، اُمید، محبت اور عفت، حکمت، شجاعت، عدالت وغیرہ رتھ کے چاروں طرف رقص کر رہی ہیں کہ اسی دوران نیکوکاروں کی ارواح ظاہر ہوتی ہیں اور ان میں بیاترچے کی روح بھی شامل ہے۔جب اُس نے دانتے کو دیکھا تو ارواح کی بھیڑ سے باہر آئی اور اس کے قریب آ کر اسے کہا ''افسوس! میری وفات کے بعد تو نے محبت کے نصب العین کو فراموش کر دیا۔'' (یہ دانتے کی شادی کی طرف اشارہ ہے) یہ سُن کر دانتے فرطِ خجالت سے غش کھا کر گر پڑا۔جب ہوش میں آیا تو فرشتوں نے اسے پہلی نہر کا پانی پلایا جس سے اس کے تمام ناپاک خیالات دُھل گئے۔جب وہ پاک ہو گیا تو فرشتوں نے اسے کہا کہ اب بیاترچے کا دیدار کر۔جب دانتے نے اپنی محبوبہ کی طرف دیکھا تو ''تجسم'' کا راز اس کی سمجھ میں آ گیا اور اسے محسوس ہوا کہ وہ مجسم حکمتِ ایزدی بن گئی ہے۔

جب یہ جلوس خیر وشر کے عظیم الشان درخت کے قریب پہنچ کر ختم ہو گیا۔ورجل وہاں رُک جاتا ہے۔اب شاعر کی رہنمائی اس کی محبوبہ بیاترچے کرتی ہے۔وہ اسے یونو نامی نہر، جسے نہرِ حافظہ کہنا زیادہ مناسب رہے گا، کا پانی پلاتی ہے تاکہ وہ عالمِ لاہوت کے اُن اسراروں سے واقف ہو سکے جو آدم سے پوشیدہ رکھے گئے۔شاعر اس نہر کا پانی پی کر مادیت یعنی زمان ومکان سے بالاتر ہو گیا۔اب بٹیلڈا بھی رخصت ہو جاتی ہے۔شاعر بیاترچے کی طرف دیکھ کر اس کے حُسنِ جہاں سوز سے متمتع ہو رہا ہے۔بیاترچے شمس کی طرف دیکھ رہی ہے۔دانتے یوں محسوس کرتا ہے جیسے وہ روشنیوں اور شعلوں کے سمندر میں گھرا ہوا ہو۔شاعر، بیاترچے کی رہنمائی میں عالمِ بالا کے اسرار ورموز سے واقفیت حاصل کرنے کے لئے سوئے افلاک روانہ ہوتا ہے۔

ڈیوائن، کے تیسرے حصے بہشت (Paradiso) کا آغاز ان حمدیہ اشعار سے ہوتا ہے:

The glory of Him Who sets all things in motion
Cleaves through the universe, and it flames again
In different places with a different force.
I have been to that haven where His light

Marfat.com

Beams brightest and seen things that noon, returning
Has the knowledge or the power to repeat.

(وہ عظیم ہے جس کی وجہ سے کائنات میں رونق ہے اور ہر جگہ اس کی روشنی ہے۔ اُس لمحے یہ سب کچھ عیاں تھا اور دہرانے کی تاب کہاں تھی!)

دانتے اور بیاترچے سب سے پہلے فلکِ قمر پہ پہنچتے ہیں۔ جو سب سے نچلا سیارہ ہونے کی وجہ سے زمین کے نزدیک ترین ہے اس فلک پر دکھائی جانے والی ارواح میں جرأت کا فقدان ہے۔ یہاں دانتے نے کچھ غیر واضح اور پژمردہ چہرے دیکھے۔ پیکارڈا نامی راہبہ اور صقلیہ کے بادشاہ فریڈرک دوم کی ماں ایمپریس کانسٹینس۔ بیاترچے، دانتے کو بتاتی ہے کہ یہاں اُن روحوں کا قیام ہے جنہوں نے دنیا میں خدا کی جانب بے توجہی کی اور مادیت کی طرف راغب تھیں۔

دوسرے فلک عطارد کی صفتِ خاص ''انصاف'' ہے۔ یہاں دانتے نے مقرب فرشتوں کے علاوہ فعال زندگی کی متمنی ارواح کو دکھایا ہے جن میں زیادہ تر رومی اور یونانی شخصیات ہیں۔ رومی شخصیات میں رومی شہنشاہ جسٹینین (Justanian) کو دکھایا ہے۔ اس شہنشاہ کا عہد ۵۲۷ء تا ۵۶۵ء کا ہے۔ اس نے سلطنتِ روما کو ایک نیا قانون دیا۔ سلطنت کو زوال وانتشار سے بچایا اور قانون وانصاف کی حکمرانی قائم کی۔ اس بادشاہ کو دانتے نے شاہین کا روپ دے کر لاہوتی انصاف کی علامت کے طور پر پیش کیا ہے۔

رومیو (Romeo) کا عہد ۱۱۷۰ء سے ۱۲۵۰ء تک کا ہے۔ وہ کاؤنٹ ریمانڈ بیرینگر چہارم کا ایک دیانتدار اور مخلص وزیر تھا۔

اِن ارواح سے رخصت ہونے کے بعد وہ فلکِ سوم ''زہرہ'' جو کہ اعتدال کی علامت ہے اور یونانیوں اور رومیوں کے نزدیک حسن وجمال کی دیوی ہے، وہاں پہنچتے ہیں۔ نغمہ وسرود کی فضا نے اس سیارے میں طلسماتی کیفیت طاری کردی ہے۔ اس مناسبت سے دانتے نے اس سیارے پر عشق و سرمستی میں سرگرداں اور انصاف کے فقدان کی ارواح کو دکھایا ہے۔ ان میں چارلس مارٹل جو کہ دانتے کا عزیز ترین دوست تھا، جونیزا مارسیلز کا فول تُوار، جیسے عُشاق کے ساتھ ساتھ ری فیئس اور ٹراجن جیسے نصرانی ملحد بھی شامل ہیں۔

فلکِ چہارم ''شمس'' جو کہ عظمت وجلالِ خداوندی کا مظہر ہے اور تحمل جس کی صفت ہے۔ اس سیارے پر مذہبی رہنما، اساتذہ اور مؤرخین کی ارواح کو دکھایا گیا ہے۔ ان شخصیات میں البرٹ، پیٹرلو مبارو، دائیونی سیس، بی تھیس، بیڈ، ہسپانیہ کا پیٹر، حضرت سلیمانؑ، تھامس ایکوئنس، سینٹ بونا ویٹورا وغیرہ شامل ہیں۔ یہاں حکمت، شجاعت، انصاف اور عفت کی روحیں محوِ رقص تھیں۔ انہوں نے شاعر

Marfat.com

اور اس کی محبوبہ کو خوش آمدید کہا اور ان کے گرد حلقہ باندھ کر رقص کیا اور انہیں ایک آسمانی گیت سنایا۔ رقص وسرود کے اختتام پر تھامس ایکوئنس کی روح نے اپنے متبعین کی اخلاقی اور روحانی پستی کا ماتم کیا۔ اس کے بعد ان کی ملاقات سینٹ فرانسس سے ہوئی۔ آخر میں ان دونوں نے حضرت سلیمانؑ کی خدمت میں حاضری دی۔ سلام ودعا کے بعد شاعر نے اُن سے دریافت کیا کہ ''حشر میں جب ارواح واپس اپنے اجسام میں لوٹیں گی تو کیا اُن کی قوت محدود نہیں ہو جائے گی؟'' جنابِ سلیمانؑ نے جواب دیا:

''جسم اور روح دو نہیں ہیں۔ جسم بھی روح ہی کی ایک شکل ہے۔''

بیاترچے حضرت سلیمانؑ سے ان ستاروں کے درجاتِ تنویر کے متعلق سوال کرتی ہے جو انہیں موت کے بعد حاصل ہوئے ہیں، تو حضرت سلیمانؑ عنایت، مشاہدہ، پیار اور تابانی کا باہمی تعلق اس پر واضح فرماتے ہیں۔ اسی اثنا میں روشنی کا ایک دائرہ سیاروں کی صورت میں رونما ہوتا ہے لیکن اس کے پہنچنے سے پہلے ہی دانتے اپنی محبوبہ کے ساتھ مریخ پر پہنچ جاتے ہیں۔

فلک پنجم ''مریخ'' قوتِ خداوندی کا مظہر ہے اور حوصلہ جس کی صفت ہے۔ اس فلک پر ماہرینِ حرب دکھائے گئے ہیں جن میں جوشوا، شارلی مان رولینڈ، ولیم آف اورنج کے علاوہ ۱۱۵۲ء کے زمانے میں صلیبی جنگ میں ہلاک ہونے والے اشخاص کی ارواح کو دکھایا گیا ہے۔

چھٹا فلک ''مشتری'' ہے جو جبروت کا مظہر ہے اور اس کی صفت انصاف ہے۔ یونانی اور رومی اسے رب الارباب کی حیثیت دیتے ہیں۔ یہاں دانتے کی ملاقات اُن شخصیات سے ہوئی جنہوں نے دُنیا میں انصاف کا بول بالا کیا۔ اِن میں حضرت سلیمانؑ اور اُن کے والد حضرت داؤدؑ، حزیقیہ تراجن، کانسٹینائن، ولیم آف سسلی اور رے پی آس ہیں۔ جنابِ داؤدؑ اور جنابِ سلیمانؑ بڑے اُولوالعزم پیغمبر تھے۔ تراجن (پ: ۵۲ء) ۹۸ء سے ۱۱۷ء تک روم کا ہردلعزیز حکمران رہا۔ اسی طرح انصاف وعدل برقرار رکھنے والا ایک اور حکمران کانسٹینائن (۲۷۲ء تا ۳۳۷ء)، جسے قسطنطین بھی کہتے ہیں اور جو قسطنطنیہ یا استنبول کا بانی ہے۔ اس کا عہد ۳۰۶ء سے ۳۳۷ء تک کا ہے۔ ولیم صقلیہ (سسلی) اور نیپلز کا ۱۱۶۶ء تا ۱۲۰۹ء تک حکمران رہا۔ رعایا نے اُسے ''نیک'' کا لقب دے رکھا تھا۔ اسی طرح رے پی آس ٹرائے کا ہیرو تھا جو ایک محاصرے کے دوران مارا گیا۔ حضرت داؤدؑ کو شاہین کی صورت میں دکھایا گیا ہے اور دیگر مذکورہ بالا حکمرانوں کو آپؑ کی آنکھ پر ابرو کی صورت میں دکھایا گیا ہے۔

اس کے بعد دانتے اپنی رہنما کے ساتھ ساتویں سیارے زحل میں داخل ہوتے ہیں یہاں مفکرین اور راہبوں کی ارواح رہتی ہیں جو روشنی کے روپ میں ایک سنہری زینہ جسے ''زینۂ یعقوب'' بھی لکھا گیا ہے، کے گرد اکٹھی ہیں۔ یہ ارواح پیٹر دامیان، بینڈکٹ، مارکریس اور رومو الڈوس وغیرہ کی ہیں۔

Marfat.com

اس سے اگلا مقام ثوابت کا ہے جو ثباتِ خداوندی کا مظہر اور اعتدال کی صفت سے موصوف ہے، جہاں مسیحؑ کے علاوہ حضرت مریمؑ، حضرت آدمؑ، حضرت یحیٰؑ، سینٹ پیٹر، سینٹ جیمز وغیرہ کی ارواح ہیں۔ اس مقام کی آخری سیڑھی پر جنابِ یسوع مسیحؑ اور حضرتِ مریمؑ براجمان تھے۔ ان دونوں نے پیٹر، جیمز اور جان کو حکم دیا کہ وہ شاعر کا امتحان لیں۔ چنانچہ انہوں نے ایمان، اُمید اور محبت کے متعلق چند سوالات کیے جن کے شاعر نے تسلی بخش جواب دیے چنانچہ یسوع مسیحؑ نے اُن کے لئے دعائے برکت کی۔

نویں منزل پہ عشقِ خداوندی کے مظہر فرشتے سیرافیم سے ملاقات ہوتی ہے۔

آخری منزل فلک الافلاک ہے۔ یہ عالمِ لاہوت ہے۔ زمان و مکان کی قیود سے آزاد اس مقام پر بیاترچے جلالِ ایزدی کی فضاء میں چلی جاتی ہے اور روحانی فراست و وجدان کا مظہر سینٹ برنارڈ، بیاترچے کی جگہ لے لیتا ہے۔ دانتے یہاں مسیحؑ اور مریمؑ کے دیدار سے بہرہ یاب ہوتا ہے اور آخر پہ دیدارِ خداوندی سے مُستنیر ہوتا ہے۔ جب وہ اُلوہیت کی تجلّی دیکھتا ہے تو پہلی بار دور سے اسے خدا ایک درخشاں نقطہ دکھائی دیتا ہے، جس سے ایسی تیز روشن کرنیں پھیلتی ہیں کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں اور انہیں بند کرنا پڑتا ہے اور اس نقطۂ درخشاں کے گرد ایک منور دائرہ اتنی تیزی سے گردش کر رہا ہے کہ جس کی رفتار کی پیمائش ناممکن ہے:

Except that then my mind was struck by lightning
Throug wich my longing was at last fulfilled.
Here powers failed my high imagination
But by now my desire and will were turned,
Like a balanced wheel rotated evenly.
By the love that moves the sun and the otherstars.

دانتے جب تجلّیِ جلال و جمال کو نزدیک سے دیکھتا ہے تو کہتا ہے:

''اے لامتناہی الطافِ الٰہی!
جس کی وجہ سے میں نے اس ابدی جمال سے آنکھیں سینکیں،
اتنی دیر تک کہ گویا میری بصارت جاتی رہی
اور اس کی گہرائیوں میں، میں نے دنیا کے بکھرے ہوئے شیرازوں کو
ایک جلد میں مجلد دیکھا،
جوہر اور عرض اور ان کی خصوصیتیں اس طرح ایک دوسرے سے گھل مل گئیں
کہ دیکھنے میں واحد شعلہ نظر آتا تھا۔''

پرل (PEARAL)

چودھویں صدی عیسوی کے آخری نصف کی انگلستان کے کسی گمنام شاعر کی ایک خوبصورت نظم پرل ایک تمثیلی قصہ ہے جس میں مذہبی جذبات نے جوش پیدا کر دیا ہے۔ شاعر کا موتی یعنی اس کی لڑکی مارگریٹ (Margaret) دو برس کے سن میں ایک باغ سے غائب ہو جاتی ہے اور گھاس میں سے گزر کر زمین میں پہنچ جاتی ہے یعنی مر جاتی ہے۔ شاعر اکثر اس پر آنسو بہاتا ہوا اس کی قبر پر آتا ہے۔ اگست کے مہینے میں ایک دن قبر پر روتے روتے وہ سو جاتا ہے اور اسے ایک خواب دکھائی دیتا ہے۔ وہ ایک نہایت خوبصورت دنیا میں پہنچتا ہے جہاں پہاڑ بلور کے ہیں، درختوں پر سونے کی پتیاں ہیں، سڑکوں پر موتی بکھرے پڑے ہیں، چمکدار پروں والی چڑیوں کے دلکش نغمے اُسے ایک دنیا کے کنارے لے جاتے ہیں جہاں جواہرات پتھروں کی طرح پڑے ہیں۔ اُسے محسوس ہوتا ہے کہ جنت اس عالم سے آگے، دریا کے اُس پار ہے مگر اس دریا پر کوئی پُل نہیں نظر آتا، پھر اُسے اُس پار ایک لڑکی سفید کپڑوں میں ملبوس دکھائی دیتی ہے۔ یہ لڑکی اس کے سامنے آتی ہے اور اُسے اپنے موتی کے لیے رونے سے منع کرتی ہے کیوں کہ وہ موتی آسمان پر جنت میں پہنچ گیا ہے، وہ اس موتی کے پاس نہیں پہنچ سکتا کیوں کہ اس دریا کو موت سے پہلے پار کرنا ممکن نہیں، لڑکی اپنی آسمانی زندگی کے اور خداوند خدا سے قرب کے حالات بیان کرتی ہے۔ وہ اُن چار سو چالیس کنواریوں میں سے ہے جس کو سینٹ جون (St.John) نے یروشلم کی پہاڑی پر دیکھا تھا۔ لڑکی باپ کو آسمانی بادشاہت دکھانے کے لیے دریا کے منبع کی طرف چلتی ہے اور شاعر اپنی طرف کے کنارے پر اس کے ساتھ ساتھ جاتا ہے۔ شاعر کو بالکل ویسا ہی شہر دکھائی دیتا ہے جیسا کہ ''اپوکیلپس'' (Apocalypse) میں بیان کیا گیا ہے۔ یہاں سفید کپڑے پہنے ہوئے کنواریاں ناچ رہی ہیں۔ خداوند خدا کا مجسمہ اُن کے درمیان ہے اور فرشتے اُن کے چاروں طرف ہیں، ان میں اسے اپنی پیاری بچی بھی دکھائی دیتی ہے۔ وہ اُس کے پاس جانے کے لیے دوڑتا ہے اور اُس کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ اپنی بچی کی قبر پر سر رکھے ہوئے رو رہا ہے مگر اب خدا کی مرضی سے اُسے تسلیم و رضا کا سبق مل گیا ہے۔ اب اُسے اپنے موتی کے دیکھنے کی خواہش نہیں رہی کیونکہ وہ موتی اب بہت ہی اچھی جگہ محفوظ ہے۔'' (تاریخ ادب انگریزی، ص: ۲۳، ۲۴)

پیئرس پلاؤمن (Piers Plowman)

انگلستان کے معروف شاعر ولیم لینگ لینڈ (William Langland) (پیدائش: ۱۳۳۰ء بمقام: شراپشائر) کی ایک عجیب و غریب نظم جو انگریزی ادب کے شاہکاروں میں سے ہے۔

Marfat.com

Pier's the Plowman میں صاحب رویا کو حیرت انگیز مناظر دمرایا دکھائی دیتے ہیں۔ یہ نظم یوں شروع ہوتی ہے کہ شاعر گڈریے کا بھیس بدل کر مالورن کی پہاڑیوں میں جاتا ہے اور وہاں سو جاتا ہے۔ خواب میں اُسے ایک وسیع میدان دکھائی دیتا ہے جس میں ہر قسم کے لوگ اس طرح نظر آتے ہیں جیسے کہ کسی بازار میں دکھائی دیں؛ غریب، رئیس، مزدور، ناکارہ، زمیندار، تجارت پیشہ، کلرک، مسخرے سب ہی موجود ہیں۔ اُن کے درمیان لیڈی ہولی چرچ (Lady Holy Church) ظہور کرتی ہیں اور اُن سے کہتی ہیں کہ ''وہ سب آسمانی معاملات سے بے بہرہ ہیں اور یہ کہ انسان کا فرض یہ ہے کہ حق کی تلاش کرے اور یہ کہ محبت اور سخاوت ہی انسان کو جنت کی طرف لے جاتی ہے۔'' یہ سن کر تمام مجمع توبہ کرتا ہے اور تلاشِ حق کے لیے تیار ہو جاتا ہے مگر کسی کو راستہ معلوم نہیں ہے۔ اب پیئرس پلاؤمن (Piers Plowman) ظاہر ہوتا ہے۔ اُس نے پچاس برس حق کی خدمت کی ہے اور ضمیر اور عقل کی مدد سے اُسے حق کے راستے کا سراغ مل گیا ہے۔ وہ راستے کو تمثیلی طریقے پر بیان کرتا ہے۔ اُس کو سن کر بزدل لوگ بھاگ جاتے ہیں۔ چلنے سے پہلے پیئرس زمین جوتتا ہے اور عورتوں کو ہدایت کرتا ہے کہ وہ سینے پرونے کا کام کریں۔ کچھ لوگ اب بھی بھاگنا چاہتے ہیں لیکن بھوک کی وجہ سے مجبوراً رک جاتے ہیں۔ شاعر کی آنکھ کھل جاتی ہے۔ وہ پوپ کے معافی ناموں کے خلاف وعظ کرتا ہے اور قیامت کے دن نیکوکاروں کے انعام واکرام کا نقشہ کھینچتا ہے۔'' خاص نظم اس طرح ختم ہو جاتی ہے مگر اس کے بیچ میں دو حصے ایسے ہیں جو اس سے زیادہ طویل ہیں اور ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ ایک دی میرج آف لیڈی میڈ (The Marriage of lady Meed) ہے۔ اس میں لیڈی میڈ (بمعنی انعام واکرام) بہت قیمتی لباس پہنے جواہرات سے لدی سر پر ایک تاج رکھے ہوئے دکھائی دیتی ہے۔ پہلے اس کے نام کا مطلب ''انعام واکرام'' بدرجہ حق تھا مگر اب ''جُملہ سازی'' ہو گیا ہے۔ اُس کے ساتھ بہت سے چاپلوس ہیں جو اُسے بُرائی کی طرف لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ اس کی شادی ''جھوٹے'' (False) کے ساتھ ٹھہراتے ہیں۔ شادی کا معاہدہ تیار ہو جاتا ہے مگر ''دینیات (Theology)'' کی مخالفت کی بنا پر یہ معاملہ لندن میں شاہی دربار میں لایا جاتا ہے جہاں صالح لوگ ''ضمیر (Conscience)'' اور ''عقل (Reason)'' کی مدد سے بادشاہ پر زور ڈالتے ہیں کہ شادی کا معاہدہ ختم کیا جائے۔ بے ایمان اور رشوت خور افسروں کی کوشش کے باوجود بدمعاشوں کو سزا دی جاتی ہے۔ ''جھوٹ'' اور اس کے ساتھی بھاگ جاتے ہیں اور پوپ کے معافی نامے بیچنے والوں (Pardoners) سوداگروں، گانے والوں اور فرائروں (Friars) کے درمیان پناہ لیتے ہیں۔

دوسرا حصہ ''کنفیشن آف سیون ڈیڈلی سنس (Confession of Seven Deadly Sins)

Marfat.com

ہے۔ یہ پہلے حصے سے یوں ملتا ہے کہ ''عقل (Reason)'' کے ایک وعظ کا یہ اختتامیہ ہے۔ ''عقل'' سب گناہگاروں کو حق کی تلاش کی طرف توجہ دلاتی ہے۔

ان حصوں کے علاوہ اس نظم کا ایک اختتامیہ بھی ہے جو بہت سے خوابوں کا مجموعہ ہے اور یہ تین عنوانات کے تحت جمع کر دیے گئے ہیں: ڈوویل (Dowel)، ڈوبٹ (Dobet)، ڈوبیٹ (Dobeat)۔ یہ آخری حصہ ڈرامائی انداز میں ہے جس میں مختلف اخلاقی صفات کرداروں کی صورت میں آتی ہیں اور ایک مقام پر حضرت عیسیٰؑ بھی نظر آتے ہیں اکثر جگہ پیئرس پلاؤمن بھی نظر آتا ہے؛ کبھی وہ محض عام انسان ہو جاتا ہے، کبھی عیسیٰؑ اور کبھی نیک لوگوں کا نمائندہ۔ آخر میں ''ضمیر'' اس کی تلاش میں جاتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ (تاریخ ادب انگریزی، ص: ۲۹ تا ۳۱)

ہاؤس آف فیم (House of Fame)

انگریزی کے عظیم قومی اور عوامی شاعر چوسر (۱۳۴۰ء-۱۴۰۰ء Chaucer, Geoffrey (1343?-1400), کی تمثیلی نظموں میں شاید سب سے زیادہ اہم ہاؤس آف فیم (House of Fame) ہے جس میں اُس نے دانتے کی طرح بلند پروازی کا تجربہ کیا ہے۔ شروع میں خوابوں کی اہمیت پر بحث ہے پھر شاعر سو جاتا ہے اور خواب میں وینس کا مندر دیکھتا ہے جہاں اینیاس (Aeneas) کا سارا واقعہ دیوار پر نقش ہے۔ ایک سنہرا شاہباز اسے آسمان کی طرف اُڑا لے جاتا ہے۔ اُس کی ملاقات ان سب مصنفین سے ہوتی ہے جن کے کلام سے وہ واقف ہے۔ اُسے حُسن کی دیوی دکھائی دیتی ہے اور وہ اُس کی عنایات کی تقسیم کا مشاہدہ کرتا ہے۔ وہاں سے وہ ''افواہ کے گھر (House of Rumour)'' میں جاتا ہے اور دیکھتا ہے کہ افواہیں کیسے گھڑی جاتی ہیں۔ یہاں کے شور سے اُس کے کان پھٹنے لگتے ہیں۔'' نظم یہیں پر ختم ہو جاتی ہے اور نامکمل رہ جاتی ہے مگر اس کے وہ حصے بہت ہی اہم ہیں جہاں چوسر اپنے کردار اور مزاج کا حال بیان کرتا ہے۔ جب شاہباز اُسے اُڑائے لیے جا رہا ہے تو وہ کہتا ہے کہ وہ بلند پروازی کے لیے نہیں بنایا گیا، اُس کے لیے زمین پر چلنا ہی مناسب ہے۔ مختلف سیاروں کے پاس سے گزرتے وقت وہ ڈرتا ہے کہ کہیں اُن کی روشنی اُسے اندھا نہ کر دے۔ اُس کا دل اُسی کیچڑ بھری سڑک پر ہے جو لندن سے کنٹر بری جاتی ہے۔ یہاں معلوم ہوتا ہے کہ وہ بلند پروازی سے بالکل انکار کر دیتا ہے اور اسراریت کو بالکل ترک کر دیتا ہے۔ (تاریخ ادب انگریزی، ص: ۴۴)

چند نصب العینی تخلیقات

ادبیاتِ عالم میں یوٹوپیائی روایت قبل مسیح کے گلگامش (Gilgamesh) کے رزمیے،

Marfat.com

ہومر کی اوڈیسی اور افلاطون کی تمثیلی ریاست Republic سے ہوتی ہوئی سر تھامس مور تک ایک پختہ روایت بن جاتی ہے۔ مور کی یوٹوپیا اپنی نوعیت کی انتہائی اہم کتاب ہے جس میں وہ افلاطون کا صحیح اور سچا جانشین ثابت ہوا اور اس کے بعد تو اسی خیال سے ملتے جلتے ایک سو سے متجاوز ''نصب العینی شہر'' تحریر ہو چکے ہیں۔ فرانسس بیکن کی نیو اٹلانٹس میں ایسی ایجادات کا ذکر ہے جو ہوائی جہازوں، آبدوزوں اور ٹیلی فون کی پیش قیاسی کرتی ہیں۔ جارج آرویل کی Nineteen Eighty Four اگر چہ ایک دردناک اور اداس کن صورتِ حال کی مظہر ہے لیکن یہ اور اس طرح کی بعض اور تصانیف مثلاً گوڈون کی (1638) The Man is the Moon وغیرہ موجود کو بدلنے اور مستقبل کے ان خوابوں سے عبارت ہیں۔ بعد ازاں اس موضوع کے تتبع میں مغرب میں مثالی جنت، شہر اور مملکت وغیرہ کے کئی خیالی شہکار تخلیق کیے گئے جن میں جیمز ہیرنگٹن (James Harrington) (پیدائش: 1611-1-7، وفات: 1677-9-11) نے ۱۶۵۶ء میں Oceana میں ایک خیالی جمہوری ریاست کا نقشہ کھینچا ہے۔ تھامس مور کا اطوبیٰ (Utopia)، ملٹن کی ''جنتِ گم گشتہ (Paradise Lost) ورڈز ورتھ کی نظمیں از قسم Ode on Intimations of immortality، شیلے کی Prometheus unbound'' گوئٹے کا ''فاؤسٹ'' اور ۱۹۰۵ء میں ویلز کے لکھے گئے ایک جدید یوٹوپیا جس کی حیثیت ایک عالمی ریاست کی تھی، جیسی گوناں گوں سیکڑوں مثالیں موجود ہیں۔

یوٹوپیا

برطانوی ادیب ''سر تھامس مور'' (۷ر فروری ۱۴۷۸ء۔ المقتول ۷ر جولائی ۱۵۳۵ء) کے سفرنامے ''یوٹوپیا'' میں وہ رافیل کی زبان سے ایک فرضی اور مثالی دنیا کا نقشہ کھینچتا ہے جو جزیرہ نما کی شکل میں جنوبی افریقہ میں کہیں واقع ہے۔ اس کا طول پانچ سو میل اور عرض دو سو میل کے لگ بھگ ہے۔ پہلے وہاں وحشی لوگ آباد تھے، پھر ایک بادشاہ ''یوٹوپس'' نے اسے فتح کیا۔ اسی کے نام پر اس جزیرے کو ''یوٹوپیا'' کہا جانے لگا۔ نظم و نسق قائم رکھنے کے لیے یوٹوپیا کو ۵۴ اضلاع میں تقسیم کر دیا گیا۔ یوٹوپیا کا صدر مقام اماروت ہے۔ یہ ایک جمہوری وفاقی مملکت ہے جس کے ہر ضلع کو یکساں حقوق حاصل ہیں۔

یوٹوپیا کے لوگ زراعت پیشہ ہیں۔ ان کا لباس سادہ ہے۔ مکان آپس میں جڑے ہوئے ہیں۔ وہ اپنے دروازے کھلے رکھتے ہیں۔ ہر شخص کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ جنگ اور خون خرابے کے یہ لوگ شدید مخالف ہیں۔ علمی اور تخلیقی کام کرنے والوں کو مملکت کی طرف سے وظیفہ دیا جاتا

Marfat.com

ہے۔ یہاں کوئی گداگر نہیں۔ کسی کے پاس کسی قسم کا کوئی ذاتی اثاثہ نہیں، اس کے باوجود ہر شخص مطمئن اور آسودہ ہے اسے فکرِ معاش میں جان گھلانے کی ضرورت نہیں پڑتی کیوں کہ اس کے لیے کام کا تعین ہو چکا ہے۔ وہاں ہر شخص کی ضرورت پوری ہوتی ہے۔ الغرض ''یوٹوپیا'' ایک ایسی ریاست ہے جس میں کوئی کسی کا استحصال نہیں کرتا، ہر لحاظ سے وہ ایک مثالی اور آئیڈیل معاشرہ ہے۔

(دنیا کی سو عظیم کتابیں، ص ۳۱۶ تا ۳۲۳)

مارلو کا ''میفسٹوفیلیس''

صرف انتیس برس کی عمر پانے والے برطانوی ڈراما نگار کرسٹوفر مارلو (۱۵۶۴ء۔۱۵۹۳ء) کو شیکسپیئر کا عظیم پیش رو قرار دیا جاتا ہے۔ ''ڈاکٹر فاؤسٹس'' کے خالق کی حیثیت سے وہ گوئٹے کا بھی پیش رو ہے۔ مارلو نے جن مسائل اور امور، جن میں سائنس، منطق اور سفلی علوم اور ان کی حدود کے بارے میں جو خیالات اور نظریات پیش کیے ہیں ان پر پندرہویں اور سولہویں صدی کے انگلستان کی روایات، نظریات اور عقائد کی گہری چھاپ لگی ہوئی ہے۔

خیر اور شر کے کتنے ہی نام ہیں۔ مذاہب اور اساطیر میں ان اعمال کے کردار مخصوص ہیں۔ ان کے اپنے نام ہیں۔ کرسٹوفر مارلو کے المیے ''ڈاکٹر فاؤسٹس'' میں شر اور بدی کا کردار میفسٹوفیلیس کے پیکر میں ظہور کرتا ہے۔ میفسٹوفیلیس، لوسیفر کا غلام اور خادم ہے۔ لوسیفر وہ برگزیدہ فرشتہ تھا جسے خدا کا قرب حاصل رہا لیکن اپنے تکبر کی وجہ سے دھتکارا گیا اور اسے آسمانوں سے نکال پھینکا گیا۔ یوں وہ ہمیشہ کے لیے راندۂ درگاہ بن چکا تھا اور پھر کئی جہنموں کا مالک۔ میفسٹوفیلیس ان بدقسمت اور رنجور روحوں میں سے ایک ہے، جس نے لوسیفر کے ساتھ خدا سے بغاوت کی اور ہمیشہ کے لیے لعنتی قرار پایا۔ کبھی اس نے بھی خدا کا دیدار کیا تھا اور آسمانوں اور بہشت کی مسرتوں کا ذائقہ چکھا تھا۔ دوسرے ایکٹ کے تیسرے سین میں وہ ڈاکٹر فاؤسٹس سے یوں خطاب کرتا ہے:

> Think'st thou that I who was the face of God,
> and tested the eternal joys of heaven,
> Am not tormented with ten thous.and Hells,
> in being deprived of everlasting bliss?

(ذرا سوچو تو میں جو خدا کے قریب رہا ہوں اور اس کا جلوہ دیکھا ہے
اور جنت کی ابدی خوشیاں دیکھ چکا ہوں، اب ان سے محروم کر کے کیا مجھے دس ہزار جہنم
کا عذاب نہیں دیا جا رہا)

میفسٹوفیلیس دس ہزار جہنموں کا عذاب سہہ رہا ہے، وہ یہ شعور رکھتا ہے کہ دیدارِ خداوندی

سب سے بڑی نعمت اور برکت تھی اور خدا کی حضوری دائمی مسرت، لیکن اپنی نافرمانی کی وجہ سے خدا کی حضوری سے محروم ہو چکا ہے، وہ اس دوری اور برکت کے فقدان کو بڑی شدت سے محسوس کرتا ہے۔

میفسٹوفیلیس کے کردار کا اہم اور فکر انگیز پہلو یہ ہے کہ وہ اب خود عذاب سہتے ہوئے، ان روحوں کو بلکتا دیکھ کر خوشی اور لذت محسوس کرتا ہے جو گناہوں کا ارتکاب کر کے عذاب سہہ رہی ہیں۔ اس کی ایک ہی آرزو ہے اور تسکین کا ذریعہ بھی اس آرزو کی تکمیل ہے۔ وہ کوشاں رہتا ہے کہ انسان گناہ کریں اور خدا سے دور ہوتے چلے جائیں اور اسی کی طرح عذاب سہیں۔ وہ انسانوں کو گناہ کی راہ دکھاتا ہے، وہ انسانوں پر نگاہ رکھتا ہے کہ کب وہ گمراہ ہوں اور وہ انہیں اپنا شکار بنا لے۔ وہ ڈاکٹر فاؤسٹس سے کچھ نہیں چھپاتا۔ وہ اعتراف کرتا ہے کہ ڈاکٹر فاؤسٹس خوبیوں کا مالک ایک عظیم عالم شخص تھا لیکن سفلی علوم میں اس کی دلچسپی دیکھ کر وہ اس کی طرف لپکا:

''تمہاری فریاد اور خواہشوں سے بوجھل صدا سن کر، میں فوراً چلا آیا تھا۔''

میفسٹوفیلیس اپنی آرزو کی تکمیل چاہتا تھا تا کہ تسکین حاصل کر سکے۔ ڈاکٹر فاؤسٹس کو گنہگار بنانے میں ہی اس کے لیے تسکین تھی کہ ڈاکٹر فاؤسٹس بھی اس کی طرح گناہ کرے اور خدا کی نظروں سے گر کر لعنتی قرار پائے۔ وہ بھی اسی کی طرح جہنم کا دائمی عذاب سہے۔ ڈاکٹر فاؤسٹس باطنی لحاظ سے ایک اچھا آدمی ہے۔ دوسری طرف میفسٹوفیلیس ہے، بدی کی طاقت کی علامت اور نمائندہ جو انسان کے اندر سانس لیتا ہے۔ میفسٹوفیلیس انسان کے اندر موجود شر کو بھڑکاتا ہے۔ وہ اپنی شکست دیکھ نہیں سکتا۔ وہ ڈاکٹر فاؤسٹس کو جہنم کی حقیقت سے آگاہ کرتا ہے۔ ڈاکٹر فاؤسٹس کے استفسار کے جواب میں وہ یہ وضاحت پیش کرتا ہے کہ جہنم انسان کے باہر نہیں، اس کے ذہن میں بستا ہے اس لیے گنہگار دوزخ کی جن اذیتوں کو برداشت کرتا ہے وہ سب عذاب اور اذیتیں اس کے اپنے اندر ہوتی ہیں۔ خارج میں اس کا کوئی وجود نہیں۔ مارلو، میفسٹوفیلیس کی زبان سے کہلواتا ہے:

"With.in the bowels of these elements, where we are tortur'd and remain for ever, Hell hath no limits nor is circumscrib'd, in one self place; for where we are in Hell, and where Hell is ,there must we ever be."

(ان اشیا کے دائروں میں جہاں ہمیں ابدی عذاب دیا جاتا ہے، جہنم ایک ایسی جگہ ہے جس کی کوئی حد نہیں۔ جہاں ہم ہیں وہ دوزخ ہے اور جو دوزخ ہے وہاں ہم ہوں گے)

میفسٹوفیلیس بتاتا ہے کہ گنہگار جہاں جائے گا وہ اپنا جہنم اپنے ساتھ لیے پھرے گا۔ میفسٹوفیلیس خود جہنم ہے وہ دوسروں میں جہنم اس لیے بانٹتا پھرتا ہے کہ دوسرے بھی اپنے اندر جہنم

Marfat.com

چھپائے ہوتے ہیں۔ وہ ان کی خواہشوں اور آرزوؤں کا جہنم کریدتا ہے اور انہیں بھی اپنے جہنم میں شامل کر لیتا ہے، لیکن جہنم پہلے سے ہی ہر انسان کے اندر بدی کی شکل میں موجود ہوتا ہے۔ اس سرد جہنم کو آرزوئیں ہوا دیتی ہیں اور میفسٹوفیلیس اسے بھڑکاتا ہے۔

مارلو نے ''ڈاکٹر فاؤسٹس'' میں خدا، جنت، دوزخ، زمین پر زندگی، حیات بعد الممات، فنا اور ابدیت کے حوالے سے اپنے تصورات اور نظریات کو ڈاکٹر فاؤسٹس اور میفسٹوفیلیس کے پیکر تراش کر بیان کیا ہے۔ وہ زمین کی زندگی کو جنت کی زندگی پر ترجیح دیتا ہے۔ میفسٹوفیلیس جنت کے بارے میں کہتا ہے:

"Why,Faustus, thinkest thou heaven is such a glorios thing? I tell thee t's not half so fair as thou, or any man that breathes on Earth."

(تم جنت کو اتنا اچھا کیوں سمجھتے ہو؟ یہ اتنی بھی اچھی نہیں جتنا تم سمجھتے ہو، یہ تم سے یا زمین پر سانس لینے والے کسی بھی آدمی سے بہتر تو نہیں)

میفسٹوفیلیس اپنا انفرادی تشخص رکھتا ہے۔ وہ ہر کہہ ومہہ کا خدمت گزار اور تابع بننا پسند نہیں کرتا۔ اس کا اپنا ذوقِ انتخاب اور ترجیحات ہیں اور ڈاکٹر فاؤسٹس۔ اپنے نفس کا اسیر اور اپنے اندر کے جہنم کے عذاب میں خود مبتلا ہونے والا آدمی ہے۔ اس کا خمیر مٹی سے اُٹھا ہے۔ دوسری طرف یہی میفسٹوفیلیس ایک انتہائی بے بس شخصیت ہے۔ خیر اور شر کی رزمگاہ میں وہ اپنے تمام اختیار اور قوت کے باوجود اس کمزور ترین بوڑھے شخص کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا جو فاؤسٹس کی زندگی کے آخری لمحوں میں اسے سب سے زیادہ اذیت پہنچاتا ہے۔ وہ بوڑھا خیر، اعتقاد اور ایمان کی علامت ہے۔ یہ بوڑھا اس فاؤسٹس کے ضمیر کا کانٹا بن جاتا ہے جو لوسی فر کو اپنی روح سونپ چکا ہے اور نجات سے مایوس ہے۔ فاؤسٹس اب میفسٹوفیلیس کو اپنا Sweet friend بنا چکا ہے:

"Torment, sweet friend that base and crooked age that durst dissuade me from thy Lucifer, with greatest torments that our Hell affords."

میفسٹوفیلیس بے اختیار ہے نیکی اور اعتقاد کے سامنے۔ یوں مارلو آخری معنی خیز پچ دے کر اپنے کردار میفسٹوفیلیس کی تکمیل کر دیتا ہے۔ میفسٹوفیلیس جواب دیتا ہے:

"His faith is great ,I can not touch his soul but what I may afflict his body with I will attempt ,Which is but little worth."

میفسٹوفیلیس یہ جانتا ہے کہ روحانی اذیت کے مقابلے میں جسمانی اذیت کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔(مارلو کا میفسٹوفیلیس۔ایک تعارف،از: ستار طاہر، مشمولہ ماہنامہ ''اوراق'' لاہور، شمارہ جون جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۱۸۰ تا ۱۸۴)

فیری کوئین (The Faerie Queen)

اڈمنڈ اسپنسر (Edmund Spenser) (۱۵۵۲ء تا ۱۵۹۹ء) کی شاہکار نظم فیری کوئین میں پریوں کا سا ماحول ہے۔ایک طلسم ہے جو ہر طرف پھیلا ہوا ہے۔یہ ایک ایسے خواب کی دنیا ہے جہاں پہنچ کر آدمی ہر حقیقت کو بھول جاتا ہے۔قوتِ تخیل کا عجب کرشمہ ہر جگہ نظر آتا ہے۔شاعر کے تخیل نے اپنی زندگی کے ہر تجربے کو رنگین بنا کر پیش کیا ہے۔پوری نظم اپنی جگہ ایک مکمل تصویر بھی ہے اور تصویروں کا مجموعہ بھی۔اسپنسر کا ارسطو کی متعین کردہ بارہ صفات جسے اس نے Magnificence یعنی عظمت کہا ہے، کو بنیاد بنا کر بارہ کتابوں میں منظوم کرنے کا منصوبہ تھا۔یوں اس کے منصوبے کے مطابق یہ نظم بارہ کتابوں میں مکمل ہونی تھی۔اس کی الگ الگ کتابیں مختلف اوقات میں چھپتی رہیں۔اسپنسر کی موت کے وقت کُل چھ کتابیں ہی مکمل ہوئی تھیں اور ساتویں کا کچھ حصہ لکھا ہوا تھا۔فیری کوئین کی پہلی کتاب ''تقدس'' (Holiness) پر، دوسری ''میانہ روی'' یا ''اعتدال'' (Temperance)، تیسری ''عصمت'' (Chastity)، چوتھی ''دوستی'' (Friendship)، پانچویں ''انصاف'' (Justice)، چھٹی ''خوش اخلاقی'' (Curtsey) اور ساتویں ''ثابت قدمی'' (Constancy) جیسی صفات پر مشتمل ہے۔ہر کتاب کا ہیرو اس کتاب کی مخصوص اخلاقی صفت کا مجسمہ ہے اور ہر واقعہ، ہر مقام اور ہر کردار اخلاقی صفت کے نام سے موصوف بھی ہے اور اس صفت کے مطابق شاعرانہ تصویر بھی ہمارے سامنے لاتا ہے، اس طرح یہ نظم تمثیل نگاری (Allegory) کی ایک بہترین مثال بھی ہے۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں جو شاعرانہ تمثیل نگاری کی اعلیٰ ترین مثالوں میں سے ہے، پرہیز گاری کے شہسوار کا قصہ بیان کیا گیا ہے۔یہ شہسوار اپنی محبوبہ ''حق'' کے ساتھ میدانِ عمل کو طے کرتا ہوا، غلطی کے اژدھے کو مار کر ریاکاری کی جادوگرنی کے جال سے نکل کر پھر حق سے ہم آغوش ہو جاتا ہے۔(مغربی شعریات، ص ۲۱۰)

پرنس آرتھر جو ''عظمت'' کا مجسمہ ہے، خواب میں ''گلوریانا'' کو دیکھتا ہے اور اس پر عاشق ہو کر اسے پریوں کے ملک میں تلاش کرنے جاتا ہے۔پریوں کی ملکہ گلوریانا ہر سال ایک تہوار مناتی ہے جو بارہ دن چلتا ہے اور ہر روز وہ ایک سردار (knight) کو کسی مصیبت زدہ کی مدد کے لیے بھیجتی ہے۔مصیبت زدہ کی مصیبت کو دور کرنے کے لیے کسی خاص اخلاقی صفت کی ضرورت ہوتی ہے اور جو

Marfat.com

سردار بھیجا جاتا ہے وہ اس خاص صفت کا مجسمہ ہوتا ہے۔ ہر سردار کی مہمات ایک کتاب میں بیان ہوئی ہیں اور ہر سردار کے آڑے وقت پر آرتھر مدد کو آن پہنچتا ہے اور اس طرح ہر اخلاقی قدر کا تجربہ حاصل کر کے کامل ہوتا جاتا ہے۔ پہلی کتاب میں ''تقدس'' کا ہیرو ریڈ کراس نامی سردار ہے جو ''یونا'' (سچائی) کی مدد کے لیے جاتا ہے جس کے باپ کے ملک کو ایک اژدہا برباد کر رہا ہے۔ دونوں ساتھ ساتھ جاتے ہوئے ''ایرر'' (Error) نام کے اژدھے سے ملتے ہیں جس کو ریڈ کراس قتل کر دیتا ہے مگر کچھ ہی عرصے کے بعد ''آرکیماگو'' (Archimago) کے دھوکے میں آجاتا ہے جو ریاکاری کی علامت ہے۔ اس کے اثر سے وہ یونا (سچائی) کو چھوڑ کر ''دوئسا'' (Duessa) کا ہو رہتا ہے جو جھوٹے مذہب کی علامت ہے۔ وہ تین غیر عیسائی سرداروں سے لڑتا ہے جن کے نام ''ساں فوائے'' (Sans Foy) یعنی ایمان سے خالی، ''ساں جوائے'' (Sans Joy) یعنی اُصول وقانون سے خالی، مگر وہ دیو' اور گوگیو' (Orgogio) کے، جو تکبر کی علامت ہے، پھندے میں پڑ جاتا ہے۔ یونا اس کی مدد کے لیے آرتھر کو لاتی ہے۔ وہ تکبر سے نجات پاتا ہے مگر مایوسی (Despair) کے پھندے میں آجاتا ہے۔ وہ تقدس (Holliness) کے گھر میں لایا جاتا ہے جہاں اس کی تمام کثافتیں دھودی جاتی ہیں۔ عیسائیت سے بہرہ مند ہوتا ہے اور طاقت حاصل کر کے یونا کے ملک کے اژدہے کو زیر کرتا ہے اور یونا سے شادی کر لیتا ہے۔ اس طرح بقیہ کتابوں کے ہیرو مشکلات میں پڑتے ہیں، کارنامے انجام دیتے ہیں اور آخر میں اپنی خاص صفت کی تکمیل تک پہنچتے ہیں۔

نیو اٹلانٹس (Bacon's New Atlantis)

تھامس مور کی طرح فرانسس بیکن نے بھی خیالی جنت کا نقشہ ''نیو اٹلانٹس'' کی صورت میں تخلیق کیا۔ اس کی یہ خیالی جنت ایک بڑی سائنسی تجربہ گاہ لگتی ہے۔ فرانسس بیکن بڑے خاندان کا ایک بڑا فرد تھا۔ وہ ۲۲ جنوری ۱۵۶۱ء کو لندن میں پیدا ہوا۔ اس کے والدین اپنے عہد کے سربرآوردہ لوگ تھے۔ بیکن پارلیمنٹ کا رکن بھی بنا اور اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز ہوا۔ وہ شاہ پرست ہونے کے ساتھ ساتھ راشی بھی تھا، مگر آخر یہ سب کچھ چھوڑ کر تنہائی کی زندگی بسر کی اور باقی ماندہ زندگی ادب، آرٹ اور بالخصوص سائنس کے لیے وقف کر دی۔ بیکن کا انتقال ۹ اپریل ۱۶۲۶ء کو ہوا۔ اٹلانٹس کی اصطلاح اس نے یونانی دیومالا سے مستعار لی۔ قدیم یونانیوں کے خیال میں اٹلانٹس مغربی سمندر میں ایک جزیرہ تھا جو زلزلے کی وجہ سے ڈوب گیا تھا۔ افلاطون نے اس کا ذکر اپنے مکالمات میں کیا ہے اور افلاطون کا دعویٰ تھا کہ اٹلانٹس کے باشندوں کی تہذیب انتہائی ترقی یافتہ تھی۔ بیکن نے نیو اٹلانٹس کو ایک

خوش حال اور روشن خیال معاشرے کے لیے بطور علامت استعمال کیا۔ بیکن ہمیں اٹلانٹس کے حوالے سے بتاتا ہے کہ وہاں کے لوگ اپنے دانش مند بادشاہ کی وجہ سے بہت خوشحال ہیں۔ اس معاشرے کی بنیاد سائنس پر قائم ہے۔ جزیرے کا دارالخلافہ ''بن سالم'' ہے جہاں شہر کے وسط میں ایک کالج ہے جس کا نام ''بیتِ سلیمان'' ہے۔ یہ وہ کالج ہے جہاں اشیاء کے اسباب اور مخفی حرکات کے علم کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس تعلیم کا مقصد انسانی ذہن کی حدود کو وسعت دینا ہے تاکہ انسان تمام اشیاء اور موجودات کو اپنے استعمال میں لا سکے۔ یہاں تجربات کے لیے ہر طرح کے آلات موجود ہیں۔ زمین کے اندرونی حالات جاننے کے لیے گہرے غار کھودے گئے ہیں۔ خلا کی تحقیق کے لیے اونچے مینار تعمیر کیے گئے ہیں۔ طبی تحقیق اور نامیاتی مادے کی تیاری کے لیے تجربہ گاہیں موجود ہیں۔ اناج کی پیداوار بڑھانے کے لیے زرعی مرکز اور اوزار بنانے کے لیے کارخانے موجود ہیں۔ یہاں سائنس کی بدولت نہ کوئی محتاج ہے نہ مفلس۔ نیو اٹلانٹس کا رابطہ ساری دنیا سے قائم ہے۔ ساری دنیا کی ترقی پر نگاہ رکھی جاتی ہے۔ وفود بیرونِ ملک جاتے ہیں اور سائنسی امور پر غور وفکر کے لیے کانفرنسیں منعقد ہوتی ہیں۔ بیکن نیو اٹلانٹس کی اس فرضی ریاست میں ملوکیت کا علمبردار ہے۔ اس ریاست کا آئین ناقابلِ ترمیم ہے۔ اس دنیا میں طبقات بھی موجود ہیں۔ نیو اٹلانٹس آنے والے دور کی نشاندہی کرتی ہے۔

شہرِ آفتاب

اطالوی فلسفی اور ادیب فرانسس کمپانلا (Francis Campanella) (۱۵۶۸ء۔۱۶۳۹ء) نے ۱۶۲۳ء میں ایک ناول Civitas Solis لکھا جس کا انگریزی ترجمہ City of the sun (شہرِ آفتاب) کے نام سے شائع ہوا۔ اس میں کمپانلا نے افلاطون کی ''جمہوریت'' کی طرح کی ایک مملکت کا نقشہ کھینچا ہے۔ یہ یوٹوپیا تھامس مور اور فرانسس بیکن کے مثالی معاشروں سے کہیں زیادہ اشتراکی ہے۔ کمپانلا کے اس یوٹوپیا میں استحصال، امارت، مفلسی، ذاتی ملکیت، غلاموں اور پادریوں کے لیے کوئی جگہ نہیں۔ تھامس مور کے یوٹوپیا میں اوقاتِ کار چھ گھنٹے یومیہ تھے جبکہ کمپانلا کے شہرِ آفتاب میں اوقاتِ کار صرف چار گھنٹے یومیہ ہیں۔

جنتِ گم گشتہ

جون ملٹن John Milton (پ: ۹ر دسمبر ۱۶۰۸ء، لندن۔ ف: ۱۶۷۴ء) کی نظم ''جنتِ گم گشتہ'' (Paradise Lost) کو انگریزی زبان کا سب سے عظیم رزمیہ شمار کیا جاتا ہے۔ یہ رزمیہ آدم (انسان) کے زوال کی داستان ہے۔ ابلیس صرف بدی اور شر کا ہی نمائندہ بن کر سامنے نہیں

Marfat.com

آتا بلکہ حرکت اور جہد و عمل کی علامت کے طور پر نظر آتا ہے اور حضرت آدمؑ کو ایک نئے قسم کا ہیرو ظاہر کر کے نمایاں کیا گیا ہے۔ شیطان یا ابلیس کا ذکر کرتے ہوئے پروفیسر جے۔ بی بروڈہنٹ لکھتا ہے:

''ابلیس کی حرکت پذیری، اس کا گٹھیلا پن اور مضبوطی بعض ایسی خاصیتیں ہیں جو اسے ''جنتِ گم گشتہ'' کا اہم ترین کردار بنا دیتی ہیں۔۔۔ابلیس جہنم میں ایک فرشتے کی حیثیت رکھتا ہے اور زوالِ آدم کی ایک مکبّر تصویر ہے۔۔۔عمل میں ابلیس بے حد و بے پایاں ہے، چال ڈھال اور نقل و حرکت میں کس قدر صریح اور قابلِ تعریف! کردار میں فرشتوں کی مانند! فہم و ادراک میں دیوتاؤں کی طرح! دنیا کے حسن کی تصویر! حیوانیت کا کامل نمونہ!''

J.B.Broadhent: Some graver subjects. An essay on Paradise lost,(1960)

آدمؑ و حوّاؑ اور شیطان کے قصّے پر مبنی یہ نظم اصل میں تورات سے ماخوذ ہے۔ ملٹن نے اسے انسانوں کو خدا کا راستہ دکھانے اور فنِ شاعری میں یونانیوں کو مات دینے کے لیے لکھا۔ اس کا میدان کسی ملک کی بجائے پوری کائنات ہے۔ اس قصے میں ازل سے ابد تک کی پوری تاریخ آ گئی ہے اور کائنات کے ہر حصے کے تمام مناظر دکھائے گئے ہیں۔ اس نظم میں ملٹن خدا کی نافرمانی کے عواقب دکھاتا ہے۔ اس کے نزدیک نیکی خُدا کی مرضی پر راضی رہنے میں ہے، اس سے ہٹنا شیطان کی راہ پر چلنا اور بربادی ہے۔ یہ نظم ۱۶۶۷ء میں شائع ہوئی۔ اسے یورپ کی عظیم ترین ایپک (Epic) نظم سمجھا جاتا ہے۔ اس نظم میں دنیا کی قدیم ترین کہانی کو قلمبند کیا گیا ہے یعنی جب انسان جنت میں رہتا تھا۔ کہانی کا کلائمیکس ممنوعہ درخت سے حضرت آدم و حوا کا پھل توڑ کر کھانا ہے جس کے نتیجے میں رنج و غم اُن کا مقدر ٹھہرتا ہے اور وہ اپنی اس غلطی پر سخت نادم ہوتے ہیں۔ ملٹن اس کو شاندار غلطی کا نام دیتا ہے۔ کہانی میں شیطان کے کردار کو سانپ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ملٹن کا تخلیق کردہ ایک اور کردار بڑی بدروح دنیائے شاعری میں بہت بڑا کردار ہے۔ کتاب میں اصل میں نیکی اور بدی کی جنگ بیان کی گئی ہے۔ جس کے بنیادی کردار آدم اور حواؑ ہیں جو شیطان کے اکسانے پر ممنوعہ پھل کا ذائقہ چکھ کر گستاخی کے مرتکب ہو چکے ہیں۔ پھل کھاتے ہی زمین تھرا اُٹھتی ہے۔ اُن کی مذہبی شان، منزلت اور معصومیت ختم ہو جاتی ہے:

Of man's first disobedience, and the fruit
Of that forbidden tree, whose mortal taste
Brought death into the world, and all our woe,
With loss of Eden, till one greater Man
Restore us, and regain the blissful seat,

Marfat.com

Sing Heav'nly Muse, that on the secret top
Of Oreb, or of Sinai, didst inspire
That shepherd, who first taught the chosen seed,
In the beginning how the heav'ns and earth
Rose out of chaos: or if Sion hill
Delight thee more, and Siloa's brook that flowed

(انسان کی پہلی نافرمانی اور شجرِ ممنوعہ کا پھل چکھنے کی وجہ سے ہمیں اس دنیا میں موت سے دوچار ہونا پڑا اور تمام مصائب کا سامنا کرنا پڑا۔ ہم جنت سے بھی محروم ہو گئے۔ پھر اس کے بعد ایک عظیم شخص نے ہمیں دوبارہ عظمت کی جگہ پہ لا بٹھایا۔ اے روح القدس! مجھے وہ کلمات بتا جو تو نے طورِ سینا پر پیغمبر کو الہام کیے تھے اور جس کی وجہ سے جنت اور آسمانوں سے تاریکی دور ہوئی)

جنتِ گم گشتہ بارہ کتابوں یا ابواب میں تقسیم ہے۔ قصے کا آغاز اس وقت سے ہوتا ہے جب شیطان اِبا اور استکبار کی بدولت دوسرے باغی فرشتوں کے ساتھ ملعون ہو کر درگاہِ خداوندی سے نکالا جا چکا ہے۔ آدم اور حوا ابھی معصوم ہیں اور جنت میں ہیں۔ شیطان اور اس کے ساتھیوں کے دلوں سے آسمان سے نکالے جانے کا غم گیا نہیں ہے۔ ان کے اندر غصے اور انتقام کا جذبہ شدت سے کام کر رہا ہے۔ شیطان اپنے ساتھیوں سے ایک نئی دنیا کا ذکر کرتا ہے جس کا اس نے پتہ لگایا ہے۔ دارالشیاطین (Pandemonium) کی مجلس بلائی جاتی ہے جس میں بالا جماع یہ طے پاتا ہے کہ شیطان سیاحت کے لیے جائے اور اس نئی دنیا کی سیر کر کے اس کے مفصل حالات معلوم کرے۔ قادرِ مطلق کو شیطان کی نئی سازش کا علم ہو جاتا ہے۔ وہ مسیح سے جو ابھی اس کے پاس ہی ہے اور دنیا میں نہیں آیا ہے، مشورہ کرتا ہے۔ خداوند آدم کے زوال کی پیش گوئی کرتا ہے اور اس کے ساتھ بنی آدم کی نجات کے لیے اہتمام کرتا ہے۔ اس عرصے میں شیطان کرۂ آفتاب میں پہنچتا ہے اور وہاں اس کو نئی دنیا کا راستہ معلوم ہوتا ہے، جب وہ فردوس میں داخل ہوتا ہے تو وہ آدم اور حوا کو "شجرِ ممنوع" کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے سنتا ہے۔ خداوند کی طرف سے رفائیل مامور کیا جاتا ہے کہ وہ جا کر آدم کو آنے والے خطرے سے آگاہ کرے۔ رفائیل آدم کو بتاتا ہے، شیطان کون ہے اور کس طرح اس نے آسمان پر بغاوت پھیلائی، جس کی سزا میں خدا نے اس کو اپنی درگاہ سے نکال دیا۔ بھیجا ہوا فرشتہ آدم کو یہ بھی بتاتا ہے کہ یہ دنیا کیسے پیدا ہوئی۔ آدم رفائیل سے اپنے تجربات بیان کرتا ہے۔ رفائیل کے رخصت ہونے کے بعد شیطان ایک سانپ کے جسم میں داخل ہو جاتا ہے اور حوا کو اکیلا پا کر اس کو مخاطب کرتا ہے اور اس سے باتیں کرنے لگتا ہے۔ سانپ کو باتیں کرتے ہوئے دیکھ کر حوا کو حیرت ہوتی ہے۔ سانپ حوا کو بتاتا ہے کہ

Marfat.com

اس نے ''شجرِ علم'' (شجر ممنوع) کا پھل کھایا ہے جس سے اس کے اندر گویائی اور عقل دونوں آ گئی ہیں۔ استعجاب اور تجسس کا جذبہ حوا کے دل میں تحریک پیدا کرتا ہے کہ وہ بھی اس درخت کا پھل چکھے اور وہ آدم کو بھی ورغلا کر اس پر آمادہ کر لیتی ہے۔ شیطان جہنم میں واپس آتا ہے اور اپنے رفیقوں کو اپنی مہم اور اپنی کامیابی کی پوری روداد سناتا ہے۔ خداوند کی طرف سے میکائیل کو حکم ہوتا ہے کہ وہ جائے اور آدم اور حوا کو فردوس سے نکال دے۔ نظم کا آخری باب حوا کی پشیمانی اور رزار تالی پر مشتمل ہے۔

(شمسون مبارز، از: جان ملٹن، مترجم: مجنوں گورکھ پوری، ص ۳۱، ۳۲)

اس نظم کے شروع میں دوزخ کا منظر سامنے آتا ہے۔ شیطان دوزخ میں بے ہوش پڑا ہے، پھر وہ جاگتا ہے اور اپنے ایک ساتھی سے مشورہ کرتا ہے اور پھر دوسرے ساتھیوں کو جمع کر کے ایک محل تیار کرتا ہے۔ یہاں وہ تقریریں کرتا ہے۔ محل میں مجلسِ شوریٰ بیٹھی ہے۔ طے یہ ہوتا ہے کہ شیطان اکیلا جا کر آدمؑ اور حواؑ کو ورغلائے اور اس طرح خدا سے جنگ کرے۔ شیطان اس کام کے لئے روانہ ہوتا ہے۔ دوزخ کے دروازے پر اسے گناہ اور موت سے مقابلہ کرنا پڑتا ہے اور آخر کو وہ خلا میں کود جاتا ہے۔ اب منظر بدلتا ہے خدا اور اس کا بیٹا شیطان کو زمین کی طرف آتا دیکھتے ہیں اور بیٹا انسان کی حمایت کا بیڑا اُٹھاتا ہے۔ شیطان فردوس تک پہنچ جاتا ہے مگر وہاں سے جبریلؑ اور دوسرے فرشتے اسے نکال دیتے ہیں۔ فردوس میں آدمؑ و حواؑ کی معصوم زندگی کے مناظر آتے ہیں۔ اسرافیلؑ ان کے پاس آ کر ان کو شیطان اور خدا کے درمیان جنگ کا حال سناتا ہے اور ان کو شیطان سے ہوشیار کر کے چلا جاتا ہے۔ شیطان اب سانپ کی صورت میں فردوس میں داخل ہوتا ہے۔ حوا کو پھسلا کر اسے ''پھل'' کھانے پر مجبور کرتا ہے اور آدمؑ بھی اس کی محبت میں ''پھل'' کھا کر تاسف میں پڑ جاتا ہے۔ شیطان دوزخ میں واپس آ کر ڈینگ مارتا ہے مگر وہ سانپ میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ خدا کا بیٹا آ کر آدمؑ کو معاف کر دیتا ہے۔ میکائیلؑ حضرت آدمؑ کے پاس آ کر قیامت تک کا حال بیان کرتا ہے اور پھر خدا کے حکم کے موافق آدمؑ کو اپنی محنت سے روٹی کمانے کے لیے فردوس سے نکال دیا جاتا ہے۔

(بحوالہ تاریخِ ادبِ انگریزی، از ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، ص: ۱۵۔ ۲۵۰)

وہ لوٹ کر اپنے پیچھے دیکھتے ہیں
وہ جنت جوان کا گھر تھی
ان کی آنکھوں سے فطرت کے آنسو ٹپکتے ہیں
ان کے سامنے وسیع و عریض زمین تھی
اب انہیں رہنے کے لیے یہیں گھر بنانا تھا

Marfat.com

وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے
آہستہ روی سے چل رہے تھے
باغِ عدن ان سے چھن چکا تھا

جان بنین کی پلگرمز پروگریس (The Pilgrim's Progress)

جان بنین (John Bunyan) ایک برتن بنانے والے کا بیٹا تھا۔ وہ نومبر ۱۶۲۸ء میں برطانیہ کے ایک گاؤں ایلسٹو (بیڈفورڈ شائر) میں پیدا ہوا اور ۳۱ اگست ۱۶۸۸ء میں لندن میں وفات پائی۔ اس نے اپنی زبان (انگریزی) کے علاوہ اور کوئی زبان نہ سیکھی اور انجیل کے علاوہ اور کوئی کتاب نہ پڑھی، مگر اس کی تصانیف خداداد قوتِ تخلیق کا معجزہ دکھاتی ہیں۔ اس کا ذہن صوفیوں کی طرح روحانی تجربات میں محو رہا۔ اس کو الہامات ہوتے تھے اور وہ ان کو رقم کرتا تھا۔ وہ ۱۲ برس تک زندان میں رہا اور وہیں ۱۶۷۸ء میں اس نے اپنا شاہکار پلگرمز پروگریس (The Pilgrim's Progress) لکھی۔ یہ انگریزی کی مقبول ترین کتابوں میں سے ایک ہے جس کا دنیا کی ہر زبان میں ترجمہ ہو چکا ہے۔ پوری کتاب میں علامتوں کا باقاعدہ ایک نظام ہے جو عیسایت کے مخصوص تصورات کو اجاگر کرتا ہے۔ اس کتاب کو ادبی زبان میں الیگری (Allegory) کہا جا سکتا ہے۔ ہر کردار دوہری معنویت کا حامل ہے اور انسانی خصوصیات کی نمائندگی کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ پوری کتاب ایک الہامی فضا لیے ہوئے ہے جس میں ہر جگہ روح کو ایک عجیب کیف اور سکون ملتا ہے۔ یہ تصنیف، بقول ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، انگریز قوم کے ضمیر سے اس قدر قریب آجاتی ہے کہ ہر گھر میں اس کی انجیل کے برابر قدر ہوتی ہے۔ ذہن کے ساتھ یہاں وہ تصوف شامل ہے جس کی عظمت کو انگریز سمجھتا ہے اور جس تک پہنچنے کی اسے خواہش ہے۔ (تاریخِ ادبِ انگریزی، ص ۲۹۲) اس کے مرکزی کردار کا نام کرسچین (مسیحی) ہے جو مقدس آسمانی شہر تک پہنچنے کے لیے گھر سے نکلتا ہے۔ اس کے کٹھن سفر میں پیش آنے والا ہر واقعہ روحانی زندگی بسر کرنے والوں کی راہ میں آنے والے کسی نہ کسی دشوار گزار مرحلے کی نمائندگی کرتا ہے۔ کتاب کا آغاز یوں ہوتا ہے:

> ''اس دنیا کے بیابان میں پھرتے پھرتے میں ایک جگہ پہنچا جہاں ایک غار تھی۔ اس کے اندر لیٹ کر سو گیا اور ایک خواب دیکھا کہ ایک شخص پھٹے پرانے کپڑے پہنے اپنے گھر کی طرف پیٹھ کیے کھڑا ہے۔ اس کے ہاتھ میں ایک کتاب اور کاندھے پر بھاری بوجھ ہے۔ میں نے دیکھا کہ وہ کتاب کھول کر بڑی توجہ سے اس کا مطالعہ کرنے لگا۔ پڑھتے پڑھتے وہ زار زار روتا اور تھرتھراتا ہوا نظر آیا۔ آخرکار وہ آپے

سے باہر ہو کر چلا اُٹھا "ہائے میں کیا کروں" (مسیحی کا سفر، ص ۵)

پلگرمز پروگریس کا ہیرو "مسیحی" (Christian) اپنی پیٹھ پر گناہوں کا بوجھ لادے ہوئے دکھائی دیتا ہے، پھر وہ آسمانی ملک کو جانے کی تیاری کرتا ہے۔ کچھ لوگ ساتھ جانے کو تیار ہیں مگر راستے ہی سے لوٹ آتے ہیں۔ ایک ورڈلی وائیز مین (Wordly Wiseman) یعنی دنیادار آدمی جو بڑا ہی دلچسپ کردار ہے اسے اس راہ پر جانے سے منع کرتا ہے مگر وہ چلا ہی جاتا ہے۔ راستے میں اسے ہر طرح کے تخیلی کردار ملتے ہیں مثلاً مبشر، خیر خواہ، مفسر، دین داری، ہلاکو، وفادار، باتونی، رحمت، دیانتدار، دلیر حق، مسیحن وغیرہ۔ وہ بڑے خوبصورت مقامات جیسے Delectable Mountains میں پہنچتا ہے یا پوری دنیا کے ایک ایسے مکمل نقشے جیسے Vanity Fair یعنی "بطلان کا میلہ" سے گزرتا ہے۔

جان بنین نے Vanity Fair کا جو نقشہ کھینچا ہے وہ اسی کے الفاظ میں ملاحظہ کریں:

> Then I saw in my dream, that when they were got out of the wilderness, they presently saw a town before them, and the name of that town is Vanity; and at the town there is a fair kept, called Vanity Fair; it is kept all the year long; it beareth the name of Vanity Fair because the town where it is kept is lighter than vanity; and also because all that is there sold, or that cometh thither, is vanity. As is the saying of the wise, "All that cometh is vanity"
>
> (Ecclesiastes i. 2, 14; ii. 11, 17; xi. 8; Isaiah xl. 17).
>
> This fair is no new-erected business, but a thing of ancient standing; I will show you the original of Almost five thousand years agone, there were pilgrims walking to the Celestial City, as these two honest persons are; and Beelzebub, Apollyon, and Legion, with their companions, perceiving by the path that the pilgrims made, that their way to the city lay through this town of Vanity, they contrived here to set tip a fair; a fair wherein should be sold all sorts of vanity, and that it should last all the year long. Therefore at this fair are all such merchandise sold, as houses, lands, trades, places, honours, preferments, titles, countries, kingdoms, lusts, pleasures, and delights of all sorts, as whores, bawds, wives, husbands, children, masters, servants, lives, blood, bodies, souls, silver, gold, pearls, precious stones, and what not.And, moreover, at

Marfat.com

this fair there is at all times to be seen jugglings, cheats, games, plays, fools, apes, knaves, and rogues, and that of every kind.Here are to be seen, too, and that for nothing, thefts, murders, adulteries, false swearers, and that of a blood-red colour.

(Source: Bunyan, John. The Pilgrim's Progress. New York: W. W. Norton & Company, 1993.Microsoft ® Encarta ® Encyclopedia 2004. © 1993-2003)

(پھر میں نے خواب میں دیکھا کہ ویران علاقہ چھوڑتے ہی انہوں نے اپنے سامنے ایک شہر دیکھا جس کا نام بطلان تھا، وہاں ایک میلہ لگتا ہے جسے ''بطلان کا میلہ'' کہتے ہیں۔ یہ میلہ سال بھر لگا رہتا ہے۔ وہ بطلان ہی بطلان ہے اور جو کچھ وہاں آ کر بکتا ہے سب بطلان ہے۔ یہ میلہ قدیم سے چلا آتا ہے۔ میں اس کے قائم ہونے کا کچھ حال بتاتا ہوں: کوئی پانچ ہزار برس گزرے ہیں کہ چند مسافر آسمانی شہر کو جارہے تھے جیسے یہ دو مسافر اب جارہے ہیں۔ تب بعل زبول، ہلاکو اور لشکر نے یہ دریافت کر کے کہ ان کی راہ شہرِ بطلان سے ہو کر گزرتی ہے، ایک میلہ قائم کیا جس میں سال بھر ہر قسم کا بطلان فروخت کیا جائے۔ اس میلے میں مکان، زمینیں، کاروبار، عہدے، سربلندیاں، عزت، مملکتیں، سلطنتیں، شہوتیں، خوشیاں اور ہر قسم کی عشرتیں بکتی ہیں۔ مثلاً کسبیاں، شوہر، بال، بچے، آقا، نوکر، چاکر، زندگیاں، خون، بدن، جانیں، چاندی، سونا اور جواہر وغیرہ وغیرہ۔ علاوہ اس کے میلے میں ہر وقت جعل سازیاں، دغابازیاں، قماربازیاں، کھیل اور تماشے ہوتے رہتے ہیں۔ احمق، بھانڈ، لُچے اور شُہدے ہر قسم کے پائے جاتے ہیں۔ یہاں چوری، قتل، زنا، جھوٹی قسمیں کھانے والوں اور ہر قسم کی زیادتی کا تماشہ دیکھا جاتا ہے۔'' (مسیحی کا سفر، ص ۱۰۶، ۱۰۷)

وفادار (Faithful) مسیحی کے ساتھ ہے، وہاں ایک دیو ''ڈسپیر'' (Despair) یعنی مایوسی اسے قید کر لیتا ہے؛ اور آخر میں وہ آسمانی بادشاہت میں پہنچ جاتا ہے:

''پھر انہوں نے بادشاہ کو اطلاع دی لیکن وہ اسے دیکھنے کو نیچے نہ آیا بلکہ اُن دو چمکتی پوشاک والوں کو جو مسیحی اور پُر اُمید کو شہر میں لائے تھے، حکم دیا ''جاؤ جہالت کے ہاتھ پاؤں باندھ کر اُسے یہاں سے لے جاؤ۔'' تب وہ اُسے اُٹھا کر ہوا میں اُڑ گئے اور اس دروازے میں دھکیل دیا جو پہاڑی علاقے میں ہے اور سیدھے راہ پر جہنم تک پہنچاتا ہے۔ اس سے مجھے پتہ چلا کہ جیسے شہرِ ہلاکت سے ویسے

Marfat.com

بہشت کے دروازوں سے بھی ایک راہ جہنم کو جاتی ہے۔ پھر میں جاگ اُٹھا اور دیکھا کہ یہ سب کچھ صرف خواب تھا۔'' (مسیحی کا سفر، ص ۱۹۸)

کتاب کا دوسرا حصہ بھی پہلے حصے کی طرح دلچسپ اور تمثیلی ہے۔ آغاز یوں ہوتا ہے:

''عزیز قارئین! کچھ دن ہوئے میں نے خواب دیکھا تھا کہ مسیحی نے کیونکر اپنے وطن کو چھوڑ کر آسمانی شہر کی راہ لی اور کیسی کیسی مصیبتیں اور مشقتیں اُٹھا کر منزلِ مقصود تک پہنچا۔ اس کے بیان سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ پختہ اُمید ہے کہ آپ کے لیے بھی دلچسپ اور سود مند ثابت ہوگا۔ میں نے بتایا تھا کہ مسیحی کی بیوی اور بچے اس کے ساتھ جانے پر راضی نہ ہوئے۔ یوں بے چارے کو مجبوراً اکیلے ہی سفر اختیار کرنا پڑا، کیونکہ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں یہاں ٹھہرے رہنے سے ہلاک نہ ہو جاؤں۔ اگرچہ میرا دل بہت چاہتا تھا کہ پیچھے رہ جانے والوں کا حال پوچھوں تاہم کام کی کثرت کے باعث اُدھر نہ جا سکا۔ لیکن کچھ دن ہوئے کہ ایک کام کی غرض سے میں ادھر گیا۔ شہر سے قریباً ایک میل دور جنگل میں مجھے نیند آ گئی۔ وہاں میں نے پھر خواب دیکھا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک عمر رسیدہ شخص میرے پاس سے گزرا چونکہ اسے بھی اسی طرف جانا تھا جہاں میں جا رہا تھا، اس لیے اُٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ باتوں باتوں میں مسیحی اور اس کے سفر کا ذکر چھڑ گیا۔'' (مسیحی کا سفر، ص ۲۰۰)

چند تمثیلات ملاحظہ کریں:

''اگلی صبح فضا صاف تھی، گڈریوں کا معمول تھا کہ مہمانوں کو رخصت کرنے سے پہلے وہاں کی قابلِ دید چیزیں دکھایا کرتے تھے۔ چنانچہ ناشتہ کر کے میدان کو نکل گئے اور انہیں وہ سب چیزیں دکھائیں جو مسیحی نے یہاں دیکھی تھیں۔ پھر انہیں نئے نئے مقامات دکھانے کے لیے کوہِ عجائب کی سیر کرائی۔ یہاں انہوں نے ایک شخص دیکھا جس کے کہنے پر پہاڑ ہٹ جاتے تھے۔

وہاں سے عصمت پہاڑ پر آئے اور ایک شخص کو سر سے پاؤں تک سفید کپڑے پہنے دیکھا۔ ساتھ ہی دو اور مرد تعصب اور بدخواہی کھڑے اس پر گرد اڑا رہے تھے۔ دیکھتے ہی دیکھتے گرد گری لیکن اس کی پوشاک جوں کی توں صاف نظر آتی تھی۔

پھر وہ ''دریا دلی'' کے پہاڑ پر آئے اور کیا دیکھا کہ ایک مرد کے سامنے کپڑے کا ایک تھان دھرا ہے۔ وہ اسے کاٹ کاٹ کر غربا کے لیے جو ایک ہجوم

Marfat.com

کی صورت اس کے گرد جمع تھے جوڑے تیار کرتا تھا مگر کپڑا کم نہیں ہوتا تھا۔ مسافروں کے استفسار پر گڈریوں نے اس کا مطلب یوں بیان کیا۔ ''جو شخص کشادہ دلی سے غریبوں کی مدد کرتا ہے، وہ کبھی محتاج نہیں ہوگا۔ جو سیراب کرتا ہے وہ خوب سیراب ہوگا۔ دیکھو سارپت کی بیوہ نے ایلیاہ نبی کو روٹی کھلائی تو اس کے مٹکے کا آٹا کم نہ ہوا۔

وہاں سے وہ ایک اور جگہ آئے جہاں احمق اور بے عقل ایک حبشی کو دھو رہے تھے مگر جتنا وہ اسے دھوتے تھے وہ اتنا ہی سیاہ فام نکلتا تھا۔ گڈریوں نے کہا ''کمینے لوگوں کا یہی حال ہے۔ انہیں نیک بنانے کی خواہ کتنی ہی کوشش کرو وہ اور بھی قابلِ نفرت ہوتے جاتے ہیں۔ فریسوں کی یہی حالت تھی۔ چنانچہ تمام ریاکاروں اور دھوکے بازوں کا انجام یہی ہوگا۔'' (مسیحی کا سفر، ص ۳۳۴، ۳۳۵)

اور انجامِ کار:

''بولتے بولتے اس کا حلیہ بدل گیا اور یہ کہہ کر کہ ''مجھے لے لے کہ میں تیرے پاس آتا ہوں'' وہ ان کی نظروں سے غائب ہوگیا۔ دریا کے اس پار کا منظر نہایت جلالی تھا۔ بے شمار رتھ کھڑے تھے۔ بربط بج رہے تھے اور خوب صورت گیت گائے جا رہے تھے۔ مسافر اپنی باری پر خوشنما دروازے کی طرف جا رہے تھے۔ اس وقت کا سماں ہر طور دل فریب تھا۔'' (مسیحی کا سفر، ص ۳۶۵)

شیلے کا ڈرامہ (Prometheus Unbound)

پی۔ بی۔ شیلے (Percy Bysshe Shelley) (۴ راگست ۱۷۹۲ء۔ ۸ رجولائی ۱۸۲۲ء کے غنائی ڈرامہ'' Prometheus Unbound (1820) ''میں پرومیتھیوس (شیطان) کا تصور اس نے یونانی علمِ اصنام کے ساتھ ساتھ ملٹن سے لیا۔ پرومیتھیوس (شیطان) کوہِ قاف کی ایک پہاڑی کے ساتھ زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے، دو عورتیں اس کے پیروں کے پاس بیٹھی ہیں، رات کا آخری پہر ہے اور صبح قریب ہے۔ پوری کائنات روحوں کی صورت میں آتی ہے، پھر محبت کی روح ''Asia'' ایک اور وادی میں نظر آتی ہے، اس کے ساتھ ہی بہت سی روحیں قسم قسم کے گیت گاتی ہیں۔ ''Asia'' ایک دوسری عجیب روح ڈیموگارگن (Demogorgon) سے رازِ ہستی دریافت کرنے جاتی ہے، پھر ظالم دیوتا اور خدا کا نمائندہ جوپیٹر (Jupiter) اپنی ظالمانہ اختراعات کو روبہ عمل لاتا ہے۔ آخر میں طاقت کا مظہر ہرکولیس (Hercules) آکر پرومیتھیوس کو آزاد کرتا ہے اور ساری کائنات خوشیوں کے گیت گاتی ہے۔ (تاریخِ ادبِ انگریزی، ص: ۳۶-۴۳۵) Asia کے گیت کے یہ مصرعے

دیکھیں جس میں رویائی علامتوں کی کارفرمائی ہے:

My soul is an enchanted boat Which, like a sweeping swan, doth float Upon the silver waves of thy sweet singing.

(P.B.Shelley;SelectedPoems,By:M.SaifulHaq,Lahore,P.62.)

(میری روح ایک دلکش کشتی ہے، ایک ہنس ہے جو چاندی کے سیال پہ نغمے گاتے ہوئے تیرتی ہے)

روحِ ارض کہتی ہے:

Wouldst thou think that toads, and snakes, and efts, could e'er be beautiful ? yet so they were, And that with little change of shape or hue: All things had put their evil nature off.

(P.B.Shelley;SelectedPoems,By:M.SaifulHaq,Lahore,P.83.)

(کبھی سوچا ہے آپ نے کہ مینڈک اور سانپ وغیرہ بھی خوبصورت ہو سکتے ہیں؟ ہاں ایسا ہو سکتا ہے اگر وہ اپنی شکلیں اور عادات تبدیل کرلیں)

گوئٹے کا ڈرامہ "فاؤسٹ" (Faust)

معروف جرمن شاعر، ڈرامہ نگار اور ناول نگار گوئٹے Goethe, Johann Wolfgangvon کا شمار انسانی تہذیب کی تاریخ کے ممتاز ترین مفکروں، حکماء اور تہذیب سازوں میں ہوتا ہے۔ نیٹشے، جو گوئٹے کا ہم وطن تھا، اس نے گوئٹے کے بارے میں کہا تھا کہ گوئٹے فرد سے بڑھ کر ایک تہذیب کا نام ہے۔

(T.J.Read ;Makers of Nineteenth Century culture 1800.1994.p.256)

گوئٹے ۲۸ اگست ۱۷۴۹ء کو جرمنی کے شہر فرینکفرٹ (Frankfurt) کے ایک معزز گھرانے میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک وکیل تھا اور شاہی مشیر کے عہدے پر فائز تھا۔ گوئٹے نے ۱۶ سال کی عمر تک گھر پر انجیل، کلاسیکی ادب، اطالوی، عبرانی نیز انگریزی زبانوں کے علاوہ موسیقی و نقاشی جیسے علوم و فنون کی تعلیم حاصل کی۔ اس کے بعد لپزگ (Leipzig) یونیورسٹی میں قانون کی تعلیم حاصل کی، لیکن اس دوران اس کی توجہ اکثر و بیشتر فلسفہ و ادب کی طرف مبذول رہی۔ ورتھر کی داستانِ غم (Werther's leiden)، فاؤسٹ اور دیوانِ غربی و شرقی (West.oestlicher Divan) اہم کتب ہیں۔ گوئٹے ۲۲ مارچ ۱۸۳۲ء کو فوت ہوا اور ویمر میں دفن ہوا۔

Marfat.com

گوئٹے کے ڈرامہ ''فاؤسٹ'' (Faust) کی تکمیل ساٹھ سال میں ہوئی۔اس نے یورپ کے ادب کی تخم ریزی کی۔فاؤسٹ کی روایت جرمنی میں کم وبیش ساڑھے چار سو سال قبل سے موجود ہے۔اس کی ابتدا ایک مجوسی کی کہانی سے ہوئی جس میں قوائے فطرت کو معبود قرار دیا گیا تھا۔فاؤسٹ ایک تاریخی شخصیت ہے جو فطرت کے راز ہائے سربستہ معلوم کرنے اور تسخیرِ جہات کے عزائم اور عمل کے لیے مصروف ہے۔وہ ساحری اور ٹونا ٹوٹکا سے بھی بخوبی واقف تھا۔اس کے اندر تمام ساحرانہ صلاحیتیں موجود تھیں لیکن سولہویں صدی میں فاؤسٹ نامی ایک شخص موجود تھا اور اس میں چند غیر معمولی صفات بھی تھیں۔اس سے متعلق اتنی روایات عوام میں عام ہوئیں کہ رفتہ رفتہ اصل فاؤسٹ کی شخصیت پسِ پشت پڑ گئی۔کرسٹوفر مارلو نے اس کہانی کو بحسن وخوبی منظوم ڈرامے میں پیش کیا مگر صحیح معنوں میں گوئٹے نے فاؤسٹ کو فرش سے اُٹھا کر عرش پر بٹھا دیا ورنہ اس سے قبل اسے عموماً ایک مسخرہ جادوگر کی حیثیت سے پیش کیا جاتا تھا۔گوئٹے کا فاؤسٹ دنیا کا ایک مثالی کردار ہے جو بے حد پُر وقار اور حقیقی ہے۔

(اقبال اور گوئٹے،از: ڈاکٹر حاتم رامپوری، مشمولہ ''اقبال اور گوئٹے، ص ۴۷)

علامہ اقبالؒ ''فاؤسٹ'' کو الہامی کارنامہ قرار دیتے ہوئے اپنی بیاض (جو بعد میں ''شذراتِ فکرِ اقبال'' کے عنوان سے شائع ہوئی) میں لکھتے ہیں:

> ''گوئٹے نے ایک معمولی قصے کو لیا اور اس میں صرف انیسویں صدی ہی نہیں بلکہ نسلِ انسانی کے تمام تجربات سمو دیے۔ایک معمولی قصے کو انسان کے اعلیٰ ترین نصب العین کے ایک منظم و مربوط اظہار میں ڈھال دینا الہامی کارنامے سے کم نہیں۔یہ ایسا ہی ہے جیسے بے ہنگم ہیولیٰ سے ایک حسین کائنات تخلیق کر دی جائے۔''
>
> (شذراتِ فکرِ اقبال، شذرہ نمبر ۴۸)

فاؤسٹ گوئٹے کا شاہکار ہے جس کے بطون میں اس نے اپنا فلسفۂ حیات بحسن وخوبی سمو دیا ہے۔فاؤسٹ کی دیرینہ حکایت گوئٹے کے ہاں ایک نئی شکل اختیار کر لیتی ہے۔گوئٹے نے اپنے شاہکار فاؤسٹ میں اپنے عہد کے ضمیر کی تجسیم کی ہے۔یہ ایک حکیمِ نکتہ داں ،زاہدِ خشک،انسان دوست، ہے جو سوابیا کا باشندہ ہے۔اسے جادو کا علم بھی حاصل ہے۔اس کے چچا نے اس کے لیے خاطر خواہ جائیداد چھوڑی ہے لیکن فاؤسٹ اپنی بدعنوانیوں اور بے اعتدالیوں سے اسے برباد کر دیتا ہے۔وہ سکون اور طہارتِ قلبی کے لیے مضطرب ہے۔اس کی روح میں ایک خلش ہے۔اس خلش سے وہ بے چین ہے لہٰذا وہ ابلیس سے معاہدہ کر لیتا ہے کہ وہ محض چوبیس گھنٹوں تک بے اعتدال زندگی گزارے گا اور اس کے عوض اپنی روح ابلیس کے پاس گروی رکھ دے گا۔لیکن ابلیس کے مکر وفریب

Marfat.com

سے وہ اپنے تقدس مآب بڑھاپے کو ہمیشہ کے لئے شر سے شرابور جوانی سے تبدیل کر لیتا ہے اور اپنی روح ابلیس (Mephistopheles) کے حوالے کر دیتا ہے۔

فاؤسٹ ایک متبحر عالم ہے لیکن اس کا علم اسے اس کی جہالت کا احساس دلاتا ہے۔ وہ جتنا زیادہ مطالعہ کرتا ہے اتنا ہی اس کی تشنگی میں اضافہ ہوتا چلا جاتا ہے اور کافی مطالعے کے باوجود خود کو تاریکیوں میں محصور پاتا ہے۔ وہ فقہ، قانون، فلسفہ، الٰہیات کے علاوہ فن ساحری میں بھی طاق تھا۔ وہ ایک صاحبِ علم اور متقی کردار ہے جو خیر کی علامت ہے۔ وہ اپنی ساری توجہ علم کی تحصیل میں صرف کرتا ہے لیکن اس کا دل مطمئن نہیں ہوتا۔ وہ عشق اور فطرت کے حُسن سے بے خبر ہے۔ تمام عمر وہ علم ہی کے ذریعے سے فطرت کے راز جاننے کی کوشش میں مصروف رہتا ہے لیکن اس کی یہ کوشش رائیگاں جاتی ہے۔ آخرکار فاؤسٹ پر یہ حقیقت آشکار ہوتی ہے کہ محض علم اور عقل کی بدولت انسان حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ فاؤسٹ کو ایک ایسی زندگی کی تلاش تھی جو محض خیالی تصورات کا مرقع نہ ہو اور جس میں فقط وہ ہی نہ رہے بلکہ احساسِ مروّت حاصل کرے اور ذہنی طور سے اطمینان سے رہے۔ اس مقصد کے حصول کے لیے وہ اوّل اوّل جادو کا سہارا لیتا ہے اور اس میں کسی حد تک اپنے لیے تسکین کا سامان پاتا ہے لیکن یہ تسکین عارضی ثابت ہوتی ہے، پھر وہ روحِ ارضی کو بلاتا ہے لیکن اس کی ناپختگی کے باعث روحِ ارضی اس سے کنارہ کر جاتی ہے چنانچہ وہ ناامید ہو کر مرنے پر تیار ہو جاتا ہے۔ وہ محض ایک کیڑے کی سی زندگی بسر کرنا نہیں چاہتا اور کہتا ہے کہ ایک حقیر زندگی بسر کرنے سے تو مر جانا بہتر ہے لیکن ایسٹر کی ایک صبح اس کے دل میں محبت اور گداز کے خوابیدہ سوتوں کو بیدار کر دیتی ہے اور وہ اس حقیقت کو پا لینے کے لیے جو ساری دنیا پر حکمران ہے بے تاب ہو جاتا ہے اور اس خیال سے کہ وہ اس حقیقت کو نہیں پا سکتا وہ ایک بار پھر مایوسی کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس عالم میں وہ بائبل کا سہارا لیتا ہے اور اس میں پڑھتا ہے:

''ابتدا میں کلام تھا، کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام ہی خدا تھا۔''

فاؤسٹ کے کردار کے ذریعے گوئٹے نے یہ بات اپنے قاری کے ذہن نشین کرانے کی کوشش کی ہے کہ انسان اگر ابلیس کے زیرِ اثر پست نفسیاتی خواہشات میں اُلجھ کر نہ رہ جائے تو وہ مجازی عشق کے ذریعے عشقِ حقیقی تک پہنچ سکتا ہے۔

فاؤسٹ کے مقابل میفسٹوملنس شر کی علامت اور شیطان کے کردار کے طور پر سامنے آتا ہے۔ میفسٹو، فاؤسٹ کو اپنے دامِ فریب میں الجھا کر اسے جادو کی شراب پلاتا ہے جس کے اثر سے فاؤسٹ جوان ہو جاتا ہے اور جادوگروں کے معمل میں ایک حسین وجمیل دوشیزہ پر عاشق ہو جاتا ہے اور اس کے بعد فاؤسٹ گرجا گھر سے واپس آتی ہوئی لڑکی گریٹ سن کو اپنا دل دے بیٹھتا ہے۔ گریٹ

Marfat.com

اس پر دل وجاں سے فدا ہو جاتی ہے۔ فاؤسٹ گریٹ کی ماں کو اپنے رستے سے ہٹانے کے لیے اسے گریٹسن ہی کے ہاتھ سے زہر کھلوا دیتا ہے اور میفسٹو کے ساتھ مل کر اس کے بھائی کو قتل کر دیتا ہے۔ گریٹ اپنے نوزائیدہ بچے کو تالاب میں غرق کر دیتی ہے اور اسے اس جرم میں قید کر دیا جاتا ہے۔ جیل خانے میں وہ اپنی موت کا انتظار کرتی ہے، وغیرہ وغیرہ۔''

گوئٹے نے اس ساری تفصیل میں میفسٹو (شیطان) کا کردار اور آدم کے ساتھ اس کے تعلق کو انتہائی فن کارانہ طریقے سے بیان کیا ہے۔ اُس نے اپنے اس ڈرامے کا پلاٹ ایک پُرانی داستان سے لیا ہے اور کچھ اس طرح پیش کیا ہے:

''ایسٹر کی پہلی شام ہے اور شام کا دامن دراز ہو کر رات کے آنچل سے الجھ چکا ہے۔ ایک اونچے مکان کی کھڑکیوں کے گرد آلود شیشوں میں سے چاند کی دھیمی روشنی کتابوں کے انبار، سائنس کے آلات، کانچ کی نالیوں اور صراحیوں پر سے پھسلتی ہوئی بہت سے ناپنے، تولنے اور مختلف قسم کے ریاضی کے آلات پر پڑ رہی ہے۔

سامنے لیمپ کی مدھم سی زرد روشنی میں گھرا ہوا ایک ادھیڑ عمر کا آدمی بیٹھا ہے جس کی کمر مطالعہ کے بوجھ سے جھکی ہوئی ہے اور جس کا لباس اور وضع قطع کمرے کی خشک، بے رونق اور سنسان فضا سے ہم آہنگ ہے۔۔۔ یہ جرمنی کا شہرۂ آفاق عالم ہے جس کے علم وفضل کے کمال کا شہرہ دور ونزدیک پھیلا ہوا ہے اور جس کا نام ڈاکٹر فاؤسٹ ہے۔ آج یہ غیر معمولی طور پر اداس ہے، مایوسی کی کڑواہٹ سے اس کا سینہ لبریز ہے۔ تحصیلِ علم میں چوتھائی صدی کی شب و روز جانفشانی کے بعد آج اس پر یہ حقیقت واضح ہوئی ہے کہ علم کا غرور کتنا تھوتھا ہے کیونکہ علم خود ایک بے حقیقت شئے ہے۔ اس کی نظریں کتاب کے صفحے سے اچٹ کر کمرے کا جائزہ لے رہی ہیں جس کا ہر گوشہ انسانی دماغ کی صدیوں کی تحقیق وتدقیق کے ماحصل کا ایک بوسیدہ گودام ہے۔ وہ سوچتا ہے:

''میں نے فلسفہ، قانون اور طب کے ہر شعبے میں تحقیق وتدقیق کی ہے۔
میں نے الہیاتی علوم کے مطالعے میں دن رات ایک کیا ہے۔
لیکن حیف! سمجھا یہ کہ کچھ بھی سمجھا نہیں جا سکتا۔
اور بعد میں روزِ اوّل کا جاہلِ مطلق ہوں۔
حقیقت کا یہ انکشاف مجھے کھائے جا رہا ہے۔''

فاؤسٹ کو یہ احساس ہو رہا ہے کہ سالہا سال کی اس کی محنتِ شاقہ رائیگاں گئی۔ مطالعے کے دبیز غلاف نے زندگی کو اس کی آنکھوں سے اوجھل رکھا۔ کتابوں کے گنجان جنگل میں ہی وہ بھٹکتا رہا

Marfat.com

اور زندگی سے اس کی آشنائی نہ ہوئی۔ وہ زندگی کے لیے بے تاب ہو جاتا ہے۔ زندگی کی لذت چکھنا چاہتا ہے۔ زندگی سے اس کی مراد لہو ولعب، عیش وعشرت اور رقص وسرود نہیں ہے، ان کے لیے اب اس کی عمر نہیں ہے، وہ گزر چکی اور اب وہ پیچھے نہیں پلٹ سکتا اور نہ ہی عمرِ گزشتہ کو واپس بلا سکتا ہے۔ پھر زندگی کہاں ہے؟ زندگی کی لذت کیسے حاصل کرے؟ وہ اسی کشمکش میں مبتلا ہے کہ میفسٹو سے اس کی ملاقات ہوتی ہے اور وہ زندگی کے راستے پر۔۔۔ عمل پیرائی، ہمت آزمائی، مہم جوئی، حوصلہ مندی، حسن بازی، دل فروشی اور محبت کے راستے پر۔۔۔ اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ وہ سب کچھ مہیا کرنے کا وعدہ کرتا ہے، جس کے لیے اس کا دل تڑپ رہا ہے۔ میفسٹو سب سے پہلے اسے شراب خانے میں لے جاتا ہے، لیکن شراب کا سرور فاؤسٹ کو مسرور نہیں کرتا اور وہ وہاں سے باہر نکل آتے ہیں۔ اس کے بعد وہ جادوگرنی کی کٹیا میں جاتے ہیں جہاں اس کے دماغ کو اس زنگ سے پاک کرنا ضروری ہے جو علم نے اس پر چڑھا دیا تھا۔ فاؤسٹ یہاں ایک آئینے میں ایک حسین عورت کا عکس دیکھتا ہے اور بس دیکھتا ہی رہ جاتا ہے۔ اسی عرصے میں جادوگرنی فاؤسٹ کے لیے ایک دوا تیار کر کے لاتی ہے اور اسے پلا دیتی ہے۔ دوا پیتے ہی اس کی جوانی واپس آجاتی ہے اور میفسٹو کے الفاظ میں:

> ''اب اسے ہر عورت وہ ابدی حسینہ نظر آنے لگے گی جس کا نام ہیلن ہے اور جو حسن وجمال کے اس انتہائی تصور کا مجسمہ ہے جس تک پہنچنے کے لیے روزِ اوّل سے، شعرا کا تخیل صدیوں اور نسلوں کی منزلیں طے کرتا ہوا روزِ آخر کی طرف سرگرمِ سفر ہے۔''

فاؤسٹ نے آئینے میں ہیلن کا عکس دیکھا تھا اور اب ہیلن کو حاصل کرنا ہی اس کی زندگی کا مقصد ہو جاتا ہے۔ میفسٹو اسے دھوکا دیتا ہے اور ہیلن کی جگہ ایک اور لڑکی کو پیش کرتا ہے۔ فاؤسٹ اور اس لڑکی کے تعلقات، حسن پر عشق کا قبضہ۔ لڑکی کے لیے تباہی کا باعث بن جاتے ہیں۔ محبت میں گرفتار ہو کر یہ لڑکی اپنی ماں کو زہر دیتی ہے۔ اپنے بھائی کو قتل کرتی ہے، اپنے نوزائیدہ بچے کا گلا گھونٹ کر مار ڈالتی ہے اور پھر خود بھی پاگل ہو جاتی ہے اور پھانسی پر لٹکا دی جاتی ہے۔ حسن اپنی آزادی کھو کر عالمگیر تباہی کا حربہ بن جاتا ہے اور خود بھی اس تباہی کے ساتھ تباہ ہو جاتا ہے۔ ڈرامے کا پہلا حصہ یہاں ختم ہو جاتا ہے۔

دوسرے حصے میں گوئٹے اپنے ہیرو کے لیے از سرِ نو دنیا تخلیق کرتا ہے۔ میفسٹو کی مدد سے فاؤسٹ دوبارہ زندگی شروع کرتا ہے۔ اسے شہرت حاصل ہوتی ہے۔ عیش وعشرت حاصل ہوتی ہے، دولت حاصل ہوتی ہے، سلطنت اور اقتدار حاصل ہوتا ہے لیکن دل کا سکون حاصل نہیں ہوتا۔ ''زندگی''

Marfat.com

حاصل نہیں ہوتی۔ ہیلن کی تلاش، حسنِ تامہ کی تلاش، اسے بدستور بے تاب رکھتی ہے اور کشاں کشاں ایک منزل سے دوسری منزل کی طرف آگے ہی آگے کھینچتی چلی جاتی ہے۔ آخر میں کچھ وقفہ کے لیے اسے ہیلن مل جاتی ہے جو اس کی رُوح کو بالیدگی اور اس کی زندگی کو ارتعاش بخشتی ہے لیکن جوں ہی وہ اس پر قبضہ کرنا چاہتا ہے، اپنے بازوؤں میں باندھنے کی کوشش کرتا ہے وہ دفعتاً بادلوں میں غائب ہو جاتی ہے' محض اس کا لبادہ اس کے ہاتھوں میں رہ جاتا ہے۔ اب از سرِ نو جستجو' جدوجہد کا میدان اس کی آنکھوں کے سامنے ۔۔۔ اب وہ سمجھتا ہے کہ پیہم جدوجہد اور مسلسل جستجو ہی زندگی کا راز ہے۔ صرف وہی لوگ زندگی اور آزادی کے حق دار ہیں جو اپنے لیے زندگی اور آزادی اور جیت از سرِ نو حاصل کرتے ہیں۔ نیز یہ کہ حسن اور آزادی کے اتحاد پر ہی زندگی قائم رہ سکتی ہے۔ اس اتحاد کی نفی پر نہیں۔''

یہ نظم کیا ہے گویا انسانی زندگی کے دائرے کا نقشہ ہے۔ زندگی کی طرح یہ بھی عورت کی محبت سے شروع ہوتی ہے اور جادہ فن، آرٹ، دولت، جاہ وحشم، جنگ وجدل اور شادی وغمی میں سے گزرتی ہوئی عورت کی ہی محبت پر ختم ہوتی ہے۔ جب تک یہ رواں ہے، ہر بلا اور ہر فتنہ سے محفوظ ہے اور جہاں اور جب یہ روانی بند ہوئی کہ فتنوں اور بربادیوں نے اسے آدبوچا۔ گوئٹے کے اپنے الفاظ میں:

''یہ نظم انسانی زندگی کی تمثیل ہے جو شروع ہوتی ہے، ختم ہوتی ہے اور جس میں کوئی ربط نہیں ہے۔'' (گوئٹے اور اقبال، ص ۲۸۷ تا ۲۸۹)

ڈرامے کے ابتدائی حصے ''عرش پر تمہیدی مکالمے'' کا یہ ٹکڑا دیکھیں جس میں خداوند، قدسیانِ عرش اور شیطان کے علاوہ اسرافیلؑ، جبرئیلؑ اور میکائیلؑ، کرداروں کی صورت میں سامنے آتے ہیں۔ میفسٹو ملنس (شیطان) خداوند تعالیٰ سے کہتا ہے:

''اس سے پہلے آپ کی نظرِ عنایت مجھ پر رہی۔ میں نے سوچا کہ میں بھی اس کاروبار میں ایک فرد کی حیثیت سے شامل ہو جاؤں۔ میں معذرت چاہتا ہوں کہ اگر میری زبان مبتذل ہو۔ اس میں یہاں میری وضاحت وملامت کا جواب حقارت سے دیا جائے گا۔ میرے سوز وگداز پر قہقہے لگائے جائیں گے۔ آپ کے سورج اور آپ کے عالم میری نظر وادراک سے ماوراء ہیں۔ میں تو انسانوں کی زبوں حالات کو بچشمِ غور دیکھتا ہوں۔ زمین کا یہ ناقص دیوتا وہی خبیث روح والا ہے جو روزِ ازل یا نور کی تجلّیِ اوّل میں تھا۔ اس بے چارے کی زندگی آپ کے فیضِ سماوی کی ضوفگنی کے بغیر کم دشوار ہو سکتی تھی۔ وہ اسے عقل کا نام دیتا ہے اور اس فلکی روشنی کو صرف اس لیے استعمال کرتا ہے کہ بہیمت میں بہائم کو پسِ پُشت ڈال دے۔

Marfat.com

یہ مخلوق، یہ آدمی!! مجھے ایسا لگتا ہے، میں حضورِ اقدس کے ادب کو ملحوظ رکھتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ یہ انسان جھینگر کی طرح ہے۔ اپنی جگہ پر پھلانگتا ہے اور اپنی لمبی ٹانگوں سے پرواز کے لیے جست لگاتا ہے اور پھر گھاس پر گر کر پرانے راگ الاپنے لگتا ہے۔ مگر یہ گھاس کے میدانوں پر آرام کرنے پر ہی قناعت نہیں کرتا بلکہ گندگی کے ڈھیر تلاش کرتا ہے تاکہ اس کے اندر اپنی ناک گھسیڑ سکے۔"

خداوند!۔۔۔ کیا روئے زمین پر تمہیں اور کوئی چیز پسندیدہ دکھائی نہیں دیتی؟

خداوند!۔۔۔ آدمی قباحتوں میں غرق ہو جاتے ہیں۔ یہ ناقص وجود، مجھے تو اب بتانا ہی بارِ خاطر اور عذابِ جاں معلوم ہوتا ہے۔"

(بحوالہ: دنیا کی سو عظیم کتابیں، ص: ۱۸۶۔۱۸۵)

ایمان اور بالخصوص خدا پر ایمان کی وضاحت کرتے ہوئے فاؤسٹ، مارگریٹ کو کہتا ہے:

"ایمان ایک ایسا لفظ ہے جسے زبان پر لانا آسان نہیں۔ کون ہے جو یہ دعویٰ کر سکتا ہے کہ اس کا ایمان حق الیقین کی حد تک پہنچ گیا۔ اور کون ہے جسے وحی والہام سے کچھ وجدانی احساس ہوا اور وہ اسے ڈھونگ اور فریب سے تعبیر کر سکے۔ وہ جس کی وجہ سے تمام موجودات قائم ہیں اور جو تمام کائنات کو اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے ہے۔ کیا وہ مجھے اور تمہیں اپنے دامن میں لیے ہوئے نہیں؟ تم اسے جو نام چاہے دے دو، اسے نور کہو، سرور کہو، محبت کہو، دل کہو، اپنا خدا کہو، میں تو اسے کوئی نام نہیں دے سکتا۔ سب کچھ احساس ہے۔ ناموں کی حیثیت غُل غپاڑے اور گرد وغبار سے زیادہ نہیں۔ یہ نور، عرش اور ہمارے درمیان حجاب بن جاتے ہیں۔" (دنیا کی سو عظیم کتابیں، ص ۱۸۴، ۱۸۵)

دیگر تخلیقات

عظیم برطانوی رومانی شاعر ولیم ورڈز ورتھ (پ: ۷/اپریل ۱۷۷۰ء۔ م: ۲۳/اپریل ۱۸۵۰ء) کی نظم Ode on intimations of immortality بچوں کی فطرت کا پُر عظمت نقشہ کھینچتی ہے۔ شاعر کے لیے اس کے بچپن کا تصور ایک قسم کی رحمت ہے اور روحانی زندگی کی طرف لے جانے میں بڑی مدد ہے۔ (تاریخِ ادبِ انگریزی، ص: ۳۸۹) ۱۸۰۶ء میں لکھی گئی اس نظم کا شمار اس صدی کی عظیم نظموں میں ہوتا ہے۔ اس میں فطرت کی جولانیاں اپنے عروج پر ہیں۔ چند مصرعے دیکھیں:

"The moon doth with delight Look round her

Marfat.com

when the heavens are bare."

"To me the meanest flower that blows can give, thoughts that do often lie too deep for tears "

فرانسیسی مصلح اور ادیب کیبٹ (Cabet Etienne)(۱۷۸۸ء۔۱۸۵۶ء) نے ۱۸۴۰ء میں معاشی اور سماجی انصاف پر مبنی معاشرے کی تشکیل پر مشتمل ایک ناول Voyage to Icaria لکھا۔ برطانوی سیاست اور رسوم پر تنقید کے حوالے سے سموئیل بٹلر (Samuel Butler) (پیدائش: ۱۸۳۵ء وفات: ۱۹۰۲ء) نے Ere whon کے نام سے ایک تمثیلی اور تخیلاتی سرزمین کا نقشہ کھینچا ہے۔ اسی طرح امریکی صحافی اور ادیب ایڈورڈ بلامی (Edward Bellamy) (۱۸۵۰ء۔۱۸۹۸ء) کا ناول Looking backward 2000-1887 میں ایک آئیڈیل سوشلسٹ معاشرے کی عکاسی کی گئی ہے۔ ایچ۔ جی۔ ویلز (۱۸۶۶ء۔۱۹۴۶ء) کا ناول، The shap of things to come، ہکسلے (۱۸۹۴ء۔۱۹۶۳ء) کا Brave new world، جارج آرویل (۱۹۰۳ء۔۱۹۵۰ء) کا Animal farm بھی خیالی مثالی معاشرے کا موضوع لیے ہوئے ہیں۔

OOO

Marfat.com

جاوید نامہ

فتوحاتِ مکیہ اور طربیۂ خداوندی کے بعد اگر کوئی انفس و آفاق کی سیر پر مشتمل اس نوعیت کی عظیم تخلیق ہے تو وہ علامہ اقبالؒ کی ''جاوید نامہ'' ہے۔ یہ اُن کا روحانی سفرنامہ ہے جس میں انہوں نے مشاہیرِ عالم کی ارواح سے مکالمے کے ذریعے زندگی کے حقائق و معارف اور اسرار و رموز سے روشناسی کرائی ہے اور معراج کے عقیدہ کو ایک نئی معنویت عطا کی۔

جاوید نامہ ندرتِ خیال، فنکارانہ سحر طرازی کے ساتھ ساتھ حقائق و معارف اور فلسفہ و پیام کے اعتبار سے زندہ جاوید اور نقشِ دوام کی حیثیت رکھنے والی تصنیف ہے۔ یہ ایک ایسا عظیم شعری تجربہ ہے جس میں علامہ کے فن کی پختہ کاری عروج پر ہے۔ وہ اسے ڈیوائن کامیڈی کے برابر کا درجہ دیتے تھے۔

فنی اعتبار سے یہ المیہ ہے اور نہ طربیہ، رزمیہ ہے اور نہ ہی بزمیہ بلکہ ان سب کا حسین امتزاج ہے۔ اس عظیم ادبی تخلیقی، الہامی و عرفانی شعری شاہکار کی حدیں ادبیاتِ عالیہ سے ملی ہوئی ہیں۔ اس لافانی ادبی کاوش میں یوٹوپیائی (Utopia) انداز میں ایک جدید دُنیا، نئے آدم اور جہانِ دیگر کے خد وخال پیش کیے گئے ہیں۔ خود اس کے مصنف کے بقول ؎

آنچہ گُفتم از جہانِ دیگر است
ایں کتاب از آسمانِ دیگر است

۱۹۲۹ء میں جاوید نامہ کا آغاز ہوا اور ۱۹۳۲ء میں پایۂ تکمیل کو پہنچ کر یہ کتاب شائع ہوئی۔ اس کے بنیادی مآخذ قرآن، احادیث اور مثنوی مولانا روم ہیں۔ اس کے پسِ پُشت ایک پوری علمی،

Marfat.com

ادبی، مذہبی اور تاریخی روائت موجود ہے۔

روحانی سفر کی اس روداد میں اقبال نے اپنے لیے ''زندہ رود'' (ہمیشہ رواں رہنے والا دریا) کا نام اختیار کیا ہے۔ سیرِ افلاک کے دوران میں ان کی ملاقات ہر اُس انسان سے ہوئی جو انسانیت کی کسی صفت کا ممتاز نمائندہ تھا۔ خواہ وہ صفت علوی ہو یا سفلی۔ ہر کردار کسی نہ کسی اہم مسئلے پر روشنی ڈالتا ہے، اس طرح ان کرداروں کی ایک اساطیری اور اشاراتی اہمیت واضح ہوتی ہے۔ چنانچہ اس عظیم تصنیف کو سمجھنے کے لیے ان شخصیات اور مقامات کا فہم ناگزیر ہے جن کا ذکر کتاب میں ہوا ہے۔

فتوحاتِ مکیہ، طربیۂ خداوندی اور جاوید نامہ ایک طرح کی آسمانی تماثیل ہیں جن کی قدرِ مشترک یہ ہے کہ ان کا مآخذ معراج نبوی ﷺ ہے۔

جاوید نامہ کے بعض مآخذ ایسے بھی ہیں جن سے دانتے اور اقبالؒ دونوں مستفید ہوئے، مثلاً: فتوحاتِ مکیہ اور رسالۃ الغفر ان کے علاوہ ابن سینا کا عربی رسالہ ''الطیر'' علاوہ ازیں حُسین بن منصور حلاج (۸۵۸ء۔۹۲۱ء) کی ''کتاب الطّواسین'' اور عبدالکریم الجیلیؒ (۶۷ھ۔۸۱۱ھ) کی ''معرفت نامہ''۔ بعض اسلامی مآخذ ایسے بھی ہیں جنہیں دانتے کو دیکھنے کا موقع نہ ملا لیکن علامہ اقبالؒ نے ان کا مطالعہ کیا، ان میں شہ زوری کا سفرِ روح کے بارے میں ایک قصیدہ جسے ابنِ خلکان نے نقل کیا۔ حضرت محمد غوث گوالیاریؒ کی ''سرّ السماء''، فخر الدین رازیؒ کی ''رسالۃ النفس''، ابنِ سینا کی فارسی تصنیف ''معراج نامہ''، حکیم سنائی کی ''سیر العباد'' اور علامہ اشنوی کی ''رسالہ غایت الامکان فی درایت الزمان والمکان'' وغیرہم، اور یورپی مآخذ میں گوئٹے کی فاؤسٹ، ملٹن کی فردوسِ گم گشتہ، شلر کی ٹنٹالس کے علاوہ فشٹے اور ایچ شُلز کی کتب بھی شامل ہیں اور ان تمام سے بڑھ کر اقبالؒ کے سامنے قرآن واحادیث اور مثنوی مولانا روم کے علاوہ اُن تمام برگزیدہ پیغمبروں کے قصص موجود تھے جو تجلّیٔ ذات کے مشاہدہ سے ہمکنار ہوئے اور ان میں بالخصوص حضور ﷺ کی معراج کی روایات سے انہوں نے جاوید نامہ کی بنیادیں استوار کیں، علاوہ ازیں مختلف صوفیہ خصوصاً بایزید بُسطامیؒ، حُسین بن منصور حلاج اور ابنِ عربی وغیرہ کی متصوفانہ وارداتوں کی تفاصیل کا بھی انہوں نے مطالعہ کر رکھا تھا۔

جاوید نامہ کوئی تقلیدی کاوش ہے اور نہ ہی اقصائے عالم کی صدائے بازگشت، بلکہ یہ تو علاّمہ کے وجدانی وطباعی ہنر وفن کا وہ سنگم ہے جہاں ہر جانب سے فکری ومعنوی دھارے مجتمع ہوتے ہیں۔ یہ معراج نامہ کی سی صورت گری ہے اور اس میں معراج کے اسرار ورموز بیان ہوئے ہیں۔

جاوید نامہ میں روحانی سفر کے متعدد مراحل کا ذکر ہے۔ اقبالؒ، مرشدِ رومی کی معیت میں قمر، عطارد، زہرہ، مریخ، مشتری اور زحل کے افلاک سے گزرتے ہوئے بالآخر ایک عالمِ بے جہات

میں پہنچ جاتے ہیں جہاں وہ تجلیٔ ذاتِ واجب الوجوب سے مُستنیر ہوتے ہیں۔

فلکِ قمر میں ہندی فلسفہ کے بعض مباحث کے ساتھ ساتھ بُدھ مت، زرتشتیت، مسیحیت اور اسلام کی بعض بنیادی تعلیمات کا بیان ہے۔ فلکِ عطارد نظریۂ وطنیت کی نارسائی، اشتراکیت وملوک کے معائب، قرآن کی بُنیادی تعلیمات از قسم خلافتِ انسانی، اسلامی حکومت، مسئلہ ملکیتِ زمین، سائنسی علوم کی اہمیت، مذہبی پیشوائیت کی خامیاں اور اجتہادِ اسلامی جیسے موضوعات کو محیط ہے۔ فلکِ زہرہ میں دین مخالف قوتوں کی سرخروئی کا استہزا اور عربوں کی بیداری کا ذکر ہے۔ فلکِ مریخ ایک مثالی معاشرہ، تقدیر اور پُرفتن مغربِ جدید کے مسائل لیے ہوئے ہے۔ فلکِ مشتری پہ بہشت کا اسلامی تصور، جبر وقدر، انا وخودی، عشق، حقیقتِ محمدیہ ﷺ، درویشی، زہد اور مقامِ ابلیس جیسے موضوعات کا تذکرہ ہے۔ فلکِ زحل پہ غدارانِ وطن کا انجام مذکور ہے۔ آنسوئے افلاک میں بہشت کے منظر کے علاوہ تقلیدِ مغرب، فلسفۂ موت وشہادت، اتحاد، عدل اور عروج وزوال کے فلسفہ کا بیان ہے۔

اس سیر میں پیرِ رومیؒ سے اقبالؒ مختلف نوعیت کے سوالات کرتے ہیں اور انہیں رومیؒ کی طرف سے ہر سوال کا تسلی بخش جواب ملتا ہے۔ جاوید نامہ کو رومیؒ ہی کی مثنوی کی بحر میں قلمبند کیا گیا ہے۔ دیباچہ سے پوری کتاب کے مزاج کا اندازہ ہوجاتا ہے جو کچھ یوں ہے ؎

خیالِ من بہ تماشائے آسمان بود است — بدوشِ ماہ وبآغوشِ کہکشاں بود است
گماں مبر کہ ہمیں خاکداں نشیمنِ ما است — کہ ہر ستارہ جہان است یا جہاں بود است
میری نگاہوں نے دیکھا ہے پھیلے نیلمبر کا سماں — کبھی بہ ہالۂ ماہ نشیمن کبھی بہ شاخِ کاہکشاں
یہ دُنیا گہوارہ اپنا ایک ہی معمورہ تو نہیں — ہر اک تارا ایک جہاں ہے یا وہ رہا ہے ایک جہاں

(منظوم اردو ترجمہ: رفیق خاور)

گویا شاعر یہ سمجھتا ہے کہ منزلِ آخرت میں قدم رکھنے سے پیشتر ممکن ہے حیاتِ انسانی ابھی زمین کی طرح اور ستاروں کو بھی آباد کرے یا ان کے آباد کرنے کر چکنے کے بعد دوامِ ابد کی طرف انتقال سے پہلے اس زمینی ستارہ میں بطور آخری منزل کے وارد ہو۔ ظاہر ہے کہ یہ خیال موجودہ سائنس کے ان انکشافات پر مبنی ہے جن کے مطابق مریخ وغیرہ ستاروں میں زندگی کے آثار پائے جاتے ہیں۔

(''جاوید نامہ'' (مقالہ) از چودھری محمد حسین، مطبوعہ نیرنگِ خیال، اقبال نمبر ۱۹۳۲ء ص: ۱۴۵)

ان دو شعروں میں بقول، ڈاکٹر عبدالمغنی، سائنس اور شاعری، علم اور فن کی ترقیات کا عطر جس سحر آگیں اور فکر انگیز طریقے سے پیش کیا گیا ہے اس کی ایک مثال بھی دانتے کی ڈیوائن کامیڈی سے پیش نہیں کی جاسکتی۔ (اقبال اور عالمی ادب، ص: ۷۲)

Marfat.com

اس عظیم تمثیلی نظم کا آغاز مناجات سے ہوتا ہے جس میں احساسِ تنہائی اور جاودانیت کی آرزو کے ساتھ شکوہ کا رنگ غالب ہے۔

اس کے بعد "تمہیدِ آسمانی" ہے جس میں شرفِ انسانی اور عقل پر عشق کی برتری کا بیان ہے۔ یہاں تخلیقِ کائنات کا راز آشکار کیا گیا ہے کہ اگر زندگی (انائے مطلق) کو غیب وحضور (بطون وظہور) میں ایک لذت محسوس نہ ہوتی تو یہ جہانِ نزدودور کبھی موجود نہ ہوتا۔ آسمان، زمین کو یک رنگی و بے نوری کا طعنہ دیتا ہے۔ زمین کو مضمحل وناامید دیکھ کر غیب سے "نغمۂ ملائک" کی صورت میں ندائے اُمید آتی ہے جس میں یہ مژدہ سنایا گیا ہے کہ ایک زمانہ ایسا بھی آئے گا جب خاک کے بنے ہوئے کی روشنی ،نور کی بنی ہوئی مخلوق سے بڑھ جائے گی اور زمین ہماری تقدیر کے ستارے سے آسمان کے ہم پلہ ہو جائے گی۔

تمہیدِ آسمانی کے بعد تمہیدِ زمینی بیان کی گئی ہے جس میں شاعر شام کے وقت دریا کے کنارے اپنے دل سے باتیں کر رہا ہے اور جاودانی ہونے کی آرزو اس کے دل میں چٹکیاں لے رہی ہے۔ اسی اثنا میں شام اور گہری ہو جاتی ہے، چاند افق پر نمودار ہوتا ہے کہ اس سرمئی اندھیرے میں پہاڑ کے اس پار سے روحِ رومی پردوں کو چاک کرتی ہوئی ظاہر ہوتی ہے۔ شاعر، رومی کا درخشندہ اور روشن چہرہ دیکھ کر دنگ رہ جاتا ہے جو دانش وحکمت کا حسین امتزاج تھا۔ شاعر اس سے موجود ونا موجود اور محمود ونامحمود کی وضاحت کے لئے سوال پوچھتا ہے۔ یہ سوالات دراصل معراج کے معانی وحقائق بیان کرنے کی خاطر پوچھے جاتے ہیں۔ معراج کے اسرار ورموز اور اس کی حقیقت بیان کرتے ہوئے رومی کہتے ہیں کہ یہ شعور میں انقلاب کا دوسرا نام ہے، یہ دراصل شاہد عادل کے روبرو انسانِ کامل کی خودی کے کمالات کی آزمائش ہے۔

علامہ اقبالؒ کہتے ہیں:

"جب میں نے مرشدِ رومی کی مذکورہ بالا گفتگو سنی تو میرے اندر عالمِ بالا کی سیر کا اشتیاق پیدا ہوا، اسی اثنا میں میرے سامنے نور کے ایک بادل سے دو چہروں والا فرشتہ نمودار ہوا۔ اُس کا ایک چہرہ تو انگارے کی طرح سُرخ یعنی روشن اور دوسرا تاریک تھا۔ روشن چہرے کی آنکھیں کھلی ہوئیں اور تاریک چہرے کی آنکھیں بند تھیں۔ اس فرشتے کے پر مختلف رنگوں کے تھے۔"

یہاں روشن چہرہ زندگی اور تاریک چہرہ موت کی علامت ہے اور مختلف رنگوں کے پر زندگی کی بوقلمونی کا استعارہ ہے۔ علامہؒ کے استفسار پر اس فرشتہ نے کہا:

Marfat.com

''میں ''زرواں'' ہوں اور کائنات پر حکمرانی کرتا ہوں۔ ہر شخص کی تدبیر میری تقدیر سے وابستہ ہے۔ دانہ درخت میری وجہ سے بنتا ہے۔ خوشی اور غم، تشنگی اور سیرابی میری وجہ سے ہے۔ بنی آدم اور ملائکہ سب میرے تصرف میں ہیں۔ میرے طلسم سے وہی شخص نکل سکتا ہے جو ''لی مَعَ اللہ'' کے رمز سے آگاہ ہو جائے۔''

''لِیْ مَعَ اللّٰہ'' اس حدیث کی طرف اشارہ ہے کہ ''مجھے اللہ کے ساتھ وہ وقت بھی نصیب ہوتا ہے کہ اس قرب میں اس وقت نہ کوئی نبی مُرسل بار پا سکتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ''۔ علامہؒ کے نزدیک زرواں، روحِ زمان ومکان اور عالمِ علوی کا رہنما ہے۔

اس کے بعد علامہؒ نے ستاروں کی زبان سے انسان کی عظمت واضح کی ہے اس کے علاوہ قلندری اور سکندری کا موازنہ کیا ہے۔

اب علامہؒ، روحِ رومیؒ کی معیت میں عالمِ بالا کی سیاحت کا آغاز کرتے ہیں۔ جب انہوں نے پرواز شروع کی تو جو اشیاء انہیں اُوپر دکھائی دیتی تھیں وہ اب نیچے نظر آنے لگیں۔ رفتہ رفتہ وہ قمر کے اتنے نزدیک پہنچ گئے کہ اس کے کوہستان نظر آنے لگے۔

فلکِ قمر:

قمر کی زمین مردہ سی تھی وہاں انہیں خُشک اور ویران پہاڑ نظر آئے۔ دونوں ایک غار میں جاتے ہیں جہاں انہیں عریاں بدن ایک ہندی عارف ملتا ہے جس کے سر کی چوٹی کے گرد ایک سفید سانپ کنڈلی مارے بیٹھا تھا، وہ مست الست عارفِ ہندی ''جہاں دوست'' تھا۔ ہندوستان کا یہ قدیم عارف ایک ہزار اور بعض مورخوں کے مطابق پانچ ہزار سال قبل مسیح کا تھا۔ اس کا اصل نام ''وشوامتر'' تھا اور وہ رام چندر کا اتالیق تھا۔ ''شکنتلا'' اس کی بیٹی تھی۔ اس کی روحانی اور اخلاقی سربلندی کی داستانیں اب تک ہندی مذہبی روایات کا حصہ ہیں۔ عارفِ ہندی، علامہ اقبالؒ کے بارے میں رومیؒ سے پوچھتا ہے کہ تیرا ساتھی کون ہے جس کی آنکھوں میں آرزوئے زندگی کی جھلک دکھائی دیتی ہے؟ رومیؒ کہتے ہیں یہ ایک طالب حق اور جویائے حقیقت ہے۔

''جہاں دوست'' رومیؒ سے عالم، آدم اور حق وغیرہ کے حقائق دریافت کرتا ہے۔ ''جہاں دوست'' ان حقائق کو تسلیم کرتا ہے اور یہ بھی مانتا ہے کہ مشرق آج تک وجود اور عدم ہی کے مسائل میں پھنسا رہا ہے مگر وہ اس کے مستقبل سے ناامید نہیں ہے۔ ''جہاں دوست''، علامہ اقبالؒ کی علمیّت کا اندازہ کرنے کے لئے ان سے چند سوالات پوچھتا ہے۔ علامہ ان سوالات کا برجستہ جواب دیتے ہیں۔ عارفِ ہندی، علامہؒ کی علمیت سے بہت متاثر ہوتا ہے اور جواباً اپنے خیالات کا اظہار کرتا ہے جو نو (۹) نصائح پر مشتمل ہیں۔

Marfat.com

اس کے بعد ''جلوۂ سروش'' ہے جو زرتشتی مذہب کا گویا جبرئیل ہے۔ اقبال اسے ''فرشتۂ شعرا'' بتاتے ہیں۔ اس کے بعد ''نوائے سروش'' ہے جس کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ اگر کائنات کو سمجھنا چاہتے ہو تو اسے عقل کے بجائے عشق کی نگاہ سے دیکھو۔

اس کے بعد مرشدِ رومی کی معیت میں اسرارِ کُل اور طواسینِ رُسل سے آگہی حاصل کرنے کے لئے علامہ ''وادیِ یرغمید'' یا ''وادیِ طواسین'' میں گوتم بدھ، زرتشت، جنابِ مسیح اور سرکارِ دو عالم ﷺ کی تجلیات (تعلیمات) سے بہرہ مند ہوتے ہیں۔

''طاسینِ گوتم'' کا بنیادی خیال یہ ہے کہ گوتم بدھ ایک رقاصۂ عشوہ فروش کو پاکیزہ زندگی اختیار کرنے کی تلقین کرتے ہیں اور وہ ان کے وعظ سن کر اپنے افعال سے توبہ کر لیتی ہے۔ یہاں رقاصہ دراصل انسان کی مادی یا بہیمانہ زندگی (نفسِ امارہ) کی مظہر ہے۔

طاسینِ زرتشت میں اہرمن (نمائندۂ شر) کی بدولت معروف مجوسی پیغمبر جنابِ زرتشت کی آزمائش بیان ہوتی ہے۔ طاسینِ مسیح میں حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کا ذکر نہیں بلکہ ان تعلیمات کے فراموش کیے جانے کا ذکر ہے۔ اس طاسین میں مشہور روسی مسیحی مصلح، ادیب اور مفکر لیو ٹالسٹائی کا خواب بیان کیا گیا ہے جو کچھ یوں ہے:

> ''کوہسارِ ہفت مرگ کی ایک تیرہ و تار وادی میں رواں چاندی کی نہر میں ایک نوجوان کمر تک غرق اپنی تشنگی پہ نالہ و فریاد کر رہا ہے۔ اس نہر کے کنارے افرنگین نام کی ایک عشوہ طراز نازنین کھڑی اس نوجوان سے باتیں کر رہی ہے کہ اسی اثنا میں چاندی کی نہر یخ بستہ ہو جاتی ہے، نوجوان کی ہڈیاں چور چور ہونے لگتی ہیں اور وہ واویلا شروع کر دیتا ہے۔ (واضح رہے کہ چاندی کی نہر دولت و مادیت، نوجوان یہودیت اور افرنگین اقوامِ یورپ کی تہذیب و ثقافت کا کنایہ ہیں)۔ یہ نوجوان دراصل جوڈس اسقروطی ہے جو جنابِ عیسیٰؑ کا حواری تھا مگر روما کے یہودی حاکم فلاطوس کے کہنے پر حضرت عیسیٰؑ کو گرفتار اور مصلوب کروایا۔ یہودیت کی علامت،

جوڈس اسقروطی سے نازنین کہتی ہے:

> ''جنابِ مسیح نے تیری قوم پر کتنے احسانات کیے اور تیری قوم نے ان احسانات کا کیا صلہ دیا! تذلیل، توہین، تکفیر اور تصلیب!!!۔''

نازنین (اقوامِ یورپ) کا یہ طعنہ سن کر نوجوان یخ پا ہو گیا اور کہنے لگا:

> ''اے مکار و عیار! تو نے شیخ و برہمن دونوں کو ملت فروشی اور غداری کا

Marfat.com

سبق پڑھایا، تو نے تمام اقوام کو الحاد کا درس دیا! تیری ابلیسانہ چالبازیوں سے عقل اور مذہب دونوں ذلیل وخوار ہیں۔ تو نے بنی آدم کو عشق ومحبت سے بیگانہ کر کے انہیں خود غرضی اور نفس پرستی سکھا دی۔ تو نے (یورپین اقوام نے) اقوامِ مشرق کو غلام ہی نہیں بنایا بلکہ ان کو مذہب، اخلاق، انسانیت اور آدمیت جیسی تمام خوبیوں سے بیگانہ کر دیا۔ تیری موت سے اہلِ جہاں کی زندگی ہے۔ دیکھنا کہ تیرا انجام بہت بُرا ہوگا ؎

مرگِ تو اہلِ جہاں را زندگی است
باش! تابنی کہ انجامِ توچیست!

یہاں علامہ اقبالؒ نے عیسائیت کی فاسد معاشرت، علوم وفنون کی ترقی کے لیے ان کے غیر ہمدردانہ روّیے اور مادی نقطۂ نظر کی مذمت کی ہے۔

آخری اور چوتھے طاسین یعنی ''طاسینِ محمد ﷺ'' میں ابوجہل کی روح حرم کعبہ میں نوحہ کناں ہے۔ وہ ہبل اور لات ومنات کو دُہائی دے کر کہتا ہے:

''ہمارا سینہ بانیٔ اسلام کی تعلیمات سے داغدار ہے۔ وہ ساحر ہے۔ اس نے لات ومنات کو پاش پاش کیا۔ اس نے حاضر (بت پرستی) کے بجائے غالب (خدا پرستی) کی تعلیم دی۔ اس نے ایسا مذہب پیش کیا جس نے وطنیت اور ذات پات کی جڑیں کاٹ دیں۔ حد ہے کہ اس کا پیغام لانے والا اہلِ قریش میں سے ہونے کے باوجود عرب کی برتری سے منکر ہے۔ وہ غلام کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانے میں عار محسوس نہیں کرتا۔ اس نے احمر واسود کو شیر وشکر دیا اور قیصر وکسریٰ کے خاتمے کی خبر دی۔''

ابوجہل کا یہ نوحہ گویا اسلامی انقلاب کے خلاف صدائے احتجاج ہے۔

فلکِ عطارد

اگلی منزل فلکِ عطارد ہے۔ یہاں صحرا و دریا، بحر وبر تو ہیں مگر زندگی کے آثار نہیں۔ اس فلک پر علامہ اقبالؒ نے جمال الدین افغانیؒ اور سعید حلیم پاشا کی ارواح سے ملاقات کا احوال بیان کیا ہے۔ ان سے گفتگو کے دوران دین ووطن کی آویزش، اشتراکیت وملوکیت کا سحر فرنگ اور قرآن کی محکم تعلیمات جیسے موضوعات زیرِ بحث آتے ہیں۔

سیّد جمال الدین افغانیؒ (۱۸۳۸ء۔۱۸۹۷ء) بہت بڑے مصلح اور عالمِ اسلام کے اتحاد کے

Marfat.com

زبردست داعی تھے۔ اقبالؒ انہیں مجددِ عصر کہتے تھے جبکہ سعید حلیم پاشا (۱۸۶۳ء۔۱۹۲۱ء) ترکی کے عظیم راہنما، ''اصلاحِ دین'' نامی جماعت کے صدر اور وہاں کے وزیر داخلہ اور وزیرِ اعظم بھی رہے۔ اقبال کی نگاہ میں ان ہر دو حضرات کا جو مقام ہے اسے انہوں نے رومیؒ کی زبان سے یوں ادا کیا ہے کہ مشرق میں ان دو بزرگوں سے بہتر عصرِ حاضر کا اور کوئی فرد نہیں۔ علاوہ بریں اقبالؒ ان حضرات کے وحدتِ اسلامی کے افکار وخیالات سے نہ صرف متاثر تھے بلکہ ان کا فلسفہ اور پیغام انہی حضرات کے مقصد کی تکمیل ہے۔

رومیؒ، افغانی اور پاشا کی گفتگوئیں سن کر رو پڑتے ہیں اور زندہ رود سے ''آتش انگن'' اشعار پڑھنے کی فرمائش کرتے ہیں۔ زندہ رود، مرشدِ رومی کو جو غزل سناتے ہیں اس میں تعلیمی درسگاہوں کی مقلدانہ ذہنیت، صوفیہ کا عدمِ سوز وساز وتصفیۂ باطن اور مسلمانوں کے افتراق ونفاق کا ذکر ہے۔

فلکِ زہرہ

فلکِ زہرہ کی تمہید میں ظلمت اور تاریکی کا منظر پیش کیا گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ کہتے ہیں کہ پیرِ رومی چونکہ میرے مسلک سے آگاہ ہیں اور انہیں معلوم ہے کہ میں ہر وقت سرگرمِ سفر رہتا ہوں اس لئے مجھ سے پوچھتے ہیں کہ آگے چلنا چاہتے ہو تو دیکھو، سامنے فلکِ زہرہ ہے! یہ عالم، آب وخاک سے مرکب ہے، سیاہ غلاف میں ملفوف اس کی فضا تاریک ہے۔ چاروں طرف کُہر وُدھند چھایا ہوا ہے۔ اس خطہ میں خدایانِ کہن قیام پذیر ہیں۔ میں ان سب کو پہچانتا ہوں بعل، مردوخ، یعوق، نسر وفسر وغیرہ۔

رومیؒ کی معیت میں دریائے قیر (کول تار) کو عبور کرنے کے بعد بمشکل کوہسار میں پہنچے جہاں کی وادی میں پہلا منظر خدایانِ اقوامِ کہن کی مجلس ہے۔ جن کے بعض نام حقیقی اور بعض تخیلاتی ہیں۔ ان قدیم خداؤں میں سے ہر ایک اپنے از سرِ نو زندہ ہو جانے کے امکان پر ثبوت لا رہا ہے۔ دنیا کی قدیم ترین قوم فنیقیوں کا سب سے بڑا معبود ''بعل'' جو دنیا کا قدیم ترین دیوتا بھی ہے، اسے علامہ اقبالؒ نے سب باطل خداؤں کا نمائندہ بنایا ہے چنانچہ وہ تمام اقوام کے خداؤں سے خطاب کرتے ہوئے اپنی مسرت کا اظہار کرتے ہوئے کہتا ہے کہ ''یہ عہدِ بے خلیل اور بے بت شکن ہے۔ یقین کی جگہ افکارِ پریشاں اور تشکیک نے لے لی ہے۔ مسلمانوں کی وحدتِ ملی پارہ پارہ ہو چکی ہے۔ ہمیں اسلام سے اب کوئی اندیشہ نہیں رہا۔''

اس کے بعد رومیؒ اور اقبالؒ دنیا کے دو فرعونوں، مصر کا ''رعمیسس'' جس نے حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کو نیست ونابود کرنا چاہا لیکن خود بحرِ قلزم کی طوفانی موجوں کا شکار ہو گیا۔ دوسرا فرعون

Marfat.com

برطانوی استبداد کا نمائندہ لارڈ کچنر (کچز) تھا جس نے سوڈانی مسلمانوں پر بے پناہ مظالم ڈھائے، کی روحوں کو زہرہ کے ایک دریا کی تہہ میں دیکھتے ہیں، دونوں کا انجام سمندر میں غرقابی تھا۔ مولانا رومؒ اور اقبالؒ دونوں سمندر میں قدم رکھتے ہیں تو سمندر اپنا سینہ کھول دیتا ہے۔ فرعون اور کچز حیرت سے تکتے رہ جاتے ہیں۔ فرعون ان سے پوچھتا ہے کہ ''آخر سمندر کی تہہ میں یہ جوئے نور، یہ صبح کیسے پیدا ہوئی؟'' رومیؒ اس کا جواب دیتے ہیں کہ ''یہ وہ نور ہے جس کی بدولت ہر پنہاں شئے ظاہر ہو جاتی ہے۔ اس نور کی اصل یدِ بیضا ہے۔ حضرتِ موسیٰؑ کی قوتِ نبوت!!''

فلکِ مریخ:

فلکِ زہرہ سے شاعر اپنے مرشد کے ساتھ فلکِ مریخ میں پہنچتے ہیں جہاں کے شب و روز کُرۂ ارض سے یکسر مختلف ہیں، یہاں زندہ رود کی ملاقات ایک ایسے بزرگ سے ہوتی ہے جس کی داڑھی برف کی مانند سفید تھی۔ اس کی آنکھوں میں فکر جھلکتی تھی۔ چہرے مُہرے سے وہ کوئی مغربی مفکر لگتا تھا۔ اس نے دونوں مسافروں سے فارسی زبان میں گفتگو کی تو زندہ رود بہت حیران ہوا۔ اس بزرگ نے بتایا کہ وہ نہ صرف انجم شناس ہے بلکہ اسے کرہ ارض سے پوری واقفیت ہے۔ اس حکیم مریخی نے دونوں کا تعارف چاہا تو رومی نے کہا کہ ''اُن کا تعلق تو عالمِ علوی سے ہے لیکن ان کا رفیق سفر کرۂ ارض کا باشندہ ہے اور اس کے مزاج کی کیفیت یہ ہے کہ بغیر شراب پیئے مست ہے یعنی اس کا مسلک قلندرانہ ہے۔ اس کا نام زندہ رود ہے اور تحقیق و جستجو اس کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ یہ جلوہ ہائے نو بہ نو کی تلاش میں اِدھر آنکلا ہے۔'' حکیمِ مریخی اس علاقہ کا تعارف کراتا ہے۔ مرغدین کی سیر کے دوران مسافروں نے دیکھا کہ اس شہر کی عمارات بہت بلند ہیں۔ اس کے باشندے خوبرو، نرم خو، سادہ پوش اور شیریں مقال ہیں۔ وہ آفتاب کے نور سے کیمیا سازی کے ذریعے حسبِ ضرورت زر و مال حاصل کر لیتے ہیں۔ ان کے ہاں علم و فن کا مقصد دولت کا حصول نہیں بلکہ تمام لوگوں کی خدمت ہے۔ وہ درہم و دینار کے پجاری ہیں نہ مشینوں کے غلام۔ وہاں کوئی جاگیردار ہے نہ ہی سرمایہ دار۔ کسان مسرور و شادمان۔ وہاں پولیس، افواج، اسلحہ، جنگ و جدل، کذب و دروغ پہ مبنی ادب و صحافت، بیکاری و عریانی، سوال و سائل، حاکم و محکوم، آقا و غلام، سب عنقا ہیں۔ غرضیکہ اقتصادی، سیاسی، سماجی اعتبار سے مرغدین کا معاشرہ بھی برطانوی ادیب ''تھامس مور'' (المقتول، ۱۵۳۵ء) کے ''یوٹوپیا'' کا سا ایک یوٹوپیائی، مثالی اور آئیڈیل معاشرہ ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک ایک فلاحی اسلامی ریاست کا معاشرہ ایسا ہی ہوتا ہے جس کی تصویر کشی مرغدینی معاشرے کی صورت میں کی گئی ہے۔ وہ اس بات پہ حیران ہیں کہ حاکم و محکوم اور امیری و غریبی کی تفریق تو تقدیرِ الٰہی ہے۔ یہاں اقبالؒ اور حکیمِ مریخی کے درمیان جبر و قدر (تقدیر اور تدبیر) پر مکالمہ ہوتا ہے۔

Marfat.com

اس کے بعد زندہ رود اور رومیؒ شہرِ مرغدین سے گزر کر ایک ایسے وسیع میدان میں پہنچتے ہیں جہاں مرد و زن جمع ہیں اور ایک عورت ان سے خطاب کر رہی ہے۔ وہ یوں تو بہت حسین و جمیل ہے مگر اس کا دل سوز و گداز سے خالی ہے۔ اس کا سینہ جوشِ جوانی سے محروم ہے اور وہ عشق اور آئینِ عشق سے بے خبر ہے۔ یہ عورت مرد کی صحبت سے گریزاں ہے اور ازدواج کے تعلق کو غلط اور ناراست سمجھتی ہے۔ یہ عورتوں کو مردوں سے باغی ہونے کی تبلیغ کر رہی ہے، شادی سے بچنے کی ترغیب دے رہی ہے اور ماں بننے کی مصیبتوں پر واویلا کر رہی۔ حکیم مریخی کے مطابق یہ مریخی عورت نہیں بلکہ فرنگ سے تعلق رکھتی ہے۔ فرزمرز (ابلیس) اسے وہاں سے اُٹھا لایا۔ اب یہ عورت خاتمِ نبویہ کی مدعی ہے۔ اس کی تبلیغ صرف مادیت اور جسم تک محدود ہے۔ یہ دراصل مغربی عورت کی تمثیل ہے۔ اقبالؒ نے ایک تجرد پسند عورت کی زبان سے جو ''نبیہ مریخی'' ہونے کی دعوے دار ہے، یورپ کی عورتوں کی بے راہروی پر تنقید کی ہے۔ مولانا روم کہتے ہیں کہ یہ عورت اس لادینی تہذیب کا نمونہ ہے جو جذبۂ عشق سے محروم ہے۔ جب تک عشق نہ ہو دین بے اثر ہو جاتا ہے اور جب تک دین کی اساس نہ ہو تہذیب کی تعمیر ناممکن ہے۔

فلکِ مشتری:

شاعر اپنے مرشد رومیؒ کے ساتھ فلکِ مشتری پہ جاتے ہیں جو ایک ناتمام خاکدان ہے۔ اس کے گرد قمر طواف کرتے ہیں وہاں ان کی ملاقات اسلام کی تین ایسی جلیل القدر ''ملحدین اور زندیقین'' ہستیوں سے ہوتی ہے جو اپنے آدرشوں میں سچی اور کھری تھیں۔ انہوں نے سُرخ عبائیں پہن رکھی تھیں۔ سوزِ دروں سے ان کے چہرے تابناک تھے اور ان کے سینوں میں فروزاں آگ زندگی کی علامت تھی۔ شہیدِ صداقت ہو کر عشق کو لازوال روحانیت بخشنے والی یہ عظیم ہستیاں تھیں، حسین بن منصور حلاج، غالب اور قراۃ العین طاہرہ!!!

فلکِ مشتری سعادت کی وجہ سے ''السعد الاکبر'' کہلاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے ان تین عاشقانِ جلیل کو بود و نبود، تقدیر، انبیاء اور ابلیس کے عمیق ترین اسرار و رموز کے بارے میں گفتگو کرتے دکھایا ہے جس میں زیادہ تر گفتگو حلاج کی زبانی ہے۔ علامہ کی نظر میں ہر سہ افراد کا مقام و مرتبہ بہت بلند تھا اس لئے انہوں نے ان کی ارواح کو ''ارواحِ جلیلہ'' کا لقب دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ان کی ارواح نے جنت میں رہنا پسند نہیں کیا بلکہ ''گردشِ جاویداں'' اختیار کی۔

فلکِ مشتری پر دو موضوع خصوصی دلچسپی کے حامل ہیں۔ ایک مقامِ نبوت اور دوسرا ابلیس بحیثیت واحد حقیقی پرستارِ حق۔

حسین بن منصور حلاج کو عشقِ الٰہی کے ناقابل بیان راز فاش کرنے یعنی ''انا الحق'' کہنے کے

Marfat.com

جرم میں ۲۶ مارچ ۹۲۲ء کو بغداد میں بڑی بے رحمی سے نذرِ دار کر دیا گیا۔ اس کے نظریہ "ہُو ہُو" جس کے معنی ہیں کہ انسان ہستیٔ باری کا زندہ ناظر و شاہد ہے۔ اس کے "انا الحق" کے عمیق تر مفہوم کو کوئی صوفی وفقیہہ نہ سمجھ سکا۔ کسی زمانے میں اقبال بھی حلاج کے خیالات کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے مگر بعد میں اس شہیدِ عشق کے گہرے اسرار کی حقیقت معلوم ہوئی تو انہیں اپنے اور حلاج کے افکار میں کافی مشابہت نظر آئی۔ اقبال نے حلاج میں زندہ ایمان کا ایک عظیم مظہر پا لیا تھا۔ اُسے وہ ایک ایسی طائر روح قرار دیتے ہیں جو ہمیشہ برسرِ پرواز رہتی ہے۔ اقبالؒ کے نزدیک حلاج حرکت کا نمائندہ ہے۔

قراۃ العین طاہرہ ایران کی بابی فرقہ کی ذہین ترین عالم اور شیریں شاعرہ تھی۔ اسے تہران میں ۱۸۵۴ء میں گلا گھونٹ کر ہلاک تو کر دیا گیا مگر اس کی روح، ارادے اور عشق کا گلا نہ گھونٹا جا سکا۔ طاہرہ کہتی ہے کہ صاحبانِ جذب وجنوں کا "گناہ" نئے انقلابات کو جنم دیتا ہے۔ دار و رسن ہی ان کا مقدر ہے۔ وہ کوئے یار سے زندہ واپس کب آئے!

غرضیکہ غالب، حلاج اور طاہرہ سے اقبالؒ کی خوب خوب گفتگو ہوتی ہے کہ اسی دوران ابلیس نمودار ہوتا ہے جسے اقبال نے "خواجہ اہلِ فراق" کا نام دیا ہے۔ خواجہ اہلِ فراق کوئی طنزی یا تحقیری لقب نہیں ہے بلکہ اقبال کے دل میں اس "کافر ثابت قدم اور شائقِ سوزِ فراق" سے بہت ہمدردی ہے۔ انہوں نے اسے فلسفۂ فراق کا مبلغ بنا کر اس لئے پیش کیا ہے کہ خودی کے قیام کے لئے خدا کی ذات سے انسان کا فراق تا ابد ضروری ہے۔ ابلیس کی گفتگو میں ایسی بہت سی باتیں ہیں جو اقبال کے فلسفۂ خودی اور نظریۂ ارتقا کا اہم جزو ہیں۔

"نالۂ ابلیس" میں ابلیس گلہ کرتا ہے کہ اب ابنِ آدم میں میرا کوئی شکار ہی نہیں رہا۔ اگر مجھے اتنا بڑا ابلیس بنایا تھا تو میرا منکر بھی ایسا بنایا ہوتا جو میری گردن توڑ سکتا۔ یہ آج کا انسان کیا ہے کہ میں اسے جس طرف چاہوں لیے پھرتا ہوں۔ خدا سے ابلیس التجا کرتا ہے ؎

اے خدا یک زندہ مرد حق پرست
لذتے شاید کہ یابم در شکست

(اے خدا مجھے ایسا حق پرست دے جسے دیکھ کر میں لرزہ براندام ہو جاؤں، جو مجھے شکست کی لذت سے دوچار کر سکے۔)

فلکِ زحل:

اگلی منزل فلکِ زحل کی ہے۔ اس فلک کو ستارہ شناس نحسِ اکبر بتاتے ہیں۔ یہاں غدارانِ وطن کو مبتلائے عذاب دکھایا گیا ہے۔ یہ تھے میر جعفر اور میر صادق۔ ان دو طاغوتوں کی وجہ سے ایک قوم فنا

ہوگئی۔ ان کا وجود آدم، دین اور وطن کے لئے بلاشبہ باعثِ شرم ہے ؂

جعفر از بنگال و صادق از دکن

ننگِ آدم، ننگِ دیں، ننگِ وطن

پھر روحِ ہندوستاں ایک حسین اور خوش لباس حور کی صورت میں نمودار ہوتی ہے اور اپنی غلامی پر نوحہ و فریاد کرتی ہے کہ اہلِ ہند جذبہ حب الوطنی سے بے بہرہ ہیں۔ وہ رسوم و قیود میں جکڑے ہوئے ہیں اور ملّی غیرت و خودی سے عاری ہیں۔ وہ تمام غداروں کی دہائی دیتی ہے جو اتنی دردناک ہے کہ جہنم بھی ان غداروں کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے اس کے بعد یکایک اس قلزمِ خونی میں ایک ہولناک طوفاں برپا ہوتا ہے اور وہ کشتی اس میں غرق ہو جاتی ہے۔

آنسوئے افلاک:

جاوید نامہ کی اگلی فصل ''سوئے افلاک'' ہے جہاں عالمِ بے جہات ہے، یہ مقام لیل و نہار اور قندیلِ ادراک سے آزاد اور حرف کے لبادے سے نا آشنا ہے۔ علّامہ کہتے ہیں کہ میں نے چھ روز میں کئی سو جہان دیکھ لیے یہاں تک کہ اس جہان کی حدود ختم ہوگئیں اور لامکان کی حد شروع ہوگئی۔ ہر جہان میں زندگی کا قانون مختلف ہے۔ وقت ہر عالم میں دریا کی طرح بہتا چلا جاتا ہے۔ اس جہانِ چون و چند کی سرحد پر پہنچ کر میں نے ایک شخص کو دیکھا جو مصروفِ نالۂ دردمند تھا۔ اس کی نگاہ عقاب سے بھی زیادہ تیز تھی۔ اس کی پیشانی سوزِ جگر کی گواہی دے رہی تھی۔ اس کا سوزِ دروں ہر لحظہ بڑھتا جاتا تھا۔ میں نے مرشدِ رومی سے پوچھا کہ یہ دیوانہ کون ہے؟ انہوں نے کہا یہ فرزانۂ المانوی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے معرف المانوی فلسفی اور شاعر نیٹشے کو ''آنسوئے افلاک'' (افلاک سے باہر) یا مکان و لامکان کے درمیان دکھایا ہے۔ علامہ کے نزدیک اس کا قلب مومن اور دل کافر تھا۔ اقبالؒ نے اسے ''حلاجِ بے دار و رسن'' لکھا ہے کیونکہ وہ بھی حلاج کی طرح خودی کو عین خدا کہتا ہے اور اس کے لئے ''فوق البشر'' کی اصطلاح استعمال کرتا ہے۔ وہ اس کے ظہور کا آرزومند تھا مگر خُدا کا منکر تھا اس لئے ''دماغش کافر است'' قرار دیا گیا۔ اقبال کے نزدیک منکرِ خدا ہونے کے باوصف اس کے بعض افکار اسلام سے مطابقت رکھتے تھے اس لئے ''قلب اُو مومن است'' کہا گیا۔

اس کے بعد علّامہؒ نے لامکاں، عالمِ ارواح یا بہ الفاظِ دیگر جنت الفردوس کا نقشہ کھینچا ہے کہ کائنات کی حدود سے گزر کر میں عالمِ بے جہات میں داخل ہوا۔ یہ ایسا عالم ہے جس کی جہت ہے نہ سمت، دائیں بائیں اور دن رات سے آزاد اس جہان میں جب میں پہنچا تو میری عقل کا چراغ روشن ہو گیا۔ اس جہان میں آخر ہے کیا؟

''اس عالم کی نوعیت بالکل مختلف ہے۔ اس کی تخلیق کا رنگ جدا ہے۔ یہ لازوال ہے اور زمان و مکان سے بالاتر ہے۔ ہم اس کی ماہیت کا ادراک نہیں کر سکتے۔''

علامہ نے جہانِ بے جہات (لامکاں) کی ماہیت جہانِ دل کی مثال سے سمجھائی ہے کہ لامکاں کو جہانِ دل پر قیاس کر لو۔ جس طرح دل، زمان و مکان سے بالاتر ہے اسی طرح لامکاں بھی قیدِ زمان و مکان سے آزاد ہے۔ اسی مقام پر تجلیٔ جلال و جمال کا ذکر بھی کیا گیا ہے اور حیاتِ جاوداں حاصل کرنے کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ وہ بہشت میں پہاڑوں پر گلِ لالہ، باغوں میں نہریں، عنبر بار فضائیں اور ہوائیں، زمرد قبوں والے محل اور خوبصورت حور و غلمان کے جلوے دیکھ کر حیران رہ جاتے ہیں مگر رومی انہیں بتاتے ہیں کہ یہ جلوے حقیقی نہیں بلکہ یہ اعمال کے عکوس ہیں۔ بہشت زاہدوں کا مسکن ہے لہٰذا دیدار اور ذوقِ دید کے مقام کے یہ حسین جلوے اعمال کے ظِل اور عکس ہیں۔

اس کے بعد شرف النسا بیگم کی پاکیزہ اسلامی سیرت کا بیان ہے جسے علامہ نے مثالی مسلم خاتون کے طور پہ پیش کیا ہے اور ضمناً مسلمانانِ پنجاب کی غیر اسلامی زندگی کا ماتم کیا ہے۔ شرف النسا، نواب عبدالصمد خان حاکمِ پنجاب کی بیٹی تھی۔ اس کی ساری زندگی تلاوتِ قرآنِ مجید میں گزری۔ اس کی خلوت میں قرآن، نماز اور شمشیر کے علاوہ اور کسی چیز کو دخل نہ تھا جب اس کی وفات کا وقت قریب آیا تو اس کی وصیت اور حاصلِ زندگی یہ تھا کہ قرآن اور تلوار دونوں ایک دوسرے کے محافظ ہیں اور محورِ حیات ہیں۔ مومنوں کی زندگی اسی پر موقوف ہے۔ میری تُربت میں بھی یہی دو چیزیں رکھ دی جائیں۔

علامہ کا کشمیر سے ایک قلبی تعلق تھا اس لئے وہاں کی دو عظیم شخصیات، امیرِ کبیر سیّد علی ہمدانیؒ اور معروف کشمیری شاعر مُلّا طاہر غنی کو جنت الفردوس میں دکھایا ہے۔ زندہ رود، شاہ ہمدانؒ سے سوال کرتا ہے کہ تخت و تاج کی اصلیت کیا ہے؟ شاہ ہمدانؒ فرماتے ہیں:

''بادشاہت کی اصل یا رضائے اقوام ہے یا جنگ و جدل۔''

اس کے بعد غنی کشمیری کی زبان سے علامہ نے اپنا محبوب فلسفہ حیات بیان کیا ہے:

''موج کا ساحل کے اندر رہنا سراسر خطا ہے اور ساحل سے موافقت مرگِ دوام۔ موج اس وقت ہی طوفان بن کر پہاڑ کاٹ سکتی ہے جب وہ ساحل سے باہر نکل جائے۔''

غنی زندہ رود سے ایک نوائے مستانہ کی فرمائش کرتا ہے۔ جواب میں زندہ رود زبورِ عجم کی ایک غزل سناتا ہے جس کا بنیادی نکتہ یہ ہے کہ عقل تیرے لئے چراغِ راہگزر ہے اور عشق ایاغ ہے اس

Marfat.com

سے تو عناصر کو مسخر کر سکتا ہے۔ زندہ رود کہتے ہیں کہ میری غزل سن کر حوران بلکہ تمام ساکنانِ بہشت کے دل میں کشمیریوں کے لئے جذبۂ ہمدردی بیدار ہو گیا۔ پھر کہتے ہیں:

''پیرِ رومی نے مجھ سے کہا کہ دیکھو سامنے ہندوستان کا مشہور بیراگی اور فلسفی بھرتری ہری بیٹھا ہے اس کی فطرت اس بادل کی طرح ہے جس میں آگ پوشیدہ ہو۔''

بھرتری آج سے تقریباً دو ہزار برس پیشتر پیدا ہوا۔ اس کا نام ''ہری'' تھا اور وہ اجین کے راجہ بکرماجیت کا بھائی تھا۔ اس نے بھی کچھ عرصہ حکومت کی۔ بھرتری کی وجہ تسمیہ اس کی رعایا پروری اور غربا نوازی تھی۔ کہتے ہیں کہ اپنی بیوی کے کردار سے ناخوش ہو کر راج پاٹ ترک کر دیا اور سنیاسی بن گیا۔ اس قدیم فلسفی کا مقولہ ہے:

''ادب، موسیقی اور فنونِ لطیفہ سے بیگانہ شخص بغیر دُم اور سینگ کا جانور ہے۔''

بالِ جبریل میں اقبال کا یہ شعر کہ ؎

پھول کی پتی سے کٹ سکتا ہے ہیرے کا جگر
مردِ ناداں پر کلامِ نرم و نازک بے اثر

دراصل بھرتری ہری کے اس اشلوک سے ماخوذ ہے:

''مست ہاتھی کو کنول کے زیرے سے باندھ سکتے ہیں۔ پھول کی پتی سے ہیرے کو کاٹ سکتے ہیں اور شہد کے ایک قطرے سے کھاری سمندر کو میٹھا بنا سکتے ہیں۔ جو یہ سب کر سکتے ہیں وہ مردِ ناداں کو اپنے کلام سے متاثر نہیں کر سکتے۔''

(اقبال اور بھرتری ہری از میرزا محمد بشیر، مشمولہ ''نیرنگِ خیال، اقبال نمبر، ص: ۵۵۔۴۵۴)

زندہ رود کی بھرتری سے شاعری کے رموز پر گفتگو ہوتی ہے وہ ہندیوں کو پیغام دیتے ہیں ؎

پیشِ آئینِ مکافاتِ عمل سجدہ گذار
زانکہ خیزد ز عمل دوزخ و اعراف و بہشت

(یعنی مکافاتِ عمل کا قانون جاری ہے۔ تجھ پہ لازم ہے کہ اس قانون کو ہمیشہ مدِ نظر رکھ کیونکہ دوزخ، اعراف اور بہشت یہ سب تیرے اعمال ہی کے نتائج ہیں)

درویشوں کی صحبت سے استفادہ کے بعد زندہ رود سلاطینِ مشرق کی روحوں سے ملاقات کرتے ہیں۔ سب سے پہلے نادر شاہ اہلِ ایران کے حالات دریافت کرتا ہے۔ زندہ رود جواب میں کہتے ہیں:

Marfat.com

"بعد مدت کے انہوں نے آنکھ کھولی مگر بیدار ہوتے ہی دامِ وطنیت میں گرفتار ہو گئے۔ جس قوم نے خود ایک تہذیب پیدا کی وہ فرنگیوں کی مقلد بن گئی۔ ملک ونسب پہ وارفتگی کا یہ عالم ہے کہ قدیم ایرانی بادشاہوں کو زندہ کر رہے ہیں اور عربوں کی تحقیر میں مشغول ہیں۔ انہوں نے وطن کو اپنا معبود بنالیا ہے اور حیدرؓ کی بجائے رستم کی داستانیں بیان کر رہے ہیں۔"

عین اس موقع پر ناصر خسرو علوی کی روح نمودار ہوتی ہے۔ ناصر خسرو گیارہویں صدی عیسوی کا اسماعیلی مذہب کا داعیِ کبیر، علومِ عقلیہ اور فنون کا ماہر خراسان وبدخشاں کا والی بھی تھا۔ اس کی زبان سے علامہ اقبال نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ دنیا میں سر بلندی اور کامرانی کے لئے رائے (علم) کے ساتھ ساتھ قوت کا ہونا بھی ضروری ہے۔

احمد شاہ ابدالی، زندہ رود سے افغانستان کا حال دریافت کرتا ہے۔ زندہ رود کہتا ہے ؎

از مقاصد جانِ اُو آگاہ نیست

اور یہ کہ افغانستان کے باشندے آپس میں برسرِ پیکار ہیں۔" یہ سن کر ابدالی مسلمانانِ عالم کو پیغام دیتا ہے:

"اگر مسلمان اپنے دین پر قائم ہو جائیں تو دنیا میں سر بلندی حاصل کر سکتے ہیں۔ اُن کے زوال کا باعث تقلیدِ مغرب ہے۔ مسلمان علوم وفنون میں مہارت حاصل کر کے ہی سرخرو وکامیاب ہو سکتے ہیں۔"

اس کے بعد ٹیپو سلطان شہید، زندہ رود سے ہندوستان کا حال دریافت کرتے ہیں۔ زندہ رود جواب دیتا ہے کہ ہندوستان کے باشندے اپنی آزادی کے لئے جدوجہد کر رہے ہیں۔ سلطان شہید، دکن کا حال پوچھتے ہیں، جواب ملتا ہے: "وہاں زندگی کے کچھ آثار نظر تو آتے ہیں۔" سلطان شہید، اہلِ دکن کو پیغام دیتے ہیں اور اس ضمن میں حیاتِ مرگ اور شہادت کا فلسفہ بیان کرتے ہیں:

زندگی را چیست رسم ودین وکیش؟
یک دمِ شیری بہ از صدِ سالِ میش!

سلطان شہید کی یہ حدیثِ شوق سننے کے بعد زندہ رود فردوس سے رخصت ہوتے ہیں۔ بوقتِ رخصت حوریں کہتی ہیں ؎

یک دودم باما نشیں باما نشیں
(کچھ دیر ہمارے پاس بھی بیٹھو)

زندہ رود انہیں کہتا ہے کہ عاشق کسی ایک جگہ قیام نہیں کر سکتا۔ یہ سن کر حوریں کہتی ہیں اچھا کوئی غزل ہی سناتے جاؤ۔ اقبال غزل سرا ہوتے ہیں جس کا مرکزی خیال یہ ہے کہ "عاشق ضمیرِ کائنات سے واقف ہوتا ہے۔ عاشق سے نگاہ (معرفت) حاصل کر، کیمیا کی توقع نہ رکھ۔"

زندہ رود حورانِ بہشتی سے رخصت ہو کر بارگاہِ ایزدی میں پہنچتے ہیں مگر رومیؒ کے بغیر۔ تمہیدِ حضوری میں کہتے ہیں کہ اگرچہ یہ جنت بھی اس کی ایک تجلی ہے مگر عاشق کو دیدار کے بغیر تسکین نہیں ہو سکتی۔ عقلِ سلیم خدا تک رسائی کا راستہ تو فراہم کر دیتی ہے مگر یہ شوق ہی ہے جو آخری منزل تک جا سکتا ہے۔ کہتے ہیں:

"جنت سے تنہا روانہ ہوا اور میں نے اللہ کا نام لے کر اپنی جان کی کشتی نور کے سمندر میں ڈال دی۔ میں جمالِ ذات کے تماشہ میں مستغرق ہو گیا۔ جو ہر زمان در انقلاب اور لایزال ہے۔ کارکنانِ قضا و قدر نے میری جان کے سامنے ایک آئینہ آویزاں کر دیا۔ اپنا ہی دیدار کرنے کے بعد مجھ پر حیرت و یقین کی کیفیت طاری ہو گئی ۔

پیشِ جاں آئینۂ آویختند
حیرتے را با یقیں آمیختند

اور مجھ پہ یہ حقیقت بھی منکشف ہو گئی کہ دراصل حق تمام حجابات کے باوجود ظاہر ہو رہا ہے اور میری نگاہ سے اپنا دیدار کر رہا ہے ۔

حق ہویدا باہمہ اسرار خویش
با نگاہِ من ، کند دیدار خویش

اقبال کہتے ہیں کہ جب میں دیدار سے مشرف ہو چکا تو بارگاہِ ایزدی میں عرض کی کہ اے خدا! ذرا اس دنیا کے حالِ زار پر بھی اک نگاہ کر! تیری یہ دُنیا تیرے بندوں کے لئے قطعاً ناسازگار ہے، حالت یہ ہے کہ چار قسم کی اموات اس سخت جاں کے پیچھے پڑی ہوئی ہیں، سود خوار، حکمران، جامد مُلّا اور جاہل پیر۔

ذاتِ حق کی بارگاہ سے جواب ملتا ہے کہ ہر وہ شخص جس میں نئی دنیا پیدا کرنے کی قوت نہیں ہے ہمارے نزدیک کافر اور زندیق کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

زندہ رود عرض کرتا ہے کہ مسلمانوں کے دوبارہ زندہ ہونے کی صورت کیا ہے؟ جواب ملتا ہے کہ اگر مسلمان توحید پر عمل کریں تو احیا ہو سکتا ہے۔ زندہ رود سوال کرتا ہے کہ میں کون ہوں، تو کون ہے، یہ عالم کہاں ہے، تیرے میرے بیچ دوری کیوں ہے، میں پابندِ تقدیر ہوں۔ تُو لافانی اور میں فانی

Marfat.com

ہوں ذرا بتا تو سہی؟؟؟

بارگاہِ ایزدی سے جواب ملتا ہے:

''جو شخص کائنات میں غرق ہو جاتا ہے انجامِ کار مر جاتا ہے۔اگر تو حیاتِ ابدی کا آرزو مند ہے تو اپنی خودی کو مستحکم کر لے تو کائنات تجھ میں سما جائے گی اور جب تو زمان و مکاں پہ غالب آ جائے گا تو دیکھے گا کہ تجھ میں اور مجھ میں کوئی فرق نہیں۔''

اب زندہ رود خدا سے آخری التجا کرتا ہے کہ اے خدا! مجھے میری اور شرق و غرب کی تقدیر سے آگاہ کر دے۔اس التجا کے جواب میں جلالِ ایزدی کی تجلی ہوتی ہے۔زندہ رود غش کھا کر گر پڑتا ہے اور ضمیرِ عالم سے ایک صدائے سوزناک بلند ہوتی ہے جس سے اُسے اپنے سوال کا جواب مل جاتا ہے کہ تو اپنے بل بوتے پر سب کے ساتھ وابستہ رہ کے اس طرح زندگی گزار کہ دوسروں کا دستِ نگر نہ بن بلکہ اپنی ضروریات اپنے قوتِ بازو سے حاصل کر یہی گویا تیری تقدیر ہے ؎

زندگی انجمن آرا و نگہباں خود است

اے کہ دو قافلۂ بے ہمہ شو با ہمہ رو

علامہ کی سیرِ افلاک کا اختتام اسی درجِ بالا شعر پر ہو جاتا ہے۔

اس کے بعد ''خطاب بہ جاوید'' کے عنوان سے ۱۳ بند (۱۳۶ اشعار) پر مشتمل ایک ضمیمہ شامل ہے جس کا ذیلی عنوان ''سخنے بہ نژادِ نو'' ہے جس میں علامہ اقبالؒ نے جاوید کو نئی نسلوں کی علامت بنایا ہے اور اپنے صاحبزادے کے نام پر اس شہرۂ آفاق تصنیف کا نام رکھا۔نژادِ نو کے نام یہ خطاب ہر دور کے نوجوانوں کے لئے مشعلِ راہ ہے۔اس میں حقیقتِ توحید کے ادراک، عبادات و شعائر اسلامی پر غور و فکر کرنے کی اہمیت، بے حسی اور مذہبی پیشوائیت کی اندھی تقلید، علمِ حقیقی حاصل کرنے، خودی و آموزی، صدقِ مقال و اکلِ حلال برتنے، تقویٰ شعاری، ادب و احترامِ انسانی، فقرِ اختیاری سے لگاؤ، صدق و اخلاص کی روش اپنانے اور حرص و غم سے دور رہنے جیسے پند و نصائح حکیمانہ زبان میں بیان ہوئے ہیں۔الغرض جاوید نامہ فکرِ انسانی کی معراج ہے۔شعر و سخن، مطالب و معانی، فہم و ادراک، فکر و نظر کی جو لانیوں کے اعتبار سے دنیائے ادب کا نادر اور وقیع و عظیم نمونہ ہے!!

ماخذ و مراجع

☆اردو دائرہ معارف اسلامیہ، جلد اوّل، مطبوعہ دانش گاہ پنجاب لاہور، ۱۹۸۰ء

☆اقبال۔ایک مطالعہ از: کلیم الدین احمد، مطبوعہ دہلی (بھارت)، ۱۹۷۹ء

☆''اقبال اور گوئٹے'' مرتبہ: محمد اکرام چغتائی، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۲۰۰۱ء

☆اقبال اور عالمی ادب، از: ڈاکٹر عبدالمغنی، اقبال اکادمی پاکستان لاہور، طبع دوم ۱۹۹۰ء

☆اقبال اور مغربی مفکرین، از: جگن ناتھ آزاد، مکتبہ عالیہ، لاہور، سنِ اشاعت ندارد

☆اقبال سب کے لئے، از: ڈاکٹر فرمان فتح پوری، الوقار پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۲ء

☆اقبال کی فارسی شاعری کا تنقیدی جائزہ، از: ڈاکٹر عبدالشکور احسن، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، ۱۹۷۷ء

☆اقبال نامہ، (۲ جلدیں) مرتبہ: شیخ عطا اللہ، مطبوعہ شیخ محمد اشرف، لاہور، طبع 1951ء

☆انجیلِ مقدس، مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی لاہور، ۱۹۸۷ء

☆انسانِ کامل، از: عبدالکریم الجیلی، (اردو ترجمہ: مولانا فضلِ میراں) کراچی، ۱۹۶۲ء

☆انسان نے کیا سوچا، از: غلام احمد پرویز، طلوعِ اسلام ٹرسٹ لاہور، ۱۹۹۶ء

☆البرھان الازھر فی مناقب الشیخ الاکبر، از: محمد رجب حلمی، مطبوعہ قاہرہ۔ ۱۳۲۶ھ

☆تاریخ ادبِ انگریزی، از: ڈاکٹر محمد احسن فاروقی، مطبوعہ مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع دوم ۱۹۹۶ء

☆تاریخ الحکماء، از: جمال الدین ابوالحسن علی بن یوسف القفطی، (مترجم: ڈاکٹر غلام جیلانی برق)، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، ۱۹۹۲ء

☆تاریخِ تصوف قبل از اسلام، از: بشیر احمد ڈار، ادارہ ثقافت اسلامیہ لاہور، ۱۹۶۲ء

☆تاریخ فلاسفۃ الاسلام، از: محمد لطفی جمعہ، مترجم: ڈاکٹر میر ولی الدین، نفیس اکیڈمی کراچی، سن ندارد

☆تاریخ الفکر الاندلسی، از: آنجل جنثالث پالنشیا، قاہرہ، ۱۹۵۵ء

☆''ترجمان الاشواق'' از: محی الدین ابن عربی، مطبوعہ بیروت، ۱۳۸۱ھ

☆تذکرۃ الاولیاء، از: شیخ فرید الدین عطارؒ۔ مرتب و مترجم مولانا زبیر افضل عثمانی، فرید مبین پبلشرز کراچی بار سوم ۱۹۷۵ء

☆تصوراتِ عشق و خرد اقبال کی نظر میں، از: ڈاکٹر وزیر آغا، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور۔ طبع ثانی، ۱۹۸۷ء

☆تصوف اسلام، از: مولانا عبدالماجد دریابادی، مطبوعہ شاہکار لاہور، جون ۱۹۷۷ء،

☆تفسیر ابنِ کثیر، از: علامہ حافظ ابوالفدا عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر، اردو ترجمہ: مولانا محمد صاحب

Marfat.com

جونا گڑھی، (پانچ جلدیں)، جہانگیر بک ڈپو، لاہور، سن اشاعت ندارد

☆تشکیل جدید الٰہیاتِ اسلامیہ (علامہ اقبال کے انگریزی خطبات کا اردو ترجمہ از: سیّد نذیر نیازی) بزمِ اقبال، لاہور، ۱۹۹۴ء۔

☆تلمیحاتِ اقبال، از: عابد علی عابد، بزمِ اقبال لاہور، طبع دوم دسمبر ۱۹۸۵ء

☆توریت مع زبور و صحائف انبیاء، (خلاصہ) مطبوعہ لاہور، ۱۹۷۷ء

☆تین مسلمان فیلسوف، از: ڈاکٹر سید حسین نصر، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ لاہور، ۱۹۸۷ء

☆جاوید نامہ از: علامہ اقبالؒ، شیخ غلام علی اینڈ سنز لاہور، طبع ہفتم، جون ۱۹۷۸ء

☆جاوید نامہ۔ تحقیق و توضیح، از: ڈاکٹر محمد ریاض، اقبال اکادمی پاکستان، لاہور، طبع اوّل ۱۹۸۸ء

☆جاوید نامہ، مترجمہ: رفیق خاور، اقبال اکادمی پاکستان لاہور طبع اوّل ۱۹۷۶ء

☆جہنم، از: دانتے، اردو ترجمہ: مولوی عنائت اللہ، بک ہوم لاہور، جنوری ۲۰۰۴ء

☆حکمائے قدیم کا فلسفۂ اخلاق، از: بشیر احمد ڈار، ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، طبع دوم ۱۹۹۵ء

☆دبستانِ مذاہب، از: کیخسر و اسفندیار، (اردو ترجمہ) مطبوعہ ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع اول ۲۰۰۲ء

☆الدر الثمین فی مناقب الشیخ محی الدین، از: شیخ ابراہیم بن عبداللہ قاری البغدادی، مطبوعہ بیروت، ۱۹۵۹ء

☆درۃ التاج فی مسئلہ معراج، از: مولوی فیض محمد قادری، کتب خانہ مہریہ لاہور، ۱۹۶۳ء

☆دنیا کا قدیم ترین ادب (جلد اول) از: ابن حنیف، بیکن پبلی کیشنز، ملتان، بار دوم ۱۹۸۷ء

☆دنیا کی سو عظیم کتابیں، از: ستار طاہر، کاروانِ ادب ملتان، بار سوم ۱۹۹۳ء

☆رسالۃ الغفران، از: ابو العلا معری، فارسی ترجمہ از: آقائی اکبر دانا سرشت، چاپ تہران، ۱۳۳۰ھ

☆روحِ اقبال، از: ڈاکٹر یوسف حسین خان، ادارہ اشاعت اردو حیدر آباد دکن (بھارت)، طبع ثانی ۱۹۴۴ء

☆روح القدس، از: محی الدین ابن عربی، مطبوعہ دمشق، ۱۹۶۴ء

☆ریاست، از: افلاطون، اردو ترجمہ: ڈاکٹر ذاکر حسین، فکشن ہاؤس، لاہور، ۲۰۰۶ء

☆سیاحِ لامکاں، از: مولانا سیّد ابو الفیض قلندر علی سہروردی، ادارہ سہروردیہ لاہور، ۱۴۰۳ھ

☆سیرۃ النبی ﷺ (جلد سوم) از: علامہ سیّد سلیمان ندوی، سردسز بک کلب لاہور، ۱۹۸۶ء

☆سیر العباد الی المعاد از: حکیم سنائی غزنوی، مرتبہ سعید نفیسی، تہران، ۱۳۱۶ھ۔

☆شاخ زرّیں، از: سر جیمس جارج فریزر، مترجم: سیّد ذاکر اعجاز، (جلد اوّل و دوم) مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع دوم ۲۰۰۲ء

☆شرح جاوید نامہ، از: یوسف سلیم چشتی، عشرت پبلشنگ ہاؤس لاہور، سن اشاعت ندارد

☆شذراتِ فکر اقبال، از: ڈاکٹر افتخار احمد صدیقی، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۷۳ء

Marfat.com

☆شمسون مبارز، از: جان ملٹن، مترجم: مجنوں گورکھ پوری، انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی، اشاعت اوّل ۱۹۷۳ء
☆شیخ الاکبر المحی الدین ابن عربی، از: محمود غراب، مطبوعہ دمشق، ۱۹۸۲ء
☆صحیح البخاری، از: محمد بن اسمٰعیل البخاریؒ، مکتبہ رحیمیہ دیو بند، ۱۳۸۷ھ
☆صحیح مسلم، مسلم بن الحجاج القشیریؒ، مکتبہ رشیدیہ، دہلی ۱۳۷۶ھ۔
☆عجائب المخلوقات، از: عماد الدین زکریا بن محمد بن محمود الکونی قزوینی، تصحیح وتخریج قاری نجم الصبیح تھانوی، مشتاق بک کارنر، لاہور، ۲۰۰۴ء
☆عکس وجود باری تعالیٰ، از: بدیع الزماں سیّد نورسی، مترجم ومرتبہ: الیف نیاز، محمد یونس قریشی، جہانگیر بک ڈپو، لاہور، ۲۰۰۶ء
☆عقود الجمان (غیر مطبوعہ مخطوطہ) از: ابن الشعار، کتب خانہ اسعد آفندی، استنبول
☆علامت نگاری' مرتب: اشتیاق احمد، بیت الحکمت، لاہور، ۲۰۰۵ء
☆فتوحاتِ مکیہ، از: شیخ محی الدین ابنِ عربی، مطبوعہ قاہرہ (مصر)، ۱۳۹۲ھ، (تحقیق عثمان یحیٰی)
☆ایضاً، جلد اوّل، مترجم: مولوی محمد فضل خان، تصوف فاونڈیشن، لاہور، ۱۹۹۹ء
☆ایضاً، جلد اوّل تا سوم، مترجم: صائم چشتی علی برادران فیصل آباد، ۱۴۱۲ھ
☆فصوص الحکم' از: محی الدین ابن عربی، مترجم: مولانا عبدالقدیر صدیقی، نذیر سنز، لاہور، ۱۹۷۹ء
☆فکرِ اقبال، از: ڈاکٹر خلیفہ عبدالحکیم، بزمِ اقبال، لاہور، طبع ششم جون ۱۹۸۸ء
☆فلسفۂ عجم، از: علامہ ڈاکٹر سر محمد اقبال، مترجم: میر حسن الدین، نفیس اکیڈمی، کراچی، ۱۹۸۴ء
☆فیہِ مافیہِ، از: مولانا جلال الدین رومی، (اردو ترجمہ بعنوان: ملفوظاتِ رومی، مترجم: عبدالرشید تبسم) ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، لاہور، طبع چہارم ۱۹۹۱ء
☆کتاب الروح، از: علامہ حافظ ابن القیم، ترجمہ: مولانا راغب رحمانی، نفیس اکیڈمی، کراچی، جون ۱۹۸۲ء
☆کلیاتِ مکاتیبِ اقبال، مرتب: مظفر حسین برنی، مطبوعہ اردو اکادمی دہلی، اشاعت چہارم، ۱۹۹۳ء
☆ کمدی الٰہی (فارسی)۔ مقدمہ، شجاع الدین شفا، بہ حوالہ تورات، انتشاراتِ امیرِ کبیر، تہران، ۱۳۵۲ھ
☆القرآن الکریم، اردو تفسیر: مولانا صلاح الدین یوسف، مطبوعہ شاہ فہد قرآن شریف پرنٹنگ کمپلیکس مدینہ منورہ، ۱۴۱۷ھ
☆القرآن الکریم، اردو ترجمہ: اعلیٰ حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ، مطبوعہ قرآن کمپنی لاہور، ۱۹۸۵ء
☆ایضاً، مترجم: مولانا فرمان علی، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۸۳ء
☆قصص الانبیاء، از: حافظ عماد الدین محمد بن اسمٰعیل المعروف بہ ابن کثیر، اردو ترجمہ: ظفر اقبال کلیار، مکتبہ زاویہ، لاہور، ۲۰۰۳ء

Marfat.com

☆قصص الانبیاء، از: ابواسحاق الثعلبی، قاہرہ، ۱۳۰۱ھ
☆محاضرۃ الابرار ومسامرۃ الاخبار، از: محی الدین ابن عربی، مطبوعہ بیروت، ۱۳۸۸ھ
☆محی الدین ابنِ عربی۔ حیات وآثار، از: ڈاکٹر محسن جہانگیری (مترجم: احمد جاوید، سہیل عمر) ادارہ ثقافت اسلامیہ، لاہور، طبع دوم اکتوبر ۱۹۹۹ء
☆مسیحی کا سفر، از: جان بنین، مسیحی اشاعت خانہ، لاہور، ۲۰۰۱ء
☆مسلم شخصیات کا انسائیکلوپیڈیا، از: ایم۔ ایس ناز، شیخ غلام علی لاہور، ۱۹۷۶ء
☆مطالعہ اقبال کے چند پہلو، از: پروفیسر اسلوب احمد انصاری، کاروانِ ادب ملتان، ۱۹۸۶ء
☆مغربی شعریات، از: محمد ہادی حسین، مجلس ترقی ادب، لاہور، ۱۹۶۸ء
☆ملفوظاتِ اقبال، مرتبہ: محمود نظامی، مطبوعہ اقبال اکادمی لاہور، ۱۹۷۷ء
☆نفحات الانس، از: مولانا عبدالرحمٰن جامیؒ، مطبوعہ کراچی، ۱۹۸۲ء
☆نفح الطیب، از: احمد بن محمد المقری، جلد دوم، مطبوعہ مصر، ۱۳۶۷ھ
☆وفات الاعیان، از: قاضی ابوالعباس احمد، ابن خلکان۔ مکتبہ النہضہ، مصر ۱۳۱۰ھ
☆ہندو صنمیات، از: ڈاکٹر مہر عبدالحق، بیکن بکس، ملتان، ۲۰۰۲ء
☆الیواقیت والجواہر، از: عبدالوہاب شعرانی، مطبوعہ مصر ۱۳۲۱ھ
☆یونان کا ادبی ورثہ، از: احمد عقیل روبی، الوقار پبلی کیشنز لاہور، دسمبر ۲۰۰۰ء
☆یہ باتیں بھی قرآن میں ہیں، از: میاں محمد افضل، مجاہد اکیڈمی، لاہور ۲۰۰۴ء

رسائل وجرائد

☆ ''ادبیات'' اسلام آباد (بین الاقوامی ادب نمبر: ۵) شمارہ ۴۳، ۴۴، ۱۹۹۸ء
☆ اردو (اقبال نمبر) مطبوعہ انجمن ترقی اردو، دہلی، طبع جدید، ۱۹۴۰ء
☆ ''اوراق'' لاہور، شمارہ جون جولائی ۱۹۹۲ء
☆ ''پیغامِ آشنا'' سہ ماہی، (اقبال نمبر) مطبوعہ ثقافتی قونصلیٹ اسلامی جمہوریہ ایران، اسلام آباد، شمارہ ۴، دسمبر ۲۰۰۰ء
☆ روائت، لاہور، ۱۹۸۳ء (کتابی سلسلہ)
☆ سیارہ ڈائجسٹ لاہور، (اقبال نمبر)، اپریل ۱۹۷۷ء
☆ سیارہ ڈائجسٹ (چودہ صدیاں نمبر) جلد ۳۴، شمارہ: ۲ فروری، مارچ ۱۹۸۱ء
☆ ''صحیفہ'' لاہور (سہ ماہی)، جولائی۔ ستمبر ۱۹۸۵ء (آزادی نمبر)
☆ فکر ونظر، اسلام آباد، (اندلس نمبر) بعنوان: اندلس کی اسلامی میراث، ترتیب وتدوین: ڈاکٹر صاحبزادہ

Marfat.com

ساجد الرحمٰن، ادارہ تحقیقاتِ اسلامی، اسلام آباد، ۱۹۹۶ء

☆ ماہِ نو، لاہور، (اقبال نمبر)، ستمبر ۱۹۷۷ء

☆ نیرنگِ خیال، لاہور، (اقبال نمبر) مرتب: حکیم یوسف حسن، ۱۹۳۲ء۔ (طبع جدید، نقوش، ۱۹۷۷ء)

مقالات

☆ ادبیاتِ عالم میں سیرِ افلاک کی روایت، (مقالہ) از ڈاکٹر اسلم انصاری، مطبوعہ "مکالمہ" کتابی سلسلہ ۷، کراچی

☆ دانتے کا طربیہ خداوندی اور جاوید نامہ اقبال، مقالہ، از پروفیسر اشرف حسینی، مشمولہ "اقبال" مطبوعہ بزمِ اقبال لاہور، جلد ۲۹، شمارہ ۲، اپریل ۱۹۸۲ء و ماہنامہ "اظہار" کراچی، شمارہ اپریل ۱۹۸۶ء

ENGLISH BOOKS

1-Arbery,Arthur."Javed Nama"(Eng.Tr.) London,1966.

2-Asin, Palacios. "Islam and the Divine Comedy" (Eng.Tr.H.Sunderland),London.1926.

3-Carlyle;Thomas,"On Heroes and Hero Worship",Everyman's Library,London.1965.p:330)

4-Claude Addas :Quest for the Red Sulpher,Lahore,2000.

5-De Lorris, Guillaume and Jean de Meun. The Romance of the Rose. Translated and edited by Horgan, Frances. © 1994. Reproduced by permission of Oxford University Press. © 1993-2003 Microsoft Corporation. (Encarta Encyclopedia 2004)

6-John Milton, "Paradise Lost"(Book.1) Lahore.

7-The Odyssey, trans. Albert Cook. New York. 1974.

8-E.G.Browne,Literary History of Persia(Cambridge II, & III,1915)

9-T.J.Read ;Makers of Nineteenth Century culture 1800.1994.Edited by Justin Wintle (London;1982)

10-P.B.Shelley;Selected Poems, By:M.SaifulHaq, Lahore.

11-Plotinus,"ENNEADS"(Eng.Tr.) London, 1956.

12-Stephen Hirtenstein,The Unlimited Mercifier " 1999.U.K.

13-William Wordsworth, "The Prelude" Lahore.

Marfat.com

سیرِ آفاق
(مشرق و مغرب کے مکشوفی اور معراجی تجربات کا بیان)
محمد شفیع بلوچ